مصنف : برکلے ماتھر
مترجم : ظفر اعجاز
سُودائے زر
سیف الملوک عباسی ۔ محمد نعمان
عقیل قریشی ۔ محمد سجاد بھٹی
جاسوسی ڈائجسٹ : فروری + مارچ 1991

دولت کے پُجاریوں کے لیے عبرت آموز و نصیحت آمیز تحریر

گوا، بمبئی اور مالابار کے ساحل سے کلکتہ تک پھیلی ہوئی یہ سنسنی خیز داستان برکلے ماتھر کے ناول [THE GOLD OF MALABAR] سے لی گئی ہے۔ اس مشہور مصنف کی تحریریں پہلے بھی جاسوسی ڈائجسٹ کے ابتدائی صفحات میں جگہ پا چکی ہیں اور آپ سے داد بھی۔ اس کہانی کا مرکزی کردار جیل سے فرار ہونے والا ایک قیدی ہے جسے پورے ہندوستان میں کہیں امان نہ تھی۔ اُس کے دشمن اُس کی بُو سونگھتے پھر رہے تھے تو دوست بھی اُسے کھونا نہیں چاہتے تھے۔ وہ دُنیا میں واحد انسان تھا جو ایک پوشیدہ سونے کے ڈھیر تک پہنچنے کا آخری ذریعہ تھا۔ یہ راز اُس کے سینے میں ایک دم توڑتے ہوئے قیدی کی امانت تھا۔ ایک راندۂ درگاہ بُدھ بھکشو اُس کا راہنما ٹھہرا۔

پل پل رنگ بدلتی اور ہر موڑ پر تجسّس جگاتی ایک سحر انگیز داستان

سودائے زر

ظفر اعجاز

لانچ کسی مہیب چمگادڑ کی طرح تاریک سمندر میں لنگر انداز تھی۔ اس کے بادبان پھڑ پھڑا رہے تھے، سورج غروب ہو چکا تھا اور مغرب میں نظر آنے والی سرخی اب سیاہی میں تبدیل ہو رہی تھی، لانچ جس جگہ کھڑی تھی وہاں کے اتھلے سمندر کا پانی تیزی سے اُتر رہا تھا اس لئے ناخدا بہت فکرمند دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے پریشان لہجے میں کہا۔ "مد تیزی سے اتر رہا ہے اور نیچے گہرا کیچڑ ہے۔ اگر تم رات کو ساحل پہ جا کر واپس آنا چاہتے ہو تو موٹر اسٹارٹ کرنا ہوگی۔"

"نہیں۔ موٹر نہ چلانا، بہت شور ہوتا ہے۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

"میں تمہیں بتلائے دیتا ہوں۔" ناخدا نے کہا۔ "جلد ہی پانی اتر جائیگا اور ہم کیچڑ کی دلدل میں پھنس جائیں گے، موٹر چلائے بغیر اس سے نکلنا ممکن نہ رہے گا، ویسے بھی ہم ہوا کے مخالف رخ پر کھڑے ہیں۔ بادبان سے کام نہیں چلے گا۔"

"تھوڑی دیر اور انتظار کرو، بس تھوڑی دیر۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن بعد میں مجھے الزام نہ دینا۔ میں جانتا ہوں، تم اس ملائی کو بچانا چاہتے ہو۔ لیکن اس جگہ پانی بارہ فٹ سے زیادہ گہرا نہیں۔ اور کچھ دیر بعد پانچ چھ فٹ رہ جائے گا پھر مجھ سے نہ کہنا۔" وہ اس وقت تک بڑبڑاتا رہا جب تک دوسرے نے پشت پر زوردار ہاتھ نہیں رسید کیا۔ ایک لمحہ کو وہ سکتے میں رہا پھر کسی خونخوار درندے کی طرح پلٹا۔ ایک لمحے کو ایسا لگا جیسے ناخدا اس پر حملہ کر دے گا۔ وہ دراز قد، چھریرے بدن کا مضبوط آدمی تھا۔ جسم پر نیکر اور بوسیدہ سے بنیان کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ الجھی ہوئی داڑھی، سینے پر بڑے بڑے بال اور سرخ سرخ غضبناک آنکھوں کی وجہ سے وہ بڑا خوفناک لگ رہا تھا۔ اس کے مدِمقابل نے اپنی سمورائی تلوار نیام سے نکال لی تھی اور اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑے تیار کھڑا تھا۔

"کچھ دیر اور انتظار کرو۔" اس نے اچانک ملائم لہجے میں

کہا اور تلوار نیام میں رکھ لی - "مہربانی ہوگی -"

اسی لمحے لانچ ایک دھچکے کے ساتھ دلدلی کیچڑ سے ٹکرائی اور وہ دونوں گرتے گرتے بچے - ناخدا نے بے بسی کے عالم میں اسے دیکھا اور اپنی آنکھیں بند کرلیں ' دوسرے شخص نے غصے سے اپنی زبان میں زور زور سے کچھ کہا دوسرے ہی لمحے ڈیک پر رکھے سامان کے پیچھے سے مسلح سپاہی سایے کی طرح نکل کر آگے بڑھے اور اس کے سامنے اٹین شن ہو کر کھڑے ہوگئے - وہ جاپانی زبان میں ان کو ہدایات دیتا رہا - جیسے ہی وہ خاموش ہوا سپاہی پھرتی کے ساتھ حرکت میں آئے ' انھوں نے سامان پہ ڈھکے ہوئے ترپال کو ہٹایا اور نچلے حصے کا پٹ کھول کر اندر رکھی پیٹیوں کو نکالنا شروع کیا - لکڑی کی بکس نما یہ لانبی اور چوکور پیٹیاں تعداد میں ان گنت تھیں ' ان پر موٹی رسیوں کے ہینڈل لگے ہوئے تھے ' سپاہیوں کے اٹھانے کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ بے حد وزنی تھیں -

ان کا افسر کچھ دیر تک مستعدی کے ساتھ کھڑا اس کارروائی کو دیکھتا رہا پھر اس نے اپنی زبان میں کوئی حکم دیا ' ایک سپاہی پانی میں کود گیا اور گہرائی کا اندازہ کرنے لگا ' پانی صرف سینے تک گہرا تھا اور تیزی کے ساتھ اتر رہا تھا - سپاہی پانی میں چلتا ہوا کنارے تک پہنچا اور پھر تاریکی میں اس نے آہستہ سے آواز دی ' افسر مطمئن لہجے میں غرایا اور اسٹیئرنگ بکس پر بیٹھ گیا - ایک دوسرے سپاہی نے بیٹھ کر اس کے جوتوں کے تسمے کھولے - اس نے جوتے اتار دیے لیکن اپنی پیٹی اور تلوار لگی رہنے دی اور پھر نیچے کے لاکر سے ایک سب مشین گن اور ایک تھیلا نکالا - پاس کھڑے سپاہی سے افسر نے سرگوشی میں کچھ کہا - سپاہی نے آگے بڑھ کر ناخدا کو بازو سے پکڑا اور اس کے ایک ہاتھ کو اسٹیئرنگ وھیل کے ساتھ ہتھکڑی سے جکڑ دیا -

کئی گھنٹے گزر گئے - وہ چیونٹیوں کی طرح لانچ سے پیٹیاں اٹھا اٹھا کر تاریک ساحل پر لے جاتے رہے - وہ بارہ جاپانی سپاہی اور چار ملائی ملاح تھے - ان کا افسر لانچ سے لے کر ساحل تک نگرانی کرتا رہا اور جاپانی زبان میں ہدایات دیتا رہا - اس کے بعد ایک طویل خاموشی طاری ہوگئی ' تیز ہواؤں کی سرسراہٹ کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی - کبھی کبھی بادبان ہوا سے پھڑ پھڑا اٹھتے یا دور کہیں سے مینڈکوں کے ٹرٹرانے کی آواز فضا میں سنائی دیتی - ہتھکڑی سے جکڑا ہوا ناخدا اپنے ایک آزاد ہاتھ سے مچھروں کے حملہ آور غول کو بھگانے کی ناکام کوشش کرتا رہا اور پھر تھک کر سو گیا -

دھماکوں کی تیز آواز سے وہ اچھل کر بیٹھ گیا - صبح ہونے والی تھی - دو زبردست دھماکے ہوئے - پھر پرندے چیختے ہوئے فضا میں اڑنے لگے ' اس کے فوراً بعد سب مشین گن کی فائرنگ سے فضا گونج اٹھی - آخر میں یکے بعد دیگرے چار فائر ہوئے اور خاموشی طاری ہوگئی - دہشت زدہ ناخدا گھبرا کر کھڑا ہوگیا تھا - خوف سے اس کا جسم کانپ رہا تھا اور سارا جسم پسینے سے تر ہوگیا تھا - اس نے اپنے ہاتھ آزاد کرانے کی بڑی کوشش کی ' کلائی زخمی ہوگئی ' لیکن ہاتھ پھر بھی آزاد نہ ہو سکا -

افسر جب واپس آیا تو سورج بلند ہو چکا تھا - وہ ایک ہاتھ سے تیرتا ہوا آیا تھا کیونکہ پانی کافی چڑھ چکا تھا -- دوسرے ہاتھ میں اس نے سب مشین گن اٹھا رکھی تھی -

اس کی سمورائی تلوار پیٹی کے ساتھ شانے پر لٹک رہی تھی - اس نے لانچ پر قدم رکھا تو تکان سے نڈھال نظر آرہا تھا - ناخدا نے جھک کر آزاد ہاتھ سے سیلیوٹ کیا لیکن اس نے نظر انداز کردیا اور ڈیک پر بیٹھ کر اپنے کیچڑ بھرے پیروں کو صاف کرنے لگا ' اس کے بعد جوتے پہن کر وہ لانچ کے اگلے حصے کی سمت گیا اور چڑھتے سورج کو جھک کر تعظیم دی اور پھر فوجی انداز میں سیلیوٹ کیا - اس کے بعد ساحل کی سمت جھک کر تعظیم دی اور پھر ڈیک پر تین مرتبہ سجدہ کیا - پانی اب کافی چڑھ آیا تھا اس لئے کشتی خود بخود لہروں کے سہارے بہنے لگی تھی - بادبان ہوا سے بھر گئے تھے اور وہ آہستہ آہستہ ساحل سے دور ہوتے جارہے تھے -

جاپانی افسر نے ناخدا کی سمت دیکھا - "اب واپس چلو -" اس نے کہا -

"موٹر چلائے بغیر یہ ممکن نہیں ہوگا -" ناخدا نے جواب دیا - "اور اب بادبان کو اتارنا ہوگا ' ابھی ہم کیچڑ سے باہر نہیں نکلے ہیں -"

افسر نے گردن ہلائی اور آگے بڑھ کر ناخدا کے ہاتھ کو ہتھکڑی سے آزاد کردیا - اس نے عجیب نظروں سے ناخدا کو دیکھا اور پھر کچھ دور ہٹ کر ریلنگ کے سہارے کھڑا ہوگیا ' سب مشین گن اس کے بازوؤں میں تھی - وہ ناخدا کی سمت دیکھتا رہا جس نے لانچ کے پرانے انجن کو اسٹارٹ کیا اور اسٹیئرنگ وھیل کو سنبھال کر لانچ آگے بڑھائی -

لانچ ساحل سے دور ہوتی گئی یہاں تک کہ کھلے سمندر میں پہنچ کر کھاڑی میں آگے بڑھنے لگی - ساحل پر جنگل کے گھنے درخت نگاہوں سے دور ہوتے گئے ' لانچ کے انجن کی آواز سمندر کی لہروں کے شور میں ڈوبتی چلی گئی -

❋

یہ ایک قلعے کی طرح ہے اور گوا کے دارالسلطنت پنجم کے باہر بہنے والے دریا کی راس کے دوسرے کنارے پر

واقع ہے۔ پرتگالی اسے کابو سیتا کہتے تھے، لیکن ہندوستانیوں کے قبضے میں آنے کے بعد اس کا نام تبدیل ہوگیا ہے۔ میں یہاں کس طرح پہنچا یہ بتلانے کی ضرورت نہیں، بس اتنا سمجھ لیجئے کہ سوئس گھڑیوں سے بھرے ہوئے اس سوٹ کیس نے مجھے یہاں پہنچادیا جو میں اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔

اس جرم کی سزا ایک ہزار اسکوڈو جرمانہ یا چھ ماہ کی جیل کی سزا ہے، وہ بھی اس صورت میں جب کوئی پہلی یا دوسری بار پکڑا جائے، تیسری بار پکڑے جانے کی حماقت کوئی ذی ہوش آدمی تو کرے گا نہیں۔ میں گھڑیوں کی اسمگلنگ کی پہلی کوشش میں ہی پکڑلیا گیا تھا۔ اس وقت میں پناما کے ایک مال بردار جہاز پر نائب کپتان تھا، اقوام متحدہ کے امدادی گیہوں کی کھیپ لےکر ہم کراچی پہنچے تھے اور مال اتارنے کے بعد ہم کو مارماگوا سے خام لوہا لے کر ہیمبرگ پہنچانا تھا۔ بظاہر تو یہ اسمگلنگ بڑی آسان نظر آتی تھی۔ کوئی اجنبی کراچی میں آپ کے کیبن کے اندر ایک سوٹ کیس رکھ کر چلا جاتا ہے اور گوا پہنچنے پر کوئی دوسرا اسے اٹھاکر لے جاتا ہے، دونوں جگہ یہ کام آپ کی عدم موجودگی میں ہوتا ہے اور اس کے بعد آپکے بتلائے ہوئے بینک اکاؤنٹ میں ڈھائی سو ڈالر کی رقم جمع ہوجاتی ہے۔

لیکن اس مرتبہ کام بگڑ گیا، وہاں اس مرتبہ گودی پر ہڑتال تھی اور مال اتارنے کوئی نہ آیا۔ ہم ایک ہفتے لنگر انداز رہے۔ اس کے بعد ہمارے ایجنٹوں نے کہا کہ اگر دو دن کے بعد بھی صورتحال یہی رہی تو ہم مال لادے بغیر واپس چلے جائیں گے۔

اس دھندے میں ہم تین افراد شریک تھے اور ہر ایک کے پاس ایک سوٹ کیس تھا۔ میرے علاوہ تھرڈ انجینئر اور ڈنکی مین بھی شامل تھے اور چیف اسٹیورڈ رابطے کا کام دیتا تھا۔ ہم میں سے کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ اسٹیورڈ پھل خریدنے ساحل پر گیا تو واپس آکر ہمیں تسلی دی کہ فکر نہ کرو، سب ٹھیک ہوجائے گا۔ رات ہوتے ہی ہم کرائے کی ایک لانچ پر ساحل کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں کسی کو ہم سے مل کر تھیلے اپنی تحویل میں لینے تھے اور تینوں تھیلے لے کر میں اکیلا جارہا تھا کیونکہ باقی سب جہاز کی نگرانی کررہے تھے۔

ہم نے ابھی نصف فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ قریب سے روشنی کا اشارہ ملا، کسی نے تین مرتبہ ٹارچ جلائی بجھائی۔ اسٹیورڈ نے یہی اشارہ بتلایا تھا۔ میں نے تینوں تھیلے اس کے حوالے کئے اور لانچ والے کو پچا کوڈس ادا کئے۔ سر سے بہت بڑا بوجھ ہلکا ہوگیا تھا۔ میں خوش اور مطمئن تھا لیکن یہ خوشی دیرپا ثابت نہ ہوئی کیونکہ میں جیسے ہی لانچ سے اترا کسٹم اور پولیس کے آدمیوں نے مجھے گھیرے میں لے لیا۔ انہوں نے چند منٹ کے اندر باقی لوگوں کو بھی پکڑ لیا۔ لانچ اور کشتی بھی تحویل میں لے لی۔ اور گوا کی پولیس پانچ منٹ میں اقرار جرم کرالینے کی ماہر تھی۔ میرے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا۔ میں نے جست لگائی، اور بھاگ نکلا۔ وہارف کے کنارے کنارے بھاگتا ہوا میں ریلوے لائین تک پہنچ گیا۔ سامنے پختہ بنی ہوئی کوئی چیز تھی، اوپر جانے کے لئے لوہے کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ میں نے سوچا کہ اوپر جاکر چھپ جاؤں اور جب تعاقب کرنے والے تلاش کرکے واپس چلے جائیں تو تاریکی میں دوبارہ کوئی لانچ پکڑ کر جہاز پر واپس پہنچ جاؤں۔ اور اگر پولیس وہاں بھی آجائے تو بالکل انجان اور معصوم بن جاؤں۔ تاریکی میں وہ مجھے ٹھیک سے دیکھ نہ سکے تھے اس لئے بچ جانے کا قوی امکان تھا۔

لیکن مجھے خبر نہ تھی کہ کوئی میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ یہ احساس اچانک اس وقت ہوا جب کسی نے نیچے سے میری ٹانگ پکڑ کر گھسیٹی، اس وقت تک میں تین چوتھائی سیڑھیاں چڑھ چکا تھا۔ میں نے فوراً دونوں ہاتھوں سے سیڑھیاں پکڑ کر اس کو دوسری لات رسید کی، وہ درد سے چیخ اٹھا، ایک لمحہ خاموشی رہی پھر کسی کے نیچے گرنے کا دھماکا ہوا۔ وہ تقریباً پچاس فٹ کی بلندی سے نیچے گرا تھا اس لئے اٹھنے کا سوال نہ تھا۔ میں دہشت زدہ ہو کر جلدی جلدی نیچے اترا، خوف سے میرا برا حال تھا۔

انہوں نے میرے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا بلکہ بڑی حد تک ہمدردی اور دوستی کا ثبوت دیا۔ عدالت میں بھی مجھے کسی شکایت کا موقع نہیں ملا۔ تیسرے دن انہوں نے مجھے اس بات پر راضی کرلیا کہ اگر میں اقرار جرم کرلوں تو قتل کے بجائے اتفاقی اور حادثاتی موت کے الزام میں ایک سے پانچ سال تک کی سزا بھگتنا ہوگی اور چھ ماہ بعد سزا پر نظر ثانی کا بھی موقع دیا جائے گا۔ ایسی صورت میں سزا میں تخفیف بھی ممکن ہوگی اور اچھے چال چلن کی بنیاد پر باقی سزا معاف کرکے ملک بدر بھی کیا جاسکتا تھا۔ مجھے یہ پیشکش مناسب لگی کیونکہ میں نے دانستہ قتل نہیں کیا تھا۔ میرے پاس بینک میں ساڑھے چار سو ڈالر جمع تھے۔ میں نے وعدہ کرلیا کہ رہائی کے بعد یہ رقم مرحوم پولیس والے کی بیوہ کودے دوں گا۔ میرے وکیل نے کہا کہ مجھے یہ رقم پہلے گوا منگوانا پڑے گی، میں نے اس پر بھی رضامندی ظاہر کردی۔

لیکن وہ رقم بیوہ کو نہ مل سکی کیونکہ اس دغاباز وکیل نے اپنی فیس کی رقم میں وضع کرلی اور مقدمہ کی پیروی اس نے اس طرح کی کہ مجھے دس برس کی سزا ہوگئی۔

پورے دس برس جس پر نظر ثانی کی بھی اجازت نہ ملی۔

اور اس طرح میں کابوسیتا کی بلند قلعہ نما چہار دیواری میں اپنی سزا کاٹنے کے لئے پہنچ گیا۔

میں ابتدائی چھ ماہ کا ذکر نہیں کروں گا۔ مجھے نہ بھوک لگتی تھی، نہ نیند آتی تھی، مسلسل بخار نے مجھے نحیف اور لاغر بنا دیا تھا۔ جیل کے قواعد کے مطابق روزانہ کے معمول میں ذرا بھی فرق آجائے تو ریکارڈ خراب ہوجاتا تھا اور وارنٹ افسر فرانسسکو، قیدی کے کھانے میں کمی کر دیتا تھا۔ ایک آٹھ برس تک مجھے کسی قسم کی رعایت نہیں ملی اور جب ملی تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں تھی کیونکہ اتنے عرصے میں جیل کی ہر سختی کا میں عادی ہوچکا تھا۔ لیکن فرانسسکو کی فکر ہر لمحہ لگی رہتی تھی۔ وہ ایک سیاہ فام گون باشندہ تھا اور اگر اس میں ذرا بھی پرتگالی خون تھا تو ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ اسے یورپی باشندوں سے نفرت تھی۔

میری ماں آسٹریلیا کی رہنے والی تھی اور اس نے مجھے بتلایا تھا کہ میرے باپ کا تعلق آئرلینڈ سے تھا لیکن اس کے کلفذات امریکن تھے۔ میری ماں کو کہیں سے یہ اطلاع ملی کہ میرے باپ نے لیورپول میں ہوٹل کھول لیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ بھوکی شیرنی کی طرح وہاں پہنچی۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد کار کے حادثے میں دونوں ہلاک ہوگئے اور میں گرجا کے یتیم خانے پہنچ گیا۔ چھ سال کے بعد مجھے کینیڈا بھیج دیا گیا جہاں انہوں نے مجھے تربیت کے لئے ایک اسٹیمر پر لگا دیا۔ کچھ عرصے کے بعد مجھے میٹ کا سرٹیفکیٹ مل گیا اور پھر برٹش ماسٹر کی سند لینے کے بعد میں زیادہ تر امریکن یا پناما کے جہازوں پر کام کرتا رہا۔

میرا دل چاہتا تھا کہ میں فرانسسکو کو سب کچھ بتادوں۔ وہ مجھے یورپین سمجھ کر ایذا دیتا رہتا تھا اور بدقسمتی سے میں اس جہنمی جیل میں واحد غیر ملکی قیدی تھا۔ میرے علاوہ بیشتر قیدیوں کا تعلق یا تو گوا سے تھا یا ہندوستان سے۔ اس لئے وہ مجھے خاص طور پر ستاتا رہتا تھا۔ اس کے بید کی ضرب اور جوتوں کی ٹھوکروں کے نشانات میرے پورے جسم پر تھے۔ ایک دن میں برداشت نہ کرسکا اور اس پر جھپٹ پڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ پستول نکالتا میں نے اس کی کلائی پکڑ لی اور پھر اتنی مرمت کی کہ اسے ادھ موا کرکے چھوڑا۔

تیس دن تک اندھی کوٹھری میں بند رہنے کے بعد جب میں باہر نکلا تو توقع کے بالکل خلاف زندگی بہت آسان ہوگئی۔ سارے قیدی میری عزت کرنے لگے تھے اور جھک کر اس طرح تعظیم دیتے جیسے میں وہاں کا جیلر ہوں۔ مجھے صاحب بہادر کا خطاب مل گیا تھا۔ میری بہادری کا سکّہ سب پر ایسا جما کہ میں خود حیران رہ گیا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ ایک پولیس والے کو قتل اور جیل کے وارڈن کی پٹائی کرنے والے کی بہادری کا لوہا سب ہی مانتے ہیں۔ میری خودداری اور خوداعتمادی بحال ہونے لگی تھی اور میں نے اپنے آپ پر ترس کھانا چھوڑ دیا تھا۔ میں اب فخر سے سر اٹھا کر چلنے لگا تھا۔ پہلے مجھے یہ دشواری تھی کہ نہ میں ہندی بول سکتا تھا، نہ پرتگالی اس لئے نہ کسی سے بات کرسکتا تھا نہ ان کی بات کو سمجھ سکتا تھا۔ لیکن اب میں تھوڑی تھوڑی دونوں زبانیں سمجھنے لگا تھا اور آہستہ آہستہ ٹوٹی پھوٹی بولنے بھی لگا۔ تب پہلی بار میرے ذہن میں فرار کا خیال آیا۔ میں رات کی تاریکی میں چھت کو گھورنے کے بجائے فرار کے منصوبے بنانے لگا۔

مجھے معلوم تھا کہ یہ آسان کام نہیں تھا۔ اس وقت گوا پر پرتگالیوں کی حکومت تھی۔ یہ ساحل مالابار پر بمبئی کے قریب ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ ایک چھوٹی ریلوے لائن بندرگاہ کو جزیرے سے ملاتی تھی اور گھنے جنگلی علاقے سے ہوتی ہوئی ہندوستان کی سرحد تک چلی گئی تھی جہاں یہ ہندوستان کی ریلوے سے مل جاتی تھی۔ یہ پورا جزیرہ دریاؤں کے جال سے گھرا ہوا ہے اور ہر سمت دنیا کے گھنے ترین جنگلات پھیلے ہوئے ہیں، صرف وہاں کا دارالسلطنت پنجم ایک قابلِ ذکر شہر ہے جو گوا کی بندرگاہ کے کنارے واقع ہے۔ گوا کی بندرگاہ ہمیشہ لنگرانداز جہازوں سے بھری رہتی تھی، لیکن جہاز بندرگاہ سے چند میل کے فاصلے پر لنگرانداز ہوتے تھے اور وہاں پر لانچوں کے ذریعے مال چڑھاتے اور اتارتے تھے۔

میرے ذہن میں پہلے یہی خیال آیا کہ اگر کسی صورت فرار ہونے کا موقع ملا تو مال بردار قلیوں کے ہجوم میں شامل ہوکر کسی بڑے جہاز میں چھپ جاؤں گا اور اس طرح گوا کی منحوس سرحد سے نکل کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ بس میں کسی بھی طرح اس جہنم سے نکل کر آزادی کی دنیا میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اور یہ خوش کن خیال اب ہر لمحہ ایک جنون کی طرح ذہن پر سوار رہنے لگا تھا۔

میں نے کراچی کے رہنے والے ایک مسلمان قیدی سے دوستی کرلی۔ یہ دراز قد اور طاقتور شخص جہاز پر ملاح رہ چکا تھا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول لیتا تھا۔ میں نے اسے فرار پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ آمادہ نہ ہوا کیونکہ اس کی سزا کو ختم ہونے میں صرف ایک سال رہ گیا تھا اور وہ کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا۔ میں اس کو الزام نہ دے سکتا تھا۔ اس نے مجھ کو ہر قسم کی مدد دینے کا وعدہ کیا، اس کے ذریعے مجھے بہت سی کارآمد معلومات حاصل ہوئیں۔ ان دنوں بندرگاہ پر صورتِ حال ٹھیک نہ تھی۔ قلیوں کے پاس یونین کا کارڈ ہونا ضروری تھا۔ پولیس کی چیکنگ بھی بہت سخت تھی۔ بلاشبہ جیل کی زندگی نے میرا رنگ اتنا سنولا دیا تھا کہ میں مقامی

لوگوں کے ہجوم میں گھل مل سکتا تھا' میں مقامی لوگوں کے لباس کو بھی آسانی سے حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن زبان کا کیا بنے گا؟ اور پھر یہاں کے مقامیوں کی آنکھیں نیلی تو نہیں ہوتی تھیں۔ نہیں۔ میرے لئے یہی مناسب تھا کہ ساحل کے کنارے کنارے دور نکل جاؤں اور مچھلی پکڑنے والوں کی کسی کشتی کے ذریعے یہاں سے فرار ہو جاؤں لیکن مجھے ہندوستانیوں کی دسترس سے بچنا ہو گا۔ وہ گوا والوں کو پسند نہیں کرتے لیکن گوا کی حکومت کے ساتھ ان کا قانونی معاہدہ تھا جس کے تحت وہ مجرم پناہ گزینوں کو واپس دینے کے پابند تھے۔ اور گوا کے قوانین بہت سخت تھے۔ اگر فرار کے بعد کوئی مجرم پکڑا جائے تو اسے نئے سرے سے سزا کی پوری مدّت دوبارہ جیل میں گزارنا ہوتی ہے۔ رکھیا کو دیکھ لو.... سؤر کے بچے کو اسی حماقت کی وجہ سے دوبارہ پانچ برس کی سزا بھگتنا پڑ رہی ہے۔

"یہ رکھیا کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ لمبا تڑنگا قیدی جس کی آنکھیں تمہاری طرح نیلی ہیں"... مسلمان قیدی نے بتلایا۔ "فرار ہوتے ہی پکڑا گیا تھا۔"

"وہ اس وقت کہاں ہے؟"

"زخمی پڑا ہے۔ سر بھی ٹوٹا' ایک ٹانگ بھی اور اب اسپتال میں بے بس پڑا ہے۔"

اس کے کچھ دنوں بعد ہی میں بھی اسپتال پہنچ گیا' مجھے تیز بخار ہو گیا تھا۔ جیسے ہی میں بیٹھنے کے قابل ہوا میں نے تلاش شروع کر دی۔ اسپتال کی بیرک بڑی طویل اور نیم تاریک تھی۔ میرا بستر سلاخوں کے ایک طرف تھا اور اس کا دوسری جانب۔ وہ بہت طویل قامت تھا' میں نے اسے لاٹھی کے سہارے لنگڑاتے ہوئے لیٹرین کی سمت جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ لمبی سی ناک اور سرخ سرخ چمکیلی آنکھیں جن کا نیلا رنگ سمندر کی طرح تھا۔ میں نے اس کی عمر کا اندازہ لگانا چاہا لیکن ناکام رہا۔ جب وہ میرے بستر کے قریب سے گزرا تو میں نے آواز دی لیکن وہ رکے بغیر گزر گیا۔ میں نے اندازہ کیا کہ اس کی عمر پچاس اور ستر کے درمیان رہی ہو گی۔

دوسرے دن میں خود اٹھ کر اس کے بستر کے قریب پہنچا' سرہانے لگے ٹمپریچر چارٹ پر اس کا نام - ایچ - راکجو لکھا ہوا تھا اور وہ سویڈن یا ناروے کا باشندہ تھا۔ مسلمان قیدی نے اس کا نام بگاڑ کر رکھیا بتلایا تھا۔ وہ دیوار کے سہارے بیٹھا ہوا تھا اور میری سمت توجہ کیے بغیر سامنے دیکھ رہا تھا۔

"تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی مسٹر راکجو..... مجھے ریلی کہتے ہیں.... اوریلی۔" میں نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

دو فیصد + سو فیصد

فیکٹری میں ایک سو دو ملازم تھے۔ ان میں سو مرد تھے' دو عورتیں تھیں۔ کسی نے فیکٹری کے مالک سے پوچھا "سو مردوں کے درمیان دو عورتوں کی موجودگی' آپ کے لئے مسائل پیدا نہیں کرتی؟"

"مسائل شروع میں پیدا ہوئے تھے لیکن دو فیصد ملازموں نے سو فیصد خواتین ملازموں سے شادی کر کے سارے مسائل ختم کر دیئے۔"

☆☆○☆☆

اس نے مجھے گھور کر دیکھا لیکن ساکت بیٹھا رہا..... لوگوں نے مجھے بتایا تھا کہ اس کا دماغ چل گیا ہے لیکن یقین نہیں آیا تھا۔ ممکن ہے وہ اونچا سنتا ہو۔ میں نے دوبارہ ذرا بلند آواز میں کہا۔ "میرا نام اوریلی ہے۔"

"کہیں اور جا کر وقت ضائع کرو.... مجھے آئرش کتے پسند نہیں ہیں۔" اس نے صاف انگریزی میں جواب دیا۔

میرے پاس واپس جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ لیکن مجھے افسوس ہوا..... میں اس بڈھے سے بات کرنا چاہتا تھا۔

دوسرے دن مجھے قدرتی طور پر موقع مل گیا۔ فرانسسکو نے پھر بربریت کا مظاہرہ کیا لیکن اس مرتبہ نشانہ میں نہیں تھا۔ وہ کمینہ اسپتال میں آیا تو راکجو لنگڑاتا ہوا لیٹرن کی سمت جا رہا تھا۔ اس کو یوں تنہا جاتے دیکھ کر فرانسسکو نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور قیدی اردلی پر برسنے لگا۔ راکجو کو طیش آ گیا اور اس نے اپنی لاٹھی سے فرانسسکو پر ایک بھرپور ضرب لگائی۔ دوسرے وار کی نوبت نہیں آئی۔ فرانسسکو نے اسے گرا دیا اور اپنے جوتوں کی ٹھوکروں سے بری طرح مارنے لگا۔ میں نے بستر پر سے چھلانگ لگائی اور اس درندے کی ایسی پٹائی کی کہ زندگی بھر یاد رہے گی' مجھ پر جنون طاری ہو گیا تھا۔ میں اس وقت تک اس کو مارتا رہا جب تک کہ رائٹ اسکوا ڈوالے نہیں آ گئے۔ چند گھنٹوں بعد مجھے ہوش آیا تو میں تاریک کوٹھری میں پڑا ہوا تھا۔ لیکن میں تنہا نہیں تھا' راکجو بھی ساتھ تھا اور اسے دیوار کے ساتھ زنجیر سے جکڑ دیا گیا تھا۔ زمین دوز کوٹھری کے اوپر بنی آہنی جالی سے مدّھم روشنی اندر آ رہی تھی' اس کے باوجود میں نے اندازہ کر لیا کہ راکجو کو بڑی بے دردی کے ساتھ مارا گیا تھا۔ میں زنجیر کے سہارے گھسٹتا ہوا اس کے پاس پہنچا اور کونے میں رکھے

مٹکے سے پانی انڈیل کر اسے پلایا۔

"مجھ سے غلطی ہو گئی۔" اس نے کراہتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا تھا تم جیل والوں کے جاسوس ہو..... لیکن اگر تم ان کے پٹھو ہوتے تو وہ تم کو اس طرح نہ مارتے۔ میں تم سے شرمندہ ہوں اوریلی....."

"کوئی بات نہیں.... بھول جاؤ اس بات کو۔" میں نے تسلی دی۔

"تم بھی جہاز پر ملاح رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"گرفتاری سے پہلے میں پناما کے ایک جہاز پر نائب کپتان تھا۔"

"تم کو گرفتار کس جرم میں کیا گیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے ایک پولیس والے کو قتل کر دیا تھا۔"

"پھر تم کو پھانسی کیوں نہیں ہوئی؟"

"میں خوش قسمت تھا اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ عدالت نے اس کی موت کو غیر دانستہ حادثہ قرار دیا' اور مجھے دس سال کی سزا دی۔"

"یہاں سے نکل جاؤ مسٹر اوریلی...... فرار ہوتے ہوئے اگر وہ تم کو ہلاک بھی کر دیں تو بھی تم خوش قسمت ہو گے۔ زندگی بھر اس جہنم میں سڑتے رہنے سے موت لاکھ درجہ بہتر ہو گی۔ اگر میری ٹانگ نہ ٹوٹ جاتی تو میں فرار ہو گیا ہوتا۔ ایک مرتبہ منحوس جاپانیوں نے اسے توڑ دیا تھا اور دوسری مرتبہ یہ اب ٹوٹ گئی۔ میں کئی مرتبہ فرار کی کوشش کر چکا ہوں لیکن کامیاب نہ ہو سکا... تم ابھی جوان ہو' طاقتور ہو----" اس کی آواز ڈوبتی چلی گئی اور وہ بیہوش ہو گیا۔ پھر کئی گھنٹے تک بات نہ ہو سکی کیونکہ میں خود بھی سو گیا تھا۔

آنکھ کھلی تو وہ مجھے پکار رہا تھا' ہر سمت گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس کی آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا۔ "مسٹر اوریلی! میری گردن میں ایک تمغہ پڑا ہوا ہے۔ ان حرامزدوں نے صرف اس لئے اس تمغے کو نہیں اتارا کیونکہ اس پر صلیب کا نشان بنا ہوا ہے اور یہ لوگ بھی مذہب پرست ہیں --- تم اسے میری گردن سے اتار کر لے لو۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے...... تم اسے پہنے رہو۔"

"میری خواہش ہے کہ تم اسے پہن لو۔" اس نے اصرار کیا۔ پھر کچھ توقف کے بعد اس نے پوچھا "تم کبھی بمبئی گئے ہو؟"

"ہاں....." میں نے اسے پانی انڈیل کر دیتے ہوئے کہا۔

"پورا شہر دیکھا ہوا ہے۔"

"فرار ہونے کے بعد تم وہاں جانا---- وہاں ایک بدھ بھکشو ہے 'نوپاہ' - نام یاد رہے گا نا؟"

"بدھ بھکشو 'نوپاہ'..... ٹھیک ہے۔ لیکن تم اب آرام کرو' صبح ہونے والی ہے' میں روشنی ہوتے ہی گارڈ کو بلا کر کہوں گا کہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائے۔"

لیکن وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھا اس لئے مجھے خاموش ہونا پڑا۔

"تم یہ میڈل نوپاہ کو دکھانا اور صرف اتنا کہنا کہ راکھو نے کہا ہے کہ "بھروسہ رکھو" - باقی باتیں وہ تم کو خود بتلا دے گا۔ وعدہ کرو اوریلی کہ تم میری بات پر عمل کرو گے۔"

میں نے وعدہ کر لیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی بیمار بچے سے وعدہ کرتا ہے کہ تم کو چاند لا کر دے دوں گا۔ وہ خاموش ہو گیا تھا' میں سمجھا کہ شاید سو گیا ہے۔ لیکن میں نے جیسے ہی جانے کا ارادہ کیا' اس نے آہستہ سے کہا۔ "یہ تمغہ نکال لو اوریلی۔"

میں نے اندھیرے میں ٹٹول کر اس کی گردن سے ایک چین کے ساتھ لٹکتا ہوا وہ تمغہ نکال لیا اور پھر اسے اپنی گردن میں پہن کر قمیص کے نیچے چھپا لیا' میں نے یہ صرف اس کو خوش کرنے کے لئے کیا تھا۔ اس نے ٹٹول کر میرا ہاتھ گرم جوشی سے دبایا۔ اس کی آواز اتنی نحیف ہو گئی تھی کہ سرگوشی سی لگ رہی تھی۔

"تم یہ کس کو دکھاؤ گے؟" اس نے پوچھا۔

"نوپاہ کو۔"

"کہاں؟"

"بمبئی میں گیٹ آف انڈیا کے سامنے۔"

"اور اس سے کیا کہو گے؟"

"راکھو نے کہا تھا کہ..... "بھروسہ رکھو"۔

اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ "پائتھا گورس --- نارتھ --- ایسٹ --- ٹرائی --- ٹرائی --- ٹرائی ---" وہ بڑبڑایا اور میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ مر چکا تھا۔

پائتھا گورس --- یونان کا مشہور فلسفی تھا۔ شمال --- مشرق --- کوشش کرو --- کوشش کرو --- اس کے آخری الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے ---

صبح وہ ہمیں لینے آئے تاکہ کمانڈنٹ کے سامنے پیش ہونے سے قبل ہم منہ ہاتھ دھو کر اپنا حلیہ درست کر لیں۔ لیکن راکھو کی موت سے وہ پریشان ہو گئے کیونکہ جیل میں ہونے والی ہر موت کی عدالتی تحقیقات مجسٹریٹ کرتا تھا اور وہ اس بات کو راز رکھنا چاہتے تھے کہ اس کی موت تشدد سے ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے' ان کو یہ ڈر بھی تھا کہ مجھے موقع ملا تو میں ان کے خلاف بیان دے کر سارا بھانڈہ پھوڑ دوں گا۔ شاید

اسی لئے فرانسکو میرے ساتھ بڑی ہمدردی سے پیش آیا۔ اس نے مجھے سگریٹ بھی پیش کی اور جب میں نے حقارت سے سگریٹ لینے سے انکار کر دیا تو بھی وہ خاموش رہا۔

ہم نے دوپہر کو راکجر مرحوم کی قبر کھودی ——— یہ کام میرے اور کراچی کے مسلمان قیدی کے سپرد کیا گیا تھا۔ ایک پادری نے آخری رسوم ادا کیں اور راکجو کو دفن کر دیا گیا۔ قبرستان جیل کی عمارت کے باہر واقع تھا' ایک طرف مسلمانوں کے لئے اور دوسری جانب عیسائیوں کے لئے۔ ہندوؤں کے لئے مُردے جلانے کا گھاٹ پہاڑی کے نیچے بہنے والے دریا کے کنارے تھا' کابوسیتا کا صرف یہی حصہ دلکش تھا۔ ایک طرف سے پنجم کی پوری آبادی نظر آتی ہے اور دوسری طرف سمندر تک کا پورا منظر۔ دریا کے دہانے کی سمت سے آنے والی ہوائیں ناریل کے درختوں سے ٹکراتی ہوئی سیدھی آپ کے قدموں کو چومتی ہیں۔ اور اس شام ڈوبتے ہوئے سورج کا منظر کچھ اور ہی دلکش نظر آرہا تھا۔ موٹر کشتیوں کے بادبان دریا میں ہر سمت لہرا رہے تھے' دور کہیں سے ایک جہاز کے سائرن کی آواز فضا میں ابھری۔

میں نے جیل کی بلند دیواروں کی سمت دیکھا۔۔۔ اسی لمحہ گارڈوں نے ہمیں واپسی کا حکم دیا۔ میرے کانوں میں راکجو کے الفاظ گونج اٹھے۔ "فرار ہوتے ہوئے خواہ وہ تم کو ہلاک بھی کر دیں تو بھی یہاں سے نکل جانا مسٹر اوریلی۔"

اور دوسرے ہی لمحے میں بے ساختہ پہاڑی کے کنارے کی سمت بھاگ رہا تھا۔

حرکت تو بلاشبہ ایسی احمقانہ تھی کہ شاید میں پہاڑی کے کنارے پہنچ کر خود واپس آجاتا' لیکن گارڈوں نے اچانک فائرنگ شروع کر دی۔ آگے بڑھنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اور گولیاں میرے ارد گرد سے سنسناتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ کشتیوں کا گھاٹ میرے بالکل نیچے تھا اور سوچنے کی کوئی گنجائش نہ تھی اس لئے میں نے انجام کی پروا کئے بغیر چھلانگ لگا دی' فاصلہ تقریباً تیس فٹ کا ہو گا لیکن لگتا تھا میں پاتال کی گہرائیوں میں گرتا چلا جا رہا ہوں۔ لکڑی کی بنی ہوئی گودی سے ٹکرانے سے میں صرف انچوں کے فاصلے سے بچا ورنہ بھیجا پاش پاش ہو جاتا۔ میں پانی میں تیر کی طرح گھستا چلا گیا یہاں تک کہ میرے پھیلے ہوئے ہاتھوں کی انگلیاں تہہ کی کیچڑ سے ٹکرائیں۔ لگتا تھا میرا سر اور سینہ پھٹ جائے گا۔ لیکن میں ایک جھٹکے کے ساتھ پانی کی سطح سے اوپر ابھرا تو ہر سمت گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔ مشین گن کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ میں نے پھرتی کے ساتھ غوطہ لگایا اور پانی کے اندر اندر آگے بڑھتا چلا گیا۔ دوبارہ اوپر ابھرا تو گھاٹ سے کافی دور پہنچ چکا تھا اور دریا کا تیز بہاؤ مجھے اپنے ساتھ آگے لئے جا رہا تھا۔ جیل کے ٹاور سے سائرن کی آواز کا شور ہر سمت گونج رہا تھا اور اِکّا دُکّا گولیاں اب بھی تعاقب کر رہی تھیں لیکن اب میں ان کی زد سے نکل چکا تھا۔ میرا رخ اب ڈوبتے سورج کی طرف تھا۔

میں نے تیرنا شروع کر دیا اور دوسرے کنارے پر نظر ڈالی جو تقریباً ایک میل دور تھا۔ اگر میں پنجم سے بلائی جانے والی پولیس لانچ کی آمد سے پہلے کنارے پر پہنچ گیا تو کم از کم یہ سوچنے کا موقع مل جائے گا کہ کیا کرنا چاہئے۔ کنارے پر منگرود کی گھنی جھاڑیاں اور کھجوروں کے درخت تھے' ان کے درمیان سے چھپ کر نکل جانے کا موقع مل سکتا تھا۔ میں نے پوری رفتار سے تیرنا شروع کر دیا' پیشہ ور ملاح اور ماہر تیراک ہونے کا بھرپور فائدہ اٹھانے کا اور کون سا موقع آسکتا تھا' اس کے علاوہ تقریباً ایک سال سے غسل کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا اس لئے پانی بڑا لطف دے رہا تھا۔

اور اچانک رائفل کی گولی نے مجھے تلاش کر لیا۔ ایسا لگا جیسے کسی نے شانے کو زوردار جھٹکا دیا ہو اور پھر بایاں ہاتھ بالکل بے حس ہو کر رہ گیا۔ گولی لگنے کا احساس اس وقت ہوا جب پانی کا رنگ سرخ ہونے لگا' اور اسی لمحے اچانک میں کسی چیز کے نیچے اس طرح آگیا جیسے کوئی راہگیر سڑک پار کرتے ہوئے بس کے نیچے آجاتا ہے۔ کسی چیز نے مجھے ایسی ٹکر ماری کہ اچھل کر دور گرا اور پھر وہ مجھے پانی میں کچلتی ہوئی چلی گئی۔ میں ابھرا تو ہر سمت پانی کا جھاگ پھیلا ہوا تھا اور تب مجھے تیزی سے گزرتی ہوئی موٹر کشتی کا پچھلا حصہ نظر آیا' اسی لمحہ کسی اور کشتی نے مجھے سائڈ ماری اور میں تیسری کشتی کے کنارے سے ٹکرایا۔ یہ کشتیاں کنارے سے ایک ساتھ اسی طرح روانہ ہوتی ہیں اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں ریس کرتی ہیں۔ پچاس فٹ لمبی ان کشتیوں کے تختے ناریل کی مضبوط رسی سے بندھے ہوتے ہیں اور رسیوں کے بنے پھندے باہر لٹکتے رہتے ہیں۔ میرے داہنے ہاتھ میں ایسا ہی ایک پھندا آگیا اور میں بلا زور لگائے اس کے سہارے بہتا ہوا آگے چلتا گیا۔ یہ ایک غیبی معجزے سے کم نہ تھا اور میں اپنی خوش قسمتی پر حیران تھا۔

رسّی کے بنے ہوئے پھندوں کو پکڑ کر آہستہ آہستہ اور سنبھل کر میں۔۔۔۔ اوپر چڑھنے لگا لیکن اس میں کافی دیر لگی۔۔۔۔ باوجودیکہ اب تک میرا بایاں ہاتھ کام کر رہا تھا لیکن اس میں جان نہ رہ گئی تھی اور میرا شانہ آگ کی طرح جل رہا تھا۔ ہم دریا کے دہانے سے آگے نکل آئے تھے اور کھلے سمندر کی

لہریں کشتی سے ٹکرا رہی تھیں۔ اسی لمحے میں کشتی کے اوپر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ تاریکی پھیل چکی تھی اور اوپر لدے ہوئے سامان کا انبار کافی بلند تھا جس کے پیچھے سے لوگوں کے بات کرنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ میں قریب رکھی گانٹھوں کی درمیانی جگہ پر لیٹ گیا اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

رات کو شاید طوفان آیا تھا کیونکہ تیز ہوا کا شور اور لہروں کی آواز مجھے دیر تک سنائی دیتی رہی تھی۔ نیم بے ہوشی کے عالم میں مجھے کشتی کے سفید بادبان بھی نظر آئے تھے' مجھے یہ بھی یاد تھا کہ میں درد سے تڑپ رہا تھا اور چار مضبوط آدمیوں نے مجھے جکڑ کر اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا' میرے شانے میں آگ سی جل رہی تھی۔ لیکن اتنا ہوش نہ تھا کہ اندازہ کرسکوں کہ کتنا وقت گزر گیا۔ ایک انتہائی ضعیف شخص کا چہرہ بھی کئی مرتبہ نظر آیا جس کے چہرے پر سفید داڑھی تھی اور وہ مجھ پر جھکا ہوا تھا' وہ مجھے بار بار پانی پلاتے تھے اور ایک شخص نے دلیے کی طرح کی کوئی چیز میرے حلق میں انڈیلی تھی۔ یہ سب کچھ خواب کی طرح میرے ذہن پر نقش تھا۔ لیکن جب کسی قدر ہوش آیا تو مجھ میں اتنی قوت تھی کہ ریلنگ کے سہارے کھڑا ہو سکتا۔

دوبارہ جب ہوش آیا تو یہ پہچاننے میں دشواری نہ ہوئی کہ ہم بمبئی کی بندرگاہ میں داخل ہورہے تھے' لیکن میری حالت اتنی غیر تھی کہ ساکت پڑا رہا۔ مجھے کسی چیز سے دلچسپی نہ رہی تھی' بس جی چاہتا تھا کہ یونہی پڑا رہوں۔ انھوں نے مجھے..... گھاٹ کی سیڑھیوں پر جس وقت لاکر چھوڑا ہر سمت تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ میرے پاس اس وقت صرف تین چیزیں تھیں' ایک تو کینوس کی بنی ہوئی پینٹ جو مجھے جیل میں پہننے کو ملی تھی۔ پیٹی کی جگہ بندھی ہوئی رسّی کا ایک ٹکڑا اور سونے کا وہ تمغہ جو میرے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے اس بوڑھے آدمی کو تمغہ دینا چاہا تو اس نے لینے سے انکار کردیا' لیکن اس نے میری پینٹ بخوشی قبول کرلی اور اس کی جگہ پہننے کے لئے مجھے ایک دھوتی دے دی جسے میں نے کمر کے گرد لپیٹ لیا۔ اس کے دوسرے ساتھی نے جاتے ہوئے مجھے آٹھ آنے کا ایک سکّہ ہاتھ میں تھمادیا۔ ان کی یہی مہربانی کیا کم تھی کہ وہ مجھے بمبئی کے ساحل پر زندہ چھوڑ کر جارہے تھے۔

میں نے رات ساحل پر بنے ہوئے ایک شیڈ کے فرش پر سو کر گزاری۔ شانے میں درد کی شدید ٹیس اٹھ رہی تھی۔ میری حالت اتنی خستہ ہورہی تھی کہ گردوپیش سوئے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے توجہ نہ دی۔ اپنے حلیے سے میں کوئی خبطی یا دیوانہ لگ رہا تھا اور بمبئی میں ایسے لوگوں کو لوگ نظر انداز کر کے گزر جاتے ہیں۔

صبح ہوئی تو صفائی کرنے والے جمعداروں نے سب کو وہاں سے بھگادیا۔ میں گودی کے پھاٹک سے نکل کر لوگوں کے ہجوم کے ساتھ چلتا ہوا تاج محل ہوٹل کے سامنے پہنچ گیا۔ یہ بمبئی کا مشہور ترین ہوٹل ہے' ایک مرتبہ میں یہاں قیام کرچکا تھا' اس کے صاف ستھرے شاندار اور آرام دہ کمرے مجھے یاد تھے' قدم خود بخود ہوٹل کے گیٹ کی سمت اٹھ گئے۔ لیکن دربان نے مجھے ڈانٹ کر بھگادیا۔ حلیے سے میں اسے کوئی پاگل یا فقیر نظر آیا ہوں گا۔ میں آہستہ آہستہ ساحل کے ساتھ بنی چار دیواری کے پاس پہنچا اور اس کے ختم ہونے کے بعد آگے بڑھا تو اس تاریخی دروازے کے سامنے کھڑا تھا جسے گیٹ وے آف انڈیا کہتے ہیں۔

اس وقت نہ مجھے راکھو کا خیال تھا اور نہ اس سے کیا ہوا وعدہ یاد تھا۔ میری حالت غیر ہورہی تھی اور دل چاہتا تھا کہ بس وہیں لیٹ کر سو جاؤں۔ میں پتھر کی بنی ہوئی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ درد کی اذیت اتنی شدید تھی کہ جی چاہتا تھا' زخمی بازو کاٹ کر پھینک دوں۔ اچانک زرد رنگ کی عبا پہنے وہ بدھ بھکشو نظر آیا' اس کا گول مٹول سر بالکل صاف تھا اور روشنی میں چمک رہا تھا۔ وہ دو غیر ملکیوں کے ہاتھ دیکھ کر ان کی قسمت کا حال بتانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے سب کچھ یاد آگیا۔ میں نے اسے آواز دی تو وہ قریب آگیا۔ "تمہارا نام نوپاہ تو نہیں ہے؟" میں نے کمزور آواز میں پوچھا۔

ایک لمحہ تو شاید اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا کیونکہ وہ مجھے گھورتا رہا پھر درشت لہجے بولا۔ "کیا بولا تو؟"

"تم کو راکھو کا نام یاد ہے؟" میں نے کہا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا' بس حیرت سے مجھے گھورتا رہا۔ پھر آگے بڑھ کر اپنے ہاتھوں سے میرے بالوں کو کنگھی کرنے لگا جیسے کوئی اپنے بچوں کے بال پیار سے سہلاتا ہے۔

"جوان آدمی۔ بھورے بال۔ نہیں تم وہ نہیں ہوسکتے۔ اس کے بال تو اب سفید ہوگئے ہوں گے اور تمہاری تو آنکھیں بھی نیلی ہیں۔ حیرت ہے کہ اب تک کسی پولیس والے کی نظر تم پر نہیں پڑی۔" وہ میرے پاس بیٹھ کر خلا میں گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم راکھو کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟"

میں نے "بھروسہ رکھو" کا جملہ دُہرایا۔ میں اس حالت میں نہ تھا کہ یہ سوچتا کہ کیا کہہ رہا ہوں۔ سر چکرا رہا تھا' غنودگی طاری ہورہی تھی۔ لیکن اس نے جیسے ہی یہ الفاظ سُنے اچھل کر اٹھا اور میرے شانوں کو پکڑ کر اتنی زور سے جھنجوڑا کہ میں درد سے چیخ اٹھا۔ میں نے غصے میں اسے مارنے کی کوشش

کی۔ میرا شانہ زخم سے نیلا سیاہ ہو رہا تھا اور اس پر ورم بھی آگیا تھا۔ اس کے جھنجوڑنے اور درد کی شدت سے میری آنکھیں کھل گئی تھیں اور میں پوری طرح ہوش میں آگیا تھا۔

"بولو۔ تم راکھجو کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔ مجھے اس کے بارے میں سب کچھ بتلادو۔ میں ہی نوپاہ ہوں۔ وہ کہاں ہے اور تم کہاں سے آئے ہو؟" اس نے بڑی بیتابی کے عالم میں پوچھا۔

لیکن اتنی دیر میں میری حالت پھر غیر ہوگی تھی۔ مجھے کسی چیز سے دلچسپی نہ رہی تھی۔ سورج میرے سامنے تھا اور آنکھیں چکاچوند ہو رہی تھیں۔ ایک سکھ پولیس والا کچھ فاصلے پر کھڑا ہمیں مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے نوپاہ کو کوئی جواب نہ دیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر چل دیا۔ میں شاید لڑکھڑا کر کئی مرتبہ گرتے گرتے بچا تھا کیونکہ مجھے دھندلا سا یاد ہے کہ کاروں کے ہارن کئی بار تیزی سے بجے تھے۔ بریک لگنے کی تیز آوازیں بھی فضا میں گونجی تھیں' ڈرائیوروں نے گردن باہر نکال کر کچھ کہا تھا۔ شاید وہ مجھے گالیاں دے رہے تھے اور وہ بدھ بھکشو سائے کی طرح پیچھے لگا ہوا تھا۔ وہ مجھ سے التجا کر رہا تھا' مجھے سمجھا رہا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے مجھے گھسیٹ لیا ورنہ میں ڈبل ڈیکر بس کے نیچے آگیا ہوتا۔ لیکن مجھے کچھ فکر نہ تھی۔ میں بس وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

پھر مجھے اچانک کرنل نظر آگیا۔ وہ کرافورڈ مارکیٹ کے سامنے ایک دکان سے سبزی خرید رہا تھا۔ میں اسکی سمت لپکا لیکن اتنی دیر میں وہ ہجوم میں غائب ہوگیا۔ اور آج تک مجھے یقین نہیں کہ وہ واقعی کرنل تھا یا میرے ذہن کا واہمہ تھا۔ لیکن پھر اچانک مجھے جولی کا گھر یاد آگیا تھا۔ اس کا صاف ستھرا' آرام دہ کمرا تاج محل سے کم نہ تھا اس لئے میرے قدم خود بخود جوہو کی سمت اٹھنے لگے۔ یہ شہر کے مرکز سے سولہ میل دور ہے اور مجھے اس کے علاوہ کچھ یاد نہیں کہ تپتی سڑک پر میرے پیر کے تلوے آگ کی طرح جلنے لگے تھے۔ اور ایک یا دو مرتبہ میں فٹ پاتھ پر بیٹھ کر اونگھ بھی گیا تھا۔

میں جب جولی کے ٹھکانے پر پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ اور میری خستہ حالت کے پیش نظر یہ اچھا بھی تھا۔ بنگلے کی تمام روشنیاں جل رہی تھیں لیکن ہر سمت خاموشی طاری تھی۔ بھکشو کو اب واقعی غصہ آنے لگا تھا اور وہ مجھے گھسیٹ رہا تھا لیکن اب مجھے.... معلوم ہو چکا تھا کہ کہاں جانا ہے۔ میں ناریل کے درختوں اور باغیچے کے درمیان بنی روش سے ہوتا ہوا آگے بڑھنے لگا' عقب میں سمندر کی لہروں کا شور صاف سنائی دے رہا تھا۔ ٹھنڈی سمندری ہوا کے جھونکے میرے چہرے کو چھو رہے تھے۔

میں برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ ہی رہا تھا کہ دیدی باہر نکلی۔ اس نے ہندی میں مجھے ڈانٹ پلائی کہ باہر نکل جاؤں۔ میں نے اسے انگریزی میں جھاڑ پلائی تو وہ چپ ہوگئی اور حیرت زدہ ہو کر مجھے گھورنے لگی اور پھر بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی۔ دوسرے ہی لمحے جولی اس کے ساتھ باہر نکلی' پھر مجھے کچھ یاد نہ رہا۔

ہوش آیا تو میں بستر پر تھا' صاف وشفاف چادروں کے اوپر۔ لیکن شدید کرب کے عالم میں۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو جولی اور دیدی نے مجھے پکڑلیا۔ ایک دبلا پتلا مخنی سا آدمی میرے کندھے کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔

اس نے کہا۔ "اگر یہ چیخنا بند نہ کرے تو تم گانے کا ریکارڈ لگادو' ورنہ تمام گاہک یہ دیکھنے جمع ہوجائیں گے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

جولی نے اس سے کہا کہ وہ اپنا کام جاری رکھے۔ اس نے جیسے ہی شانے کو ہاتھ لگایا کوئی چیخ اٹھا۔ مجھے فوراً ہی احساس ہوا کہ یہ تو میری اپنی آواز تھی۔ انہوں نے میری چیخ وپکار روکنے کے لئے میرا منہ تکیے سے دبالیا۔ کچھ دیر تک مجھے ان کی آوازیں جیسے بہت دور سے سنائی دیتی رہیں' وہ آدمی جولی سے کچھ بحث کر رہا تھا۔ پھر خاموشی طاری ہوگئی۔

مجھے جب بھی ہوش آیا ان کے بحث کرنے کی آواز سنائی

دی - شاید اس دبلے پتلے آدمی کا یہ خیال تھا کہ میں مرجاؤں گا اور وہ اس معاملے میں ملوث ہونا نہیں چاہتا تھا - ایک مرتبہ میں نے اس کو اپنے آپ کو کوستے ہوئے سنا - " اسے فوری طور پر کم از کم چار بوتل خون کی ضرورت ہے - " اس نے غصے میں کہا -

" تو پھر اس کا بندوبست کرو - " جولی نے کہا -

لیکن کہاں سے ؟ " وہ غصے میں بولا -

" جہاں سے دوسرے لاتے ہیں - " جولی نے جواب دیا - ڈاکٹر تم ہو یا میں ؟ یا تم کو رقم کی فکر لگ گئی ہے ؟ "

" تم جانتی ہو کہ یہ غلط ہے —— بات رقم کی نہیں بلکہ یہ ہے کہ اسپتال سے خون منگوانے کے لئے مجھے لکھ کر دینا ہو گا - "

" تو لکھ دو ڈرتے کیوں ہو ؟ "

" تم چاہتی ہو میں اپنی گردن میں خود پھندا ڈالوں ؟ سنو ! میں نے اس کے شانے سے جو گولی نکالی ہے وہ تھری ناٹ تھری کی رائفل کی ہے - صرف آرمی اور پولیس اس کو استعمال کرتی ہے - اور اس کا مطلب ہے کہ یہ مفرور ہے - کوئی جرم کر کے بھاگا ہے ' وہ اس کے تعاقب میں ہوں گے اور - - - - "

" اگر ایسا ہوتا تو وہ اب تک یہاں پہنچ گئے ہوتے - اور پھر تم کو یہ فکر کیوں لاحق ہے ؟ "

" وہ فوراً جان لیں گے کہ اس کو طبی امداد کسی ڈاکٹر نے دی ہے - یہ ٹانکے کوئی اور نہیں لگا سکتا - اور اگر کسی نے اگل دیا تو میں مارا جاؤں گا —— ایک ایسے آدمی کے لئے جسے میں جانتا تک نہیں - نا بابا مجھے معاف رکھو تم - "

وہ اسی طرح بحث کرتے رہے لیکن پھر آخر جولی نے اسے راضی کر لیا اور ایک ہفتے کے مسلسل علاج کے بعد میری حالت بہتر ہونے لگی -

جولی بڑی اچھی عورت تھی - اس پیشے کی کسی عورت کو میں اچھا نہیں سمجھتا تھا لیکن جولی ان سب سے مختلف تھی ' اور پھر یہ بنگلا کوئی اڈا نہیں تھا ' جولی اس کو ایک اعلیٰ درجے کے چھوٹے ہوٹل کی طرح چلاتی تھی - اس کے پاس جو لڑکیاں تھیں وہ بھی عام پیشہ ور نہیں تھیں جو گاہکوں کو لوٹتی ہیں - اور یہاں آنے والے گاہک بھی عام نہیں ہوتے تھے - کھانا بہترین ہوتا تھا اور مشروبات بھی اعلیٰ درجے کی - بمبئی میں یوں تو شراب بندی تھی لیکن یہاں کسی چیز کی کمی نہ تھی - میں نے جب بھی بمبئی میں طویل قیام کیا جولی کا مہمان ہوتا تھا - ایک مرتبہ تاج میں بھی ٹھہرا تھا لیکن بد قسمتی سے کرنل نے دیکھ لیا تھا اور جولی کو خبر کر دی تھی وہ مجھ سے بہت دنوں خفا رہی تھی -

کرنل درحقیقت جولی کا منیجر تھا ' اس نے کبھی فوج میں ملازمت کی یا نہیں کی اور اگر کی تو کیا کرنل کے عہدے پر فائز بھی رہا یا نہیں ' یہ بات کسی کے علم میں نہ تھی - حقیقت کچھ بھی رہی ہو لیکن وہ بالکل کسی ریٹائرڈ کرنل کی طرح رہتا اور عمل کرتا تھا - اس کی چال ڈھال ' رہن سہن ' طرزِ عمل اور بات چیت بالکل کسی کرنل کی طرح تھی - قد چھوٹا ' جسم گٹھا ہوا ' بھوری نوکیلی مونچھیں اور گلے میں پڑا ہوا مونوکل سب اس کی شخصیت کی تصدیق کرتے تھے - عمر پچاس کے لگ بھگ تھی - مجھے نہیں معلوم تھا کہ جولی اسے کتنی تنخواہ دیتی تھی لیکن آمدنی کا بیشتر حصہ وہ اپنے لباس پر خرچ کرتا تھا جو ہمیشہ اعلیٰ قسم کے کپڑوں سے اور بہترین درزی کا سلا ہوا ہوتا تھا اور انگریزوں کے جانے کے بعد بھی ان کے چھوڑے ہوئے تہذیبی ورثے کا ایک حصہ تھا - ہم دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے -

مجھے مکمل طور پر ہوش و حواس میں آنے میں تقریباً دس دن لگ گئے - میں بے حد لاغر ہو گیا تھا لیکن درد اور بخار غائب ہو چکا تھا - ایک دن میں بستر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا - چند منٹ تک سارا کمرا گھومتا ہوا محسوس ہوتا رہا - پھر میں آہستہ آہستہ چل کر دریچے کے پاس پہنچا تو مجھے اندازہ ہوا کہ میں اس بنگلے میں نہیں تھا بلکہ جولی نے مجھے برابر والے بنگلے میں منتقل کر دیا تھا جو اس نے کچھ عرصہ قبل خریدا تھا - اس کا خیال تھا کہ جب بزنس بڑھے گا تو اسے بھی پرانے بنگلے سے ملحق کر دے گی - اچانک وہ اندر داخل ہوئی اور مجھے کھڑکی کے پاس کھڑا دیکھ کر حیران رہ گئی اور غصے میں برس پڑی - میں نے اسے کئی برس بعد دیکھا تھا لیکن لگتا تھا کہ ابھی کل کی بات ہے - لوگ غلط نہیں کہتے تھے کہ وہ سدا بہار تھی ' بات یہ تھی کہ وہ یہ کام خالصتاً بزنس سمجھ کر کرتی تھی - نہ وہ شراب پیتی تھی ' نہ سگریٹ اور نہ بدکار تھی - لوگ اسے سرد فطرت کہتے تھے ' لیکن یہ بالکل غلط تھا - اس کا رنگ گندمی دودھیا تھا ' بال سرخ اور خدوخال جاذبِ نظر - قد چھوٹا تھا اور آنکھیں گہری اور سبز - وہ فرانسیسی سے زیادہ اطالوی لگتی تھی - دہانہ چوڑا اور مسکراہٹ اتنی دلکش کہ ہر ایک کو موہ لیتی تھی ' لوگ کہتے تھے اس کا دل سونے کا تھا - اس میں محبت اور ہمدردی کا اتھاہ سمندر موجزن تھا - عمر ؟ یہ بتانا مشکل تھا - بظاہر وہ پچیس سے تیس برس کے درمیان کی لگتی تھی - لیکن یہ اندازہ میں نے برسوں پہلے لگایا تھا -

" یہ کیا حماقت کر رہے ہو ؟ " اس نے غصے میں کہا - " کھڑکی کے پاس سے ہٹو جلدی سے —— کیا تم چاہتے ہو کہ نوکروں کو تمہاری یہاں موجودگی کی خبر ہو جائے ؟ "

میں بستر پر آکر لیٹ گیا تو اس نے چادر اوڑھاتے ہوئے مجھے پیار سے دیکھا اور کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے معاف کر دو — اس حالت میں مجھے تمہارے پاس نہیں آنا چاہئے تھا۔ لیکن میں جاتا بھی کہاں ؟"

"معافی مانگنے کی ضرورت نہیں — یہ بتاؤ کہ تم آئے کہاں سے ہو ؟"

"کالو پیتا سے۔"

"وہاں کیسے پہنچ گئے تھے ؟"

"اسمگلنگ کے جرم میں۔"

"کیا — ؟"

"گھڑیاں اسمگل کر رہا تھا۔"

"سزا کتنی ملی تھی ؟"

"دس سال —"

اس نے غصے سے مجھے گھورا۔ "گھڑیوں کی اسمگلنگ میں دس سال۔ کیا تم مجھے احمق سمجھتے ہو ؟"

"ایک پولیس والا اتفاقاً ہلاک ہو گیا تھا —"

"اوہ ! تم سچ بولتے ہوئے کیوں ڈر رہے تھے — پھر کیا ہوا ؟"

"کوئی قابلِ ذکر بات نہیں —" میں نے کہا۔ "میں وہاں کی اذیت سے عاجز آگیا تھا اس لئے موقع ملتے ہی فرار ہو گیا۔ ان کی فائرنگ سے ..... زخمی ہو گیا لیکن قسمت اچھی تھی، ایک کشتی والے نے بمبئی پہنچا دیا۔"

"پھر تم اس منحوس بھکشو نوپاہ کے ساتھ کیا کر رہے تھے ؟"

"اوہ ! وہ ... تم اسے واقعی جانتی ہو ؟"

"اسے کون نہیں جانتا — وہ گیٹ وے آف انڈیا کے سامنے سیاحوں کو لوٹتا ہے۔ اب وہ بھکشو بھی نہیں رہا۔ بس ان کا لباس پہنتا ہے۔"

"مجھے ایک پیغام اس تک پہنچانا تھا جو جیل کے ایک قیدی نے دیا تھا۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ پھر بھی کمبخت جونک کی طرح چمٹ گیا تھا۔"

"کیا پیغام تھا ؟"

"جہنم میں ڈالو پیغام کو۔ دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی تھی۔ بھروسہ رکھو — فیشا غورث — کوشش کرتے رہو۔ بوڑھا قیدی سنبھا گیا تھا۔ وہ طویل عرصے سے جیل میں تھا۔"

"لیکن اس پیغام کا مطلب کیا ہے ؟"

"مجھے نہیں پتا —" میں نے جواب دیا۔ "تشدد کی اذیت سے شاید اس بڈھے کا دماغ چل گیا تھا۔ لیکن چھوڑو اس کے ذکر کو، وہ بیچارہ مر گیا۔"

"میں اس لئے پوچھ رہی تھی کہ وہ بدمعاش بھکشو مسلسل بنگلے کے گرد منڈلاتا رہتا ہے۔ کل صبح وہ ایک جمعدار سے باتیں کر رہا تھا، ممکن ہے تمہارے بارے میں پوچھ رہا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی مصیبت کھڑی کر دے۔ پولیس ...."

"میں تمہاری بات سمجھ گیا۔ ممکن ہے کہ مجھے گرفتار کرا کے انعام لینا چاہتا ہو — ٹھیک ہے۔ تم مجھے بس لباس مہیا کر دو۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"لیکن جاؤ گے کہاں ؟"

"یہ میں نے اب تک نہیں سوچا ہے لیکن — پاکستان میرے لئے مناسب رہے گا — میں کراچی کے چند شپنگ ایجنٹوں کو جانتا ہوں جو شاید کسی جہاز میں سفر کا انتظام کر دیں۔ پناما یا یونان کے جہازوں پر میرے بہت سے واقف کار ہیں جو بلا تامل میری مدد کریں گے۔" میں جانتا تھا کہ یہ کتنا دشوار ہوگا۔ پاسپورٹ اور ضروری کاغذات کے بغیر کوئی میری مدد نہ کر سکتا تھا، لیکن جولی کو میں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی مہربانیاں پہلے ہی کیا کم تھیں۔

"اور اس حالت میں تم کتنی دور تک جا سکو گے ؟" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"تم میری فکر نہ کرو۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں" میں نے کہا۔ "مانا کہ اس وقت پیر ذرا ڈگمگا رہے ہیں لیکن یہ کیفیت تھوڑی دیر بعد دور ہو جائے گی۔"

"تم احمقوں کی طرح باتیں کر رہے ہو۔" اس نے جواب دیا۔ "تم جانتے ہو کہ سہنک کی وجہ سے مرتے مرتے بچے ہو، اگر ڈاکٹر نہ ہوتا تو تم اب تک مر چکے ہوتے۔"

"میں تم دونوں کا احسان مند ہوں۔" میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔ "اس لئے یہ اور بھی ضروری ہے کہ میں اس جگہ سے نہ پکڑا جاؤں۔ میں بیماری کے عالم میں بھی بالکل بیہوش نہ تھا اور میں نے ڈاکٹر کی بہت ساری گفتگو سنی

گدھا اور اونٹ

ایک گدھا بڑی پریشانی میں ادھر ادھر بھاگا پھر رہا تھا۔ کسی نے پوچھا "پریشانی کیا ہے ؟" کہنے لگا "سنا ہے کہ حکومت اونٹوں کو مشقت کے لئے پکڑ رہی ہے۔"

پوچھنے والے نے کہا "مگر تم تو اونٹ نہیں ہو۔ تمہیں پریشانی کیوں ہے ؟"

گدھا کہنے لگا "مگر یہ کون ثابت کرے گا کہ میں اونٹ نہیں ہوں۔"

☆☆○☆☆

ہے۔ اسے بھی میری یہاں موجودگی پسند نہ تھی۔"

"ڈاکٹر بہت اچھا آدمی ہے لیکن ڈرپوک ہے۔" اس نے کہا۔ "اور اس کی پسند یا ناپسند میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی' اسے اس کی خدمات کا معقول معاوضہ ادا کردیا گیا ہے۔"

"اس نے کتنی رقم تم سے لی ہے؟"

"تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"ایسا نہ کہو — میں ساری زندگی قلاش نہ رہوں گا' جیسے ہی چلنے پھرنے کے قابل ہوا' تمہاری رقم واپس پہنچا دوں گا — میں تمہارا مقروض ہوں۔"

"تم پر میرا کوئی قرض نہیں ہے۔ اس نے مجھ سے کوئی نقد رقم وصول نہیں کی اور اب تو وہ یہاں سے جا بھی چکا ہے۔"

"میں نے اسے نیم بیہوشی کے عالم میں دیکھا تھا لیکن میرا خیال ہے کہ میں اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔"

"یہیں دیکھا ہوگا۔ وہ ہر سال دو سال بعد یہاں آتا ہے۔"

"وہ رہنے والا کہاں کا ہے؟"

"اب تم بہت باتیں کر چکے۔ بس سو جاؤ" اس نے میرے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے حکم دیا۔ "جتنا زیادہ آرام کروگے اتنی جلدی صحتیاب ہو جاؤ گے۔ اور سنو مائیک! تم ذہن سے یہ خیال نکال دو کہ میں نے تم پر کوئی احسان کیا ہے' تم جانتے ہو میں تم سے کتنا پیار کرتی ہوں۔ لیکن اب دوبارہ بمبئی نہ آنا' یہاں ڈاکٹر اور کرتل جیسے بہت سے لوگ آتے رہتے ہیں۔ تم کو ہر لمحے خطرہ لاحق رہے گا۔"

وہ چلی گئی لیکن مجھے نیند نہ آسکی کیونکہ میں جتنے سنگین حالات سے دوچار تھا اس کا بھرپور احساس پہلی بار ہوا تھا۔ ہندوستان سے نکل جانا بھی کوئی آسان مرحلہ نہ ہوگا اور میں اس میں کامیاب بھی ہو گیا تو کیا ہوگا؟ دوبارہ ملازمت کے لئے مجھے میٹ سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہوگی' اس کے ساتھ میرے تمام کاغذات اور سامان گوا کی عدالت کی تحویل میں تھا۔ اگر میں انگلینڈ پہنچ کر اپنے سرٹیفکیٹ کی نقل حاصل کرنے کی درخواست بھی دوں تو کیا ہوگا؟ اسکاٹ لینڈ یارڈ والے مجھے فوراً اپنی تحویل میں لے لیں گے اور میں ملک بدر کرکے گوا کے حکام کے حوالے کردیا جاؤں گا' نہیں' سمندر کے دروازے اب میرے لئے بند ہو چکے تھے اور مجھے بحری ملازمت کے بجائے کوئی اور روزگار تلاش کرنا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی اور کام میں نے سیکھا نہیں تھا اور پھر کسی بھی ملازمت کے لئے کاغذات کی ضرورت تو لازماً پڑے گی۔ بلاشبہ جعلی کاغذات خریدے جاسکتے تھے۔ ایسے عمدہ جعلی کے اصل کی طرح قبول کرلئے جائیں لیکن ان کے لئے بھاری رقم درکار ہوگی۔ بہرکیف کچھ بھی ہو' سب سے پہلا مسئلہ یہ تھا کہ اس سے پہلے کہ کوئی میرا سراغ لگاتا یہاں پہنچے' مجھے نکل جانا چاہئے۔ جولی نے پہلے ہی میرے لئے بہت احسان کردیا تھا۔ میں اس کو کسی خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس کا کاروبار ایسا تھا کہ اگر میں اس کے گھر سے گرفتار ہوتا تو پولیس ہمیشہ کے لئے بند کردیتی اور جس عورت نے میرے لئے اتنا کچھ کیا ہو میں اسے تباہ نہیں کرسکتا تھا۔

ڈیڈی جب میرے لئے کھانا لے کر آئی تو میں اپنے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہو چکا تھا' اس نے بتایا کہ میرے لئے کھانا میڈم نے خود تیار کیا تھا۔ میں خود کو اور زیادہ مجرم محسوس کرنے لگا۔ ڈیڈی سب کے لئے ڈیڈی تھی۔ غربت میں جولی نے اسے ایسا سہارا دیا تھا کہ وہ اسی کی ہو رہی تھی اور اب جولی کے بعد سارے کام کی ذمے داری اس نے سنبھال رکھی تھی۔ وہ مجھے بہت چاہتی تھی۔

"میں جولی کی وجہ سے یہاں رہنا نہیں چاہتا۔" میں نے اسے بتایا۔ "اگر میں پکڑا گیا تو تمہاری میڈم مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی۔"

"اور اگر میں نے اس کی بات نہیں مانی تو مجھ پر مصیبت آجائیگی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم مکمل آرام کرو مسٹر مائیک' اور جب بالکل ٹھیک ہو جاؤ تو چلے جانا۔"

میں جانتا تھا کہ وہ اب بھی راضی نہیں ہوگی اس لئے کھانا کھا کر سو گیا۔

✱

اس کے تین دن بعد پولیس نے ڈرامائی انداز میں چھاپا مارا۔ دو کاروں کے بریک لگنے کی تیز آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ کاریں برابر والے بنگلے کے پورٹیکو میں آکر رکی تھیں۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ چند سادہ لباس پولیس والے کار سے اتر کر آگے بڑھے۔ ابھی وہ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور کرتل کسی صاحب بہادر کی طرح کرّوفر کے ساتھ آگے بڑھے۔ اپنی بارعب شخصیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے پولیس والوں کا راستہ روکا لیکن کام نہ بن سکا اور پولیس والے ان کو راستے سے ہٹا کر اندر داخل ہو گئے — باوردی سپاہی بنگلے کے ہر سمت پھیل گئے۔

تین دن کے آرام اور عمدہ غذا نے مجھ میں اچھی خاصی توانائی پیدا کردی تھی۔ میں زیادہ دور تک تو نہیں جاسکتا تھا لیکن چلنے پھرنے کے قابل ضرور ہو گیا تھا۔ میں اس وقت صرف پاجامہ اور قمیص پہنے ہوئے تھا لیکن اس کی فکر نہ تھی۔ میں کھڑکی سے باغیچے کی نرم کیاری میں کودا۔ اور دوسرے ہی لمحے کسی نے میرے بازو کو زور سے پکڑ لیا۔ میں نے

جھٹک کر بازو چھڑانے کی کوشش کی لیکن گرفت اور مضبوط ہوگئی - کانوں میں کسی نے سرگوشی کی - "مشکل سے پانچ منٹ بعد پولیس اس بنگلے میں بھی داخل ہوجائے گی اس لئے چپ چاپ میرے ساتھ نکل چلو — آؤ ادھر سے چلو - لیکن بہت آہستہ چلنا - "

مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ میں اس کی شکل دیکھ کر خوشی محسوس کروں گا لیکن سچ یہ ہے کہ نوپاہ اس وقت نجات کا فرشتہ محسوس ہوا کیونکہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کہاں جاؤں۔ وہ باغیچے کی گھنی جھاڑیوں کی آڑ سے نکل کر مجھے عقبی راستے سے بنگلے کے باہر لے گیا اور پھر سڑک سے گزر کر تیز چلتے ہم آگے بڑھنے لگے - تاریکی میں اس نے میرا بازو پکڑ رکھا تھا - کچھ دور جاکر وہ رک گیا -

"یہاں آرام سے بیٹھ کر دم لے لو -" اس نے کہا - "خود کو تھکانے سے کوئی فائدہ نہیں -"

"کیوں نہ یہاں سے دور نکل چلیں -" میں نے فکرمند لہجے میں کہا - "بنگلا یہاں سے بمشکل سو قدم کے فاصلے پر ہے۔ یہ اندازہ ہوتے ہی کہ میں فرار ہوگیا ہوں وہ آس پاس تلاش شروع کردیں گے -"

اس نے آہستہ سے قہقہہ لگایا - "پولیس تم کو تلاش نہیں کررہی بلکہ یہ پیشہ ور لڑکیوں اور شراب کی چیکنگ کے لئے چھاپا مارنے نکلے ہیں لیکن اچھا ہوا کہ تم نکل آئے کیونکہ یہ تمہارے والے بنگلے کی بھی تلاشی لیں گے - یہ لوگ وہاں موجود ہر شخص کے کاغذات چیک کریں گے اور جس کے پاس سے کاغذات نہیں ملے اسے حراست میں لے لیں گے -"

"تم کو یہ سب معلومات کیسے حاصل ہوجاتی ہیں -" میں نے پوچھا - "تم تو بھکشو ہو -"

اس نے پھر قہقہہ لگایا - "سورج غروب ہوتے ہی میں یہ لباس اتار کر سوٹ پہن لیتا ہوں اور گائیڈ بن کر سیاحوں سے کمائی کرتا ہوں۔ میں بمبئی کے چپے چپے سے واقف ہوں -"

ہم دیر تک خاموش بیٹھے رہے ہوا کے نرم اور نیم سرد جھونکے چہرے سے ٹکرا رہے تھے - سمندر کی لہریں شور مچا رہی تھیں اور ہر سمت سناٹا طاری تھا لیکن اب تک پولیس کے جانے کی آہٹ نہ ملی تھی اس لئے مجھے فکر ہورہی تھی۔ وہ اتنی دیر تک بنگلوں میں کیا تلاش کررہے تھے؟ نوپاہ بھی فکرمند نظر آنے لگا تھا - ذرا دیر بعد اس نے کہا کہ میں وہیں بیٹھوں، وہ صورتحال دیکھ کر آتا ہے — اسے گئے جب دیر ہوگئی تو میں اور بھی پریشان ہوگیا - مجھے اس کی واپسی کا احساس بھی نہ ہوسکا - اچانک اس نے میرا بازو پکڑا تو میں اچھل پڑا - اس نے سرگوشی میں کہا - "میرا اندازہ غلط تھا - وہ واقعی تم کو تلاش کررہے ہیں -"

میرا دل بیٹھنے لگا، میں پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوکر دوبارہ کالوسیتا کے جہنم میں نہیں جانا چاہتا تھا - "تم کو یقین ہے؟"

"قطعی یقین ہے -" اس نے کہا "بنگلے کے کمپاؤنڈ میں ان کی گفتگو میں نے خود سنی ہے، وہ کرنل کی خبر اچھی طرح لے رہے تھے۔ بمبئی کا سینئر سپرنٹنڈنٹ ان کے ساتھ ہے اور وہ تلاشی کا وارنٹ لے کر آیا ہے، کرنل کو بار بار دھمکی دے رہا ہے -"

"لیکن اس وقت اچانک کیوں؟ اگر ان کو معلوم تھا کہ میں یہاں پناہ گزیں ہوں تو انہوں نے پہلے چھاپا کیوں نہیں مارا؟"

"مجھے پتا نہیں -" اس نے کہا "لیکن وہ تمہاری تلاش میں سرگرداں ہیں - سارے گاہکوں کو باہر نکال کر قطار میں کھڑا کر رکھا ہے — لڑکیوں کو بھی - کسی کو یہ تو خبر نہیں کہ تم برابر والے بنگلے میں تھے؟ اگر یہ پتا چل گیا تو میڈم کی خیر نہیں - ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہئے — فوراً — جلدی کرو -"

"لیکن جائیں گے کہاں؟" میں نے پوچھا - "اور پھر تم میرے لئے کیوں پریشان ہو؟"

"تم بحث بہت کرتے ہو -" اس نے شکوہ کیا - "لیکن میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا بس صرف ایک بات بتادو۔"

"کیوں بتادوں؟" میں نے جھنجلا کر کہا - "تم جاؤ اپنا کام کرو۔"

"لیکن تم جاؤ گے کہاں؟" اس نے پوچھا -

یہ ایسا سوال تھا کہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا -

"تم کو اگر یہ امید ہے کہ سیاحوں کی طرح مجھ سے بھی کچھ مل جائے گا تو تمہیں مایوسی ہوگی -" میں نے جواب دیا - "بولو کہاں چلنا ہے اور جائیں گے کیسے؟"

"پہلے تو میں تم کو اپنے ٹھکانے پر لے چلوں گا -" اس نے کہا - "وہاں تم کو کوئی تکلیف نہ ہوگی -"

"ٹھیک ہے - لیکن وہ ہے کہاں؟"

"زیادہ دور نہیں ہے - بس میرے پیچھے چلے آؤ -"

وہ مجھے پھر سڑک پر لے آیا - کچھ دیر کو گھنی جھاڑیوں کے پیچھے مجھے رکنے کو کہا اور تاریکی میں غائب ہوگیا - کچھ دیر بعد اچانک ایک تیز رفتار کار سڑک پر رکی تو قدرتی طور پر مجھے یہ خیال آیا کہ وہ پولیس کو ساتھ لے آیا ہے - اس دغاباز کے لئے بے ساختہ منہ سے گالی نکلی لیکن دوسرے ہی لمحے ایک ہلکی سی سیٹی سنائی دی اور کار کی روشنی میں ایک لمحے کے لئے نوپاہ کی جھلک دکھائی دی - میں جھاڑی سے نکل کر سڑک پر پہنچا تو اس نے عجلت میں مجھے کار کے اندر دھکا دیا اور خود بھی برابر

بیٹھ گیا تب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ ٹیکسی لے آیا تھا- ڈرائیور نے ٹیکسی گھمائی اور ہم روانہ ہوگئے-

ہم انٹرنیشنل ایئر پورٹ سانتا کروز سے گزرتے ہوئے شمال کی سمت ایک سنسان علاقے میں داخل ہوئے - یہ بمبئی کا وہ حصہ تھا جہاں گندی گلیوں اور خستہ حال جھونپڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا- کچھ دیر کے بعد ہم ورلی کے قریب پہنچ گئے - نوپاہ نے اشارہ کیا اور ٹیکسی رک گئی - ہم ایک تنگ اور نیم تاریک سڑک پر ٹیکسی سے اتر گئے اور جب ٹیکسی نظروں سے اوجھل ہوگئی تو نوپاہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک تنگ و تاریک گلی میں داخل ہوگیا- ہر سمت تعفن اٹھ رہا تھا' گٹر کی بو سے دماغ چکرا اٹھا- وہ مجھے چکردار گلیوں کی بھول بھلیوں سے لے کر آگے بڑھتا رہا- ننگے پیر ہونے کی وجہ سے میرے پیر گندگی سے بھر گئے - وہ آہستہ سے ہنسا لیکن آگے بڑھتا رہا اور جب میں تھک کر اس سے کہنے والا تھا کہ میں آگے نہیں چل سکتا تو وہ اچانک رکا اور دو دکانوں کے درمیان بنے ہوئے ایک دروازے کی سمت بڑھا' ہم ایک تاریک زینے کی سیڑھیاں طے کرکے اوپر پہنچے - تاریکی میں ٹٹول کر اس نے کنجی نکالی اور ایک دروازہ کھولا' ہم کمرے میں داخل ہوگئے تو اس نے دروازہ بند کرکے ایک لیمپ روشن کرلیا---

کمرا بہت چھوٹا سا تھا--- اس میں ایک چارپائی تھی' ایک چھوٹی الماری جس پر گوتم بدھ کی مورتی رکھی ہوئی تھی اور ایک پانی کا گھڑا تھا جو تپائی پر رکھا ہوا تھا' لیکن ہر چیز صاف ستھری تھی اور سلیقے سے رکھی ہوئی تھی - نوپاہ مجھے دیکھ کر مسکرایا - "یہ ہے میرا گھر - اب آرام سے یہاں بیٹھو -" اس نے چارپائی کی سمت اشارہ کیا - میں بیٹھ گیا تو اس نے اپنی زرد رنگ کی عبا اتاری اور فرش پر بیٹھ کر اطمینان کی سانس لی -

"اور اب اوریلی صاحب! ہم اطمینان سے بات کریں گے -"

"تم بات کرو --- میرے پاس تو کہنے کو کچھ نہیں ہے -" میں نے جواب دیا - "تم کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟"

وہ مسکرانے لگا - "تم بہت مشہور آدمی ہوگئے ہو --- ہزاروں افراد کو تمہارا نام معلوم ہوچکا ہے ---"

"مذاق چھوڑو ---" میں نے جھنجلا کر کہا - "تم نے دو مرتبہ میری مدد کی ہے - خدا جانے کیوں' میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا-"

اس نے میرے سینے کی سمت اشارہ کیا - "تم نے یہ جو پہن رکھا ہے -" اور تب مجھے خیال آیا کہ راکھو کا دیا ہوا تمغہ ابھی تک میرے گلے میں پڑا ہوا تھا -

"اوہ یہ ---؟" میں نے کہا - "بلاشبہ یہ سونے کا بنا ہوا ہے - شاید چالیس پچاس روپے کا ہوگا' تم چاہو تو اسے لے سکتے ہو - ایک جوڑا کپڑے' جوتے اور ٹیکسی کا کرایہ نکال کر بھی کچھ بچ جائے گا -"

اس نے زوردار قہقہہ لگایا - "یہ تم کو ملا کیسے؟"

"تم کو اس سے کیا مطلب؟" میں نے کہا - "بولو سودا منظور ہے؟"

وہ چند لمحے خاموشی سے بیٹھا مجھے گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا - "ٹھیک ہے مسٹر اوریلی --- اب میری بات سنو' تم کو یہ تمغہ راکھو نے دیا تھا' تم اس کے ساتھ جیل میں تھے' اس نے تم کو یہ تمغہ دے کر مجھ سے ملنے کے لئے کہا تھا --- ٹھیک ہے نا؟ اب بتاؤ کہ اس نے اور کیا کہا تھا؟"

"اس نے کہا تھا کہ تم کو یہ پیغام پہنچادوں کہ بھروسہ رکھو"

"اس پر بھروسہ رکھوں یا تم پر ؟"

"میرے خیال میں اس نے اپنے بارے میں کہا تھا - مجھ پر بھروسہ رکھنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے - کچھ بھی ہو اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے' راکھو مرچکا ہے -"

"اس نے تمہیں اور کچھ بتایا تھا؟"

میں نے ٹھنڈی سانس لی - "کوئی ایسی بات نہیں جو سمجھ میں آسکے - کیوں نہ اس ذکر کو اب ختم کردیا جائے؟ تم بولو' اس تمغے کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں اس کا سودا نہیں کرنا چاہتا' لیکن مجھے لباس اور جوتوں کی ضرورت ہے -"

"میں تمہارے لئے لباس کا بھی بندوبست کردوں گا اور رقم کا بھی -" اس نے کہا - "تم یہ گولڈ میڈل بھی اپنے پاس رکھو --- لیکن پلیز! پلیز! یاد کرکے بتاؤ کہ راکھو نے اور کیا کہا تھا - تمہاری سمجھ میں وہ آیا تھا یا نہیں اس کی پروا نہ کرو -"

"اس نے کہا تھا پانتھا گورس --- کوشش کرتے رہو - اور تم یقین کرو یا نہیں' اس کے علاوہ وہ اور کچھ نہیں کہہ سکا تھا - مرنے سے پہلے یہ اس کے آخری الفاظ تھے -"

اس نے خلا میں گھورتے ہوئے آہستہ سے کہا - "میں سمجھ گیا... سمجھ گیا -" وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا -

"مجھے افسوس ہے -" میں نے کہا - پھر اچانک مجھے یاد آیا -

"ٹھہرو... اس نے کچھ اور بھی کہا تھا - ہاں یاد آیا --- پانتھا گورس --- نارتھ ایسٹ --- کوشش کرو --- کوشش کرو بس یہ آخری الفاظ تھے -"

"نقشے کے بارے میں کچھ نہیں کہا؟" اس نے جلدی سے پوچھا -

"نہیں --- اس نے کسی نقشے کا ذکر نہیں کیا تھا -" میں نے جواب دیا - "سنو! میں تم سے کچھ نہیں چھپا رہا ہوں - یقین کرو اگر مجھے اور کچھ معلوم ہوتا تو تم کو ضرور بتادیتا -"

"مجھے یقین ہے مسٹر اوریلی — میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تم کچھ بھول تو نہیں گئے ہو۔ دیکھا' تم نارتھ ایسٹ بھول گئے تھے۔ ممکن ہے ایک آدھ کوئی اور لفظ بھی اس نے کہا ہو اور تم کو یاد نہ رہ سکا ہو۔ کوشش کرو' شاید یاد آجائے۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اس کے علاوہ ایک لفظ بھی اس نے نہیں کہا تھا کیونکہ وہ اس دنیا سے کوچ کر گیا تھا۔ ممکن ہے وہ مزید کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن موت نے مہلت نہیں دی — تم آخر یقین کیوں نہیں کرتے؟"

اس نے بے بسی کے عالم میں گہری سانس لی — "پائنتھا گورس اور — نارتھ ایسٹ۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وتر کے اوپر ایک مربع برابر ہے دونوں جانب کے مربعوں کے 'یعنی اقلیدی کلّیہ نمبر سینتالیس —— اگر نقشہ ہوتا تو شاید ہم کسی نتیجے پر پہنچ جاتے — فی الوقت تو یہ ایک ناقابلِ حل معما ہے۔"

میں منہ پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا' صرف اس بات پر نہیں کہ اسے ریاضی کے ان مسئلوں پر اتنا عبور کیسے ہے بلکہ انگریزی میں جتنی واضح طور پر اس نے یہ مشکل اصطلاحات ادا کی تھیں وہ حیران کن تھیں' اب تک وہ ٹوٹی پھوٹی زبان میں انگریزی بولتا رہا تھا لیکن پھر اچانک اس طرح بولنے لگا جیسے اس زبان پر مکمل عبور ہو۔ اس نے شاید میری حیرت کو بھانپ لیا اور مسکراتا ہوا بولا۔ "میں نے رنگون کے امریکن مشن اسکول میں تعلیم حاصل کی تھی' یہ ٹوٹی پھوٹی زبان سیاحوں کو گرویدہ کرنے کے لئے بولتا ہوں' نفسیاتی حربہ ہے یہ میرا۔ سیاح عموماً غیر تعلیم یافتہ لوگوں کو پسند کرتے ہیں اور ان سے کھل کر اپنی خواہش بیان کرتے ہیں۔"

میں اس کی ذہانت پر مسکرا دیا۔ "تم بہت ہوشیار ہو۔" میں نے کہا۔ وہ خوش ہوگیا

"ٹھیک ہے دوست۔" اس نے کہا "اب یہ بتاؤ کہ تم نے ڈچ گولڈ کے بارے میں سنا ہے؟"

"کیوں نہیں — ڈچ گولڈ یا سنووائٹ کے بارے میں ساحل پر رہنے والے ہر موالی کو علم ہے اور اس کے بارے میں جتنے منہ اتنی کہانیاں مشہور ہیں۔"

"ہاں — اتنی کہانیاں عام ہیں کہ تم کسی پر یقین نہیں کرسکتے۔ کیا خیال ہے؟"

"میرے خیال میں تو کوئی بھی یقین نہیں کرتا۔"

"سوائے میرے — کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ سچ ہے۔" اس نے بڑے یقین کے ساتھ کہا۔

"لیکن کہاں؟" میں نے پوچھا۔ "سیکڑوں مقامات کے نام تو میں بھی سن چکا ہوں۔ سماٹرا سے لے کر کادپ تک۔"

"ملابار کے ساحل پر۔"

"وہاں کے بارے میں بھی سنا ہے۔" میں نے جواب دیا اور کوشش کے باوجود جمائی کو نہ روک سکا۔

"پلیز مسٹر اوریلی! ابھی سونہ جانا۔" اس نے التجا کی۔ "مجھے کچھ دیر اور بات کرلینے دو۔"

میں بے حد تھکا ہوا تھا اور آنکھیں کھلی رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔ پھر بھی کہا۔ "چلو بولو اور کیا کہنا ہے؟"

"اس ڈچ گولڈ کی کہانی کے بارے میں جانتے ہو کہاں سے شروع ہوتی ہے؟"

"ہاں — یہ تو ہر خاص وعام کو معلوم ہے۔"

"یہ ۱۹۴۱ء سے شروع ہوتی ہے۔" اس نے کہا۔ "جزائر مشرق میں رہنے والے ولندیزی بہت پریشان تھے اور جاپانیوں کے حملے کا امکان ہر لمحے رہتا تھا۔ انھوں نے تمام تجارتی بینکوں سے اپنا سونا واپس لے کر ذخیرہ کرلیا۔ یہ مقدار میں بہت زیادہ تھا۔ سونے کے سکّے' سلاخیں' اینٹیں و زیورات — کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کی مقدار ڈیڑھ سوٹن سے بھی زائد تھی یعنی ساٹھ ملین پاؤنڈ کی قیمت کا سونا تھا۔ اگر اس کو ہندوستان اسمگل کردیتے تو قیمت دُگنی ہوجاتی کیونکہ بلیک میں ریٹ بہت زیادہ تھا۔"

میں نے تھک کر دیوار کا سہارا لے لیا اور آنکھیں بند

کرلیں لیکن وہ بولتا رہا۔
"وہ اسے حفاظت سے رکھنے کے لئے امریکا بھیجنے کی تیاری کررہے تھے۔ انہوں نے اسے پگھلا کر اینٹوں کی شکل دے دی۔ جن پر گورنمنٹ کی مہر لگادی۔ اور لکڑی کے مضبوط بکسوں میں بند کرکے روانگی کے لئے تیار کر دیا۔ لیکن اسی وقت جاپان نے اچانک حملہ کردیا۔ یہ حملہ بیک وقت زمین، سمندر اور فضا سے کیا گیا تھا۔ جنگ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ سونے کی امریکا روانگی کا وقت باقی نہ رہا تھا، انہوں نے اسے زمین میں دبادیا۔ جاپانیوں نے تین سال تک ان سے ہولناک ایذاء اور تشدد کے ذریعے اس خفیہ سونے کا پتا چلالیا۔ لیکن اس وقت تک جاپانیوں کے لئے بھی یہ خزانہ نکال کر لے جانا ممکن نہ رہا تھا کیونکہ امریکیوں نے سمندر اور فضا سے شدید حملے شروع کردیے تھے اور مغرب کی جانب سے برطانوی ہند کی فوجیں پیش قدمی کررہی تھیں۔ سونے کو حفاظت کے ساتھ نکال کر لے جانے کا کام ایک جنونی میجر کے سپرد کیا گیا تھا جو حد درجہ کا ظالم تھا۔ جاپانیوں کو اپنی شکست کا اندازہ ہوچکا تھا۔ ہیروشیما پر ایٹم بم گرنے سے پہلے ہی ان کو اپنے انجام کا احساس ہوچکا تھا۔ یہ سونا ان کے لئے جاپان کی تعمیرِ نو کا سرمایہ تھا۔ جاپانی میجر کے لئے یہ ایک مقدس فریضہ تھا جو اس کے شہنشاہ نے اس کے سپرد کیا تھا۔ اس کو حکم ملا تھا کہ کسی بھی قیمت پر یہ سونا وہاں سے نکال کر لانا ہے۔ ناکامی کی صورت میں ہاراکاری ۔۔۔ یعنی خودکشی کے علاوہ چارہ نہ تھا۔ اس نے سو منتخب سپاہیوں کو ساتھ لیا اور ریو کوہلا کے کانوائے سے مال بردار جہاز پر یہ سونا لادا۔"

"بس ۔۔۔ کہانی یہاں ختم ہوجاتی ہے۔" میں نے کہا۔ "کیونکہ امریکیوں نے آبنائے لوزن میں تمام جہاز غرق کردیے تھے۔ اس کے علاوہ ریکارڈ میں کچھ نہیں ملتا۔ اب تو مجھے سونے کی اجازت ہے؟"

لیکن ابھی نوپاہ کی داستان ختم نہیں ہوئی تھی، اس نے پھر کہنا شروع کردیا۔

"کانوائے میں گیارہ جہاز تھے ۔۔۔ امریکی طیاروں کے پہلے حملے میں آٹھ تباہ ہوگئے۔ تین جن میں سے ایک پر سونا لدا ہوا تھا اور دوسرے جو پوری طرح تباہ نہیں ہوئے تھے، تاریکی کا فائدہ اٹھا کر بھاگ نکلے۔ بقیہ دو کا تو پتا نہ چل سکا لیکن سونے والا جہاز کسی طرح ساحل بورنیو تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہاں پر وہ ایک جگہ مونگے کی چٹانوں کے درمیان جاکر پھنس گیا۔ میجر اور زندہ بچ جانے والے دس بارہ سپاہیوں نے کسی طرح سونے کے بکس جہاز کی کشتیوں کے ذریعے ساحل تک پہنچادیے، ان کی قسمت ساتھ دے رہی تھی کیونکہ ساحل پر ان کو ایک مقامی طرز کی پرانی لانچ مل گئی۔ قریب ۔۔۔ ہی جنگی قیدیوں کا ایک کیمپ تھا، ان میں سے میجر نے ناروے کے ایک کپتان کو لانچ چلانے کے لئے ساتھ لے لیا، اس کا ارادہ تھا کہ سونا لے کر کسی طرح رنگون پہنچ جائے جو اس وقت تک جاپانیوں کے قبضے میں تھا۔ ابھی میجر نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ ریڈیو پر اطلاع ملی کہ رنگون پر اتحادی فوجوں نے قبضہ کرلیا ہے، اس نے میکاؤ کا رخ کیا جو پرتگالی جزیرہ تھا اور پرتگال اس وقت تک جنگ میں غیر جانبدار تھا لیکن سمندر پر ہوائی حملوں کی شدت کی بنا پر میجر نے اس طرف جانے کا ارادہ بھی ملتوی کردیا۔ فرار کی اب کوئی راہ باقی نہ بچی تھی۔ اس نے مجبور ہوکر گوا کا رخ کیا۔ یہ جزیرہ بھی پرتگالیوں کی غیر جانبدار حکومت کے تحت تھا۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟" میں نے اعتراض کیا۔ "راستے میں سیلون کا جنوبی ساحل آتا ہے اور پھر اتنا طویل سفر لانچ پر مشکل ہے۔"

"وہ کہیں رکے نہیں ۔۔۔ بھوکے اور پیاسے سفر کرتے رہے ۔۔۔ ان کی پاس اور چارہ بھی کیا تھا ۔۔۔ ہر لمحہ یہ خطرہ تھا کہ کوئی بھی اتحادی جنگی جہاز ان کو روک نہ لے۔" نوپاہ نے کہا۔ "لیکن ان کی قسمت اچھی تھی جو وہ گوا کے ساحل پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور یہاں کسی مقام پر انہوں نے سونے کو دفن کردیا۔ اس کے بعد میجر نے اپنے تمام سپاہیوں کو اسی جگہ ہلاک کردیا۔"

"لیکن یہ کیوں؟"

"تاکہ سونے کا راز افشا نہ ہوسکے۔ میجر کا ارادہ یہ تھا کہ وہ خود کو برطانوی فوجیوں کے حوالے کردے گا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بالآخر اسے جاپان بھیج دیا جائے گا۔ اور جنگ کے بعد وہ کسی بھی وقت موقع پاکر اپنے ساتھیوں کی مدد سے یہ امانت جاپان لے جائے گا۔"

"خوب ۔۔۔" میں نے کہا۔ "لیکن کسی نے یہ راز فاش کردیا۔ نہیں۔ میں نے کہانی کا یہ حصہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا ۔۔۔ ویسے دلچسپ ہے ۔۔۔"

"وہاں سے میجر کے علاوہ کوئی زندہ بچ کر واپس نہیں گیا تھا۔" نوپاہ نے جواب دیا۔ "میجر نے پہلے ان پر گرنیڈ مارے اور پھر مشین گن سے سب کو ٹھکانے لگادیا تھا۔"

"تو پھر یہ تفصیلات کیا اس نے خود کسی کو بتادیں تھیں؟" میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ "مجھے تو یہ فرضی داستان معلوم ہوتی ہے۔"

"سونا وہاں اب تک موجود ہے۔" اس نے اعتماد کے

ساتھ کہا۔

میں نے پھر جمائی لی۔ "معاف کرنا نوپاہ! تم مجھے اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب نہیں ہو گے۔" میں نے کہا۔ "تم خود کہہ چکے ہو کہ سونا وہاں تک لانے والوں میں میجر کے علاوہ کوئی زندہ نہیں بچا— پھر کیا میجر نے یہ راز سب پر خود افشا کر دیا؟ بات سمجھ میں نہیں آتی!"

اس نے پہلی مرتبہ جھنجلا کر کہا۔ "تم مجھے بات تو پوری کر لینے دو۔ اس کے تمام آدمی بلاشبہ ہلاک ہو گئے تھے لیکن تم اس کپتان کو بھول گئے جو لانچ کو وہاں تک لیکر آیا تھا۔ میجر کو وہاں سے فرار کے لئے اسے زندہ رکھنا تھا۔"

"تمہارا کہنے کا مطلب ہے کہ وہ اکیلا اس کشتی کو لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا؟ ناممکن!"

"وہ کشتی نہیں، موٹر سے چلنے والی لانچ تھی۔"

"چلو مان لیا کہ وہ کپتان زندہ بچ گیا تھا— کیا میجر نے اس سے یہ قسم لے کر کہ وہ راز کو افشا نہیں کرے گا اسے آزاد کر دیا تھا؟"

"میجر فیصلہ کر چکا تھا کہ محفوظ علاقے میں پہنچتے ہی اس کو ہلاک کر دے گا۔ اور کپتان کو یہ بات بخوبی معلوم تھی۔"

"اور اس نے میجر کو پہلے قتل کر دیا— اگر یہ مان لیں تو وہ سونے کو حاصل کرنے واپس کیوں نہیں گیا؟"

"وہ گیا تھا— لیکن پکڑا گیا اور باقی زندگی کابوسیتا میں گزار کر وہیں مر گیا۔"

میں حیرت سے اچھلا۔ "راکھو؟" یہ بات جان کر نیند آنکھوں سے غائب ہو گئی تھی۔

"ہاں راکھو۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن تم بہت تھک گئے ہو مسٹر اوریلی، اب چاہو تو سو جاؤ۔"

میں نے غصے میں اسے گھورا تو وہ مسکرا رہا تھا— کمبخت مجھ سے تفریح لے رہا تھا۔

لیکن اب مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں اب بھی اس کے جال میں نہیں پھنسا تھا لیکن پھر بھی تجسس اور دلچسپی ضرور پیدا ہو گئی تھی اور وہ اس بات کو جانتا تھا۔ اس نے کونے میں رکھا ہوا اسٹوو جلایا اور چائے بنانے لگا۔ میں کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر برداشت نہ کر سکا۔

"اس کے بعد کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"آہ! اس کے بعد کیا ہوا؟" وہ مزہ لیتے ہوئے بولا۔ "بہت طویل کہانی ہے اوریلی صاحب۔ تم سنتے سنتے تھک جاؤ گے۔ معاف کرنا لیکن میں نے سوچا، پہلے یہ واضح کر دوں کہ راکھو میں مجھے اتنی دلچسپی کیوں ہے— اور اس کے کہے ہوئے ہر لفظ کی اتنی اہمیت کیوں ہے— اب تو تم کو اندازہ ہو گیا ہو گا، لیکن پہلے چائے پی لو، اس سے آرام کی نیند آ جائے گی، صبح میں تمہارے لئے کپڑوں کا بندوبست کر دوں گا، اس کے بعد تم جہاں چاہو جا سکتے ہو۔"

"بکواس مت کرو۔ پہلے اپنی بات مکمل کرو۔" میں نے غصے میں کہا۔

لیکن اس نے جب تک چائے نہیں پی لی ایک لفظ نہیں کہا۔ اس کے بعد مسکراتا ہوا بولا۔ "گوا بڑی دلچسپ اور بہت اچھی جگہ ہے لیکن افسوس کہ تم کو صرف وہاں کا جیل خانہ دیکھنے کا موقع ملا۔ آبادی بیشتر ہندوؤں کی ہے لیکن عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد وہاں رہتی ہے۔ یہ پرتگالیوں کے دورِ حکومت کا اثر ہے۔ سینٹ زیویر وہیں دفن ہیں۔ چائے کیسی تھی؟"

"راکھو کے بارے میں تم کچھ کہہ رہے تھے؟" میں نے موضوع بدلنا چاہا لیکن کمبخت بڑا ہٹ دھرم تھا۔

"مسلمانوں اور بدھ مذہب کے پیروکاروں کی تعداد وہاں بہت کم ہے۔" اس نے بتلایا۔ "لیکن ہماری ایک خانقاہ موجود ہے، ساحل کے بالکل قریب اور سنسان مقام پر، کبھی کبھی یہ خالی رہتی ہے اور کبھی کبھی بھکشو اس میں آباد ہو جاتے ہیں۔ ایک رات شدید طوفان کے دوران ایک لانچ تباہ ہو کر اس کنارے سے آ لگتی ہے اور طوفان ختم ہونے کے بعد صبح وہاں پر لکڑی کے بکھرے ہوئے تختوں کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ خانقاہ کے بھکشوؤں نے ہر سمت تلاش کیا تو ایک انگریز اور ایک جاپانی شدید زخمی حالت میں ملے، جاپانی کے سر میں گہرا زخم تھا اور اس کی ایک آنکھ ضائع ہو کر باہر نکل آئی تھی۔ انگریز کے جسم پر جگہ جگہ خنجر کے زخم تھے اور چند ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ قریب ہی ایک چھوٹی سی کشتی الٹی پڑی تھی، اس کے نیچے سے بھکشوؤں کو دو فٹ لمبا

ایک مکالمہ

بیرے نے ایک نوجوان جوڑے کا سامان ہوٹل کے کمرے میں رکھنے کے بعد پوچھا "جناب! آپ کو اپنے لئے کوئی چیز منگوانا ہو تو بتائیے۔"

نوجوان نے جواب دیا "نہیں، کچھ نہیں چاہئے۔"

بیرے نے دوبارہ کہا "اور آپ کی مسز کے لئے؟"

"اوہ، خوب یاد دلایا۔ اسے بھیجنے کے لئے ایک لفافہ لا دو۔"

☆☆○☆☆

اور ایک فٹ چوڑا ٹین کا بکس ملا' ان کا خیال تھا کہ دونوں زخمی مرجائیں گے - پھر بھی وہ ان کو اپنے ساتھ خانقاہ میں لے آئے اور جو بھی علاج ممکن تھا کرتے رہے' دونوں بڑے سخت جان تھے لہٰذا بچ گئے لیکن کئی ماہ تک موت و زیست کی کشمکش میں پڑے رہے۔ زخم بھر جانے کے بعد بھی وہ ذہنی طور پر بیمار رہے- وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت شدید نفرت کرتے تھے اور بھکشو ان کی سخت نگرانی کرتے تھے کہ کہیں وہ ایک دوسرے کو قتل نہ کردیں' دونوں کی نفرت کا سبب ٹین کا وہ بکس تھا- دونوں اس کی ملکیت کے دعویدار تھے لاما یعنی صدر راہب جو خانقاہ کے حاکم کی حیثیت رکھتا ہے' بہت نیک اور مہربان انسان تھا اور وہ اس صورتحال سے بہت پریشان تھا' اس نے وہ بکس اپنی تحویل میں لے کر ایک محفوظ جگہ پر مقفل کردیا——"

"اس میں تھا کیا؟"

"اس وقت کسی کو یہ نہیں معلوم تھا-" نوپاہ نے جواب دیا- "لاما کے لئے یہ بات ناقابلِ تصور تھی کہ کوئی اس کو کھول کر دیکھے' وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ دونوں اجنبی مکمل طور پر صحت یاب ہوکر وہاں سے چلے جائیں اور اس منحوس بکس کو اپنے ساتھ لے جائیں-"

"پھر کیا ہوا؟"

"ایک بھکشو ان کی تیمارداری پر مامور تھا..."

"وہ انگریز یقیناً راکجو ہی ہوگا؟" میں نے بات کاٹ کر پوچھا-

"ہاں-" اس نے اقرار کیا- "خیر تو وہ بھکشو جو اُن کی تیمارداری کرتا تھا' ان کی باتیں چھپ کر سنتا رہتا تھا- ایک رات اس نے راکجو کو سونے کے پوشیدہ ذخیرے کے بارے میں بات کرتے سنا جو ساحل پر کہیں دفن تھا—— وہ بخار کے عالم میں بار بار اس دفینے کا ذکر کرکے چیختا تھا- اس کی کیفیت دیوانوں جیسی ہوجاتی تھی' اتنے بڑے خزانے کا ذکر بار بار سن کر وہ بھکشو بھی تقریباً پاگل سا ہوگیا اور پھر اس نے راکجو سے ایک معاہدہ کرلیا- انہوں نے فیصلہ کیا کہ بھکشو وہ بکس چوری کرلائے گا اور وہ دونوں اس خانقاہ سے فرار ہوکر سونے کا وہ ذخیرہ نکال لیں گے اور آپس میں تقسیم کرلیں گے —بھکشو نے اس سے کہا کہ آخر اس بکس کی کیا ضرورت ہے؟ اس کو چوری کرنا آسان نہ ہوگا کیونکہ لاما نے اسے اپنی کوٹھری میں رکھ چھوڑا ہے- کیوں نہ اس بکس کو جہنم میں ڈالیں اور چل کر سونا حاصل کرلیں لیکن راکجو بضد تھا کہ وہ اس بکس کے بغیر نہیں جائے گا کیونکہ سونا حاصل کرنے کے لئے ان کو کشتی کی ضرورت ہوگی اور اس بکس میں سونے کی ایک اینٹ ہے جس سے کشتی کو خریدنے کی رقم حاصل ہوگی- اب سمجھ میں آیا؟"

"ہاں — میں سمجھ گیا-" میں نے جواب دیا- اس نے میرا خالی مگ اٹھایا اور اس میں گرم چائے انڈیل کر مجھے دی- مجھے باقی داستان سننے کی اتنی بے چینی ہورہی تھی کہ تاخیر اور اس کے اطمینان پر مجھے سخت غصہ آرہا تھا- چائے ختم ہونے کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا-

"بدھ مذہب کا مقدس تہوار آگیا جسے ہم لوگ دانت کی ضیافت یا جشن کہتے ہیں- مہاتما گوتم بدھ کے مقدس دانت کے سامنے تمام بھکشو رات بھر خانقاہ میں عبادت کرتے ہیں- وہ بھکشو عبادت کے دوران چپکے سے نکل کر لاما کی کوٹھری میں پہنچا' اس نے ٹٹول کر بکس کو تلاش کیا جو پتھر کی دیوار میں لگے آہنی کنڈے کے ساتھ ایک زنجیر سے بندھا ہوا تھا- اس نے تالا توڑ کر بکس کھولا' سونے کی اینٹ اس میں موجود تھی اور بہت بھاری تھی- راکجو نے اسے بتایا تھا کہ اس بکس میں کچھ کاغذات بھی ہیں جن کو وہ ہر قیمت پر نکال کر لے آئے- لیکن تالا توڑنے کی آواز سن کر کوئی کوٹھری میں آگیا- تاریکی میں دونوں کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی اور بھکشو سے ایک اور سنگین گناہ سرزد ہوگیا- جس پتھر سے.... ...تالا توڑا تھا اسی سے اس نے اندھیرے میں اس آدمی پر بھرپور وار کیا' وہ گر کر ساکت ہوگیا- عدم تشدد کی قسم کھانے والے بھکشو نے زندگی کا سب سے بڑا گناہ......کردیا تھا- اب اس کے لئے خانقاہ میں کوئی گنجائش نہ تھی' وہ سونے کی اینٹ لے کر راکجر کے پاس پہنچ گیا اور وہ فرار ہوکر جنگل میں پہنچ گئے جہاں دونوں میں خوب لڑائی ہوئی کیونکہ بھکشو بدحواسی میں کاغذات وہیں چھوڑ آیا تھا- وہ اس بات پر بار بار لڑتے رہتے تھے -بھکشو کو اس بات کا اتنا دکھ تھا کہ وہ موت کی دعا مانگنے لگا تھا- ایک دن اس نے خودکشی کی کوشش کی لیکن قسمت کو یہ منظور نہ تھا- راکجو نے اس کی اس طرح دیکھ بھال کی کہ اس کی تیمارداری کا قرض اتار دیا- باوجودیکہ اس کے بعد بھی وہ اکثر آپس میں لڑ بیٹھتے تھے لیکن دونوں کے درمیان دوستی اور محبت کا ایک مضبوط رشتہ قائم ہوچکا تھا اور دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی- وہ دونوں ایک دوسرے پر اعتماد کرنے لگے تھے

چلتے چلتے وہ آخر کار بمبئی پہنچ گئے —— راکجو نے سونے کی اینٹ سے ایک ٹکڑا کاٹ کر صرافہ بازار میں فروخت کردیا لیکن اسے کشتی کی تلاش میں دشواری ہورہی تھی- اس کشتی میں چند خصوصیات ضروری تھیں —— اس کا سائز اتنا بڑا ہونا چاہئے تھا کہ ڈیڑھ سو ٹن سونے کا وزن سنبھال سکے-

اس میں اتنی گنجائش بھی ضروری تھی کہ سونے کے علاوہ تیل، پانی اور کھانے کے سامان کو ذخیرہ بھی کرسکے تاکہ لمبے سفر پر ان کو کوئی دشواری نہ ہو، مشکل یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھ کسی اور کو نہیں لے جاسکتے تھے اس لئے کشتی ایسی ہونا چاہئے تھی جسے وہ دونوں سنبھال سکیں لیکن ان تمام خصوصیات کی کشتی کا ملنا آسان نہ تھا — ساحل پر ایسی کشتی کی تلاش نے پولیس کو ان کی سمت متوجہ کردیا — راکجو کے پاس کاغذات بھی نہیں تھے اور غیر ملکی ہونے کی بنا پر گرفتاری کا ہر لمحے خطرہ تھا — وہ بازار کے اندر ایک کھولی میں رہتے تھے اور راکجو صرف رات کو باہر نکل سکتا تھا اس لئے دن میں وہ بھکشو کو کشتی تلاش کرنے کے لئے بھیجتا تھا — لیکن کشتی نہ مل سکی — جب دو دن بعد بھکشو واپس پہنچا تو راکجو جاچکا تھا اور پولیس اس کے انتظار میں بیٹھی تھی، انہوں نے کئی ہفتے تک بھکشو سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد اسے رہا کردیا — اس کے بعد پھر حراست میں لے لیا اور پوچھ گچھ کا طویل سلسلہ مہینوں جاری رہا — اس کی ہر لمحے نگرانی ہوتی تھی، جہاں بھی جاتا پولیس سائے کی طرح تعاقب کرتی، لیکن اس نے کچھ نہیں بتایا — جانتے ہو کیوں؟ سونے کا راز فاش ہوچکا تھا اور ہندوستان کی حکومت سونے کی اسمگلنگ کے خلاف بڑی سخت کارروائی کرتی ہے — ایک اونس سونے کی سزا بھی سات برس کی قید تک تھی، میں نے تم کو بتایا تھا ناکہ یہاں بلیک مارکیٹ میں سونے کی قیمت بازار کے بھاؤ سے دُگنی ہے۔"

"تو راکجو سونا لے کر رفوچکر ہوگیا اور بھکشو کو اکیلا چھوڑ دیا؟" میں نے پوچھا۔

نوپاہ نے سرہلایا — "نہیں — اس کے لئے فرار کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا — وہ صرف چند منٹ کی تاخیر سے گرفتار ہونے سے بچا تھا لیکن اس نے طے شدہ خفیہ مقام پر ایک خط چھوڑ دیا تھا جو اُن کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں تھی — وہ گوا واپس جارہا تھا، اس کا خیال تھا وہاں حالات بہتر ہوں گے — اس نے اینٹ سے تھوڑا سا سونا اور کاٹ لیا تھا لیکن باقی کو وہیں چھوڑ دیا تھا — اس نے بھکشو کو لکھا تھا کہ "بھروسہ رکھو" جیسے ہی کشتی کا انتظام ہوگیا وہ اسے مطلع کرے گا — لیکن اسے کشتی کبھی نہ مل سکی — گوا کی پولیس نے اس کا سراغ لگا کر گرفتار کیا تو سونے کا وہ ٹکڑا اس کے پاس تھا — باقی باتیں تم خود جانتے ہو —"

"لیکن تم اب تک اس کا انتظار کرتے رہے؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں — میں انتظار کرتا رہا — اپنے وعدے کے مطابق۔" اس نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

"تم کو کچھ پتا نہیں کہ وہ جگہ کہاں ہے جہاں سونے کا ذخیرہ دفن ہے؟"

"مجھے اتنا اندازہ ہے کہ وہ پچاس میل کے علاقے میں کہیں ہے — لیکن نقشے کے بغیر اس مخصوص جگہ کا پتا چلانا ناممکن ہے —"

"اور نقشہ شاید ان کاغذات میں تھا جو تم جلدی میں وہاں چھوڑ آئے تھے؟"

"ہاں —" اس نے مایوسی کے عالم میں کہا۔

"وہ نقشہ تیار کس نے کیا تھا؟" میں نے پوچھا — "راکجو نے یا اس جاپانی میجر نے؟"

"میجر کی زیرِ ہدایت راکجو نے تیار کیا تھا — یہ اس چارٹ پر بنایا گیا تھا جو اس نے بحری سفر کے لئے تیار کیا تھا، یہ برٹش ایڈمرلٹی کا چارٹ تھا — جاپانی میجر انگریزی نہیں جانتا تھا، صرف ہندسے پڑھ سکتا تھا —"

"لیکن میجر نے وہ نقشہ اگر لاما سے حاصل کرلیا ہوگا تو واپس جاکر سونا نکال لایا ہوگا" — میں نے کہا۔

"تاریکی میں جس پر میں نے پتھر سے حملہ کیا تھا وہ وہی بدقسمت جاپانی میجر تھا —" نوپاہ نے بتایا — "لیکن اگر وہ زندہ بھی بچ گیا ہوتا تو بھی سونا حاصل کرنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا — نقشے پر کسی جگہ کا نشان نہیں تھا، صرف اعداد لکھے ہوئے تھے۔"

...نوپاہ نے بتایا — "راکجو نے ایک چالاکی اور کی تھی، اس جگہ کی نشان دہی کے لئے اس نے ایک مخصوص لفظ لکھ دیا تھا جس کا مفہوم کوئی ماہر جہازراں ہی سمجھ سکتا تھا — اس نے مجھے بتایا تھا کہ صرف وہ جہازراں اس کا مطلب سمجھ سکتا ہے جو نقشے اور چارٹ کو سمجھنے کی مہارت رکھتا ہو —"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی —" میں نے کہا — "راکجو کو یہ تمام زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"انتقام" نوپاہ نے کہا — "اسے جاپانیوں سے شدید نفرت تھی — وہ اکثر مجھ سے کہا کرتا تھا کہ اگر اسے یقین ہوجائے کہ وہ سونا جاپانیوں کے ہاتھ کبھی نہ لگے گا تو وہ سکون سے مرے گا۔"

"لیکن اگر راکجو کو اس مخصوص جگہ کا علم تھا تو وہ اس بات پر بضد کیوں تھا کہ تم سونے کی اینٹ کے ساتھ نقشہ بھی ضرور لے کر آؤ؟"

"دو وجوہات کی بنا پر — جاپانی بہت چالاک ہوتے ہیں — اس نے نقشے میں جو چالاکی کی تھی وہ اتنی آسان تھی کہ کوئی بھی ماہر جہازراں اس کا مطلب سمجھ سکتا تھا — اس کے علاوہ راکجو اتنی اذیتوں سے دوچار تھا کہ اسے خود اپنی ذہنی حالت پر بھروسہ نہ رہا تھا — اکثر اس کا ذہن بھٹک جاتا تھا — اس لئے

اس نے احتیاطاً نقشے کو حاصل کرنا ضروری سمجھا تھا۔"

"خوب!" میں نے کہا۔ "کہانی یقیناً بڑی دلچسپ ہے — کم ازکم تم نے بیان بڑے دلچسپ انداز میں کی۔ تمہارے حصے میں سونے کی باقی بچی ہوئی اینٹ تو آ گئی۔ تمہارے خیال میں کیا قیمت ہو گی اس کی؟"

"مجھے کچھ اندازہ نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"تم اتنے معصوم تو نہیں ہو۔ کتنے میں اس کا سودا کیا تھا؟"

"میں نے اس سے ایک پائی بھی حاصل نہیں کی۔"

"بہت خوب!" میں نے طنز کیا۔ "تھوڑی دیر کو مجھے بھی اس کہانی پر یقین آ گیا تھا — سونے کی اینٹ کیا ہوا میں اڑ گئی؟"

"وہ نہ ہوا میں اُڑی۔ نہ اس کا سودا ہوا۔" اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ "وہ اب بھی میرے پاس ہے، ایک محفوظ جگہ پر۔"

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "راکبجو نے موت سے پہلے اس منحوس جیل میں بارہ سال گزارے تھے۔" میں نے کہا۔ "تم مجھے یقین دلانا چاہتے ہو کہ اتنے دنوں تک تم نے اس سونے کی اینٹ کو حفاظت سے چھپائے رکھا؟ کیوں؟ کیا تم اتنے ایماندار ہو؟"

"وہ سونا میرا نہیں ہے جو میں بیچ دیتا۔" اس نے جواب دیا۔ "میں نے تم کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس نے سونا میرے پاس بطور امانت چھوڑا تھا۔ اس نے مجھ پر بھروسا کیا تھا اس لئے میں نے بھی اس پر اپنا بھروسا قائم رکھا۔ تم کو اس بات پر حیرت ہے؟"

"سچ پوچھو تو واقعی حیرت ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اس نے برا نہیں مانا۔

"میں اس کا سبب سمجھتا ہوں۔" اس نے کہا۔ "یہ بڑی حیرت انگیز کہانی ہے لیکن پھر بھی سچی ہے۔ گوا کے حکام کو ابتدا سے ان واقعات کا یقین تھا اور یہی سبب ہے کہ انہوں نے راکبجو کو اتنے طویل عرصے تک قید میں رکھا، انہوں نے اس کو خزانے کا پتا بتانے کے لئے ایک ملین پاؤنڈ کی پیشکش کی تھی، وہ اس رقم کو دگنا بھی کر دیتے لیکن وہ نہیں مانا تو انہوں نے اس پر تشدد اور ایذا رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا لیکن راکبجو پر کسی بات کا اثر نہ ہوا۔"

"تم کو یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟" میں نے آزمانے کے لئے پوچھا۔

"یہ بات ہندوستان میں عام تھی، تم سے پہلے بھی لوگ کوبالیستا سے واپس آئے ہیں، اور ڈچ گولڈ کے بارے میں تو ان گنت داستانیں مشہور ہیں، لیکن اب تمہارے فرار نے اس میں نئی جان ڈال دی ہے، تمہاری گرفتاری کے لئے پانچ ہزار روپے کے انعام کا اعلان کیا گیا ہے، وہ کسی بھی عام مفرور مجرم کے لئے اتنے بھاری انعام کا اعلان نہیں کر سکتے"

"مجھے یقین نہیں آتا۔" میں نے کہا۔ "وہ میرا تعلق اس ولندیزی سونے سے کس طرح جوڑ سکتے ہیں؟ جیل میں میری راکبجو سے کبھی دوستی یا تعلقات بھی نہیں رہے تھے، میں صرف چند مرتبہ ہی اس سے ملا تھا۔"

"ذرا ان کے نقطۂ نظر سے دیکھو۔ جب اس کا انتقال ہوا تو صرف تم اس کے پاس تھے، اس کے علاوہ جس دوسرے آدمی سے راکبجو کا تعلق رہا تھا وہ میں ہوں اور اب چند روز سے میں حسبِ معمول اپنے ٹھکانوں پر نظر نہیں آ رہا ہوں۔ مسٹر اوریلی! یہ پولیس والے اتنے بیوقوف نہیں ہوتے۔ ان کی نگاہ ہم دونوں پر ہے۔"

"تو پھر تم مجھے یہاں کیوں لے کر آئے ہو؟" میں نے گھبرا کر کہا۔ "ان کو تمہارے اس ٹھکانے کا ضرور پتا ہو گا۔"

"میں دوسرے بدھوں کے ساتھ بائیکلہ کے ایک مندر میں رہتا ہوں" اس نے بتایا۔ "میرے اس ٹھکانے کا پتا کسی کو نہیں ہے کیونکہ میں یہاں شاذونادر ہی آتا ہوں اور جب بھی آتا ہوں بھکشو کے لباس میں نہیں، بالکل دوسرے حلیے میں آتا ہوں۔ تم یہاں بالکل محفوظ ہو۔ کم از کم فی الحال۔"

"ممکن ہے۔" میں نے فکرمند لہجے میں کہا۔ "پھر بھی تم میرے لئے لباس کا انتظام جتنی جلد کر دو اچھا ہے تاکہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ یہ ہم دونوں کے لئے اچھا ہو گا۔ دونوں کا ایک ساتھ پکڑے جانا مناسب نہ ہو گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" اس نے کہا اور فرش پر لیٹ گیا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ اس نے دو مرتبہ میری مدد کی تھی اور میں نے اس کا شکریہ تک ادا نہیں کیا۔

"تم نے میری بہت مدد کی ہے نوپاہ۔" میں نے کہا۔ "لیکن میں نے احسان فراموشی کی جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔"

"تم بہت پریشان ہو مسٹر اوریلی۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے تمہاری قوتِ برداشت پر رشک آتا ہے۔ کوئی کمزور آدمی ہوتا تو مر جاتا اب تک، یہی خوبی راکبجو میں بھی تھی۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے کسی کام نہ آ سکا۔" میں نے جواب دیا۔

"پائیتھاگورس۔ نارتھ ایسٹ۔ اور کوشش کرتے رہو۔" اس نے دہرایا۔ "شاید اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت اس نے محسوس نہ کی ہو۔ ممکن ہے انہی الفاظ میں سارا مفہوم

پوشیدہ ہو۔"

"لیکن نقشے کے بغیر یہ سب بیکار ہے۔ تمہارا بھی یہی خیال ہے نا؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں وہ نقشہ ہر صورت میں حاصل کرنا چاہئے۔"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ......"

"میں نے کہا تھا کہ میں نقشہ ساتھ نہیں لاسکا لیکن وہ اب بھی اسی خانقاہ میں موجود ہوگا۔"

"تم یقین کے ساتھ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟"

اس نے الماری کھولی اور خانوں کو ٹٹولنے لگا۔ اپنے دوسرے لباس میں وہ بڑا دیدہ زیب لگتا رہا ہوگا کیونکہ الماری میں کئی خوبصورت سوٹ رکھے ہوئے تھے، وہ ان کو نکال کر دیکھتا رہا۔ پھر ان میں سے ایک سفید پتلون اور شرٹ نکالی، یہ دونوں مقامی کپڑے کی سلی ہوئی تھیں اور پتلون لمبائی میں چھوٹی اور کمر پر کچھ ڈھیلی تھی، لیکن پھر بھی سینڈل کے ساتھ ان کو پہن کر میں بمبئی میں رہنے والے یورپی باشندوں کی طرح نظر آسکتا تھا، میں نے لباس پہن کر اطمینان کا اظہار کیا اور اپنا آخری سوال پھر دہرایا۔

"مجھے اس بارے میں پورا یقین ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "میں اپنے لوگوں کو جانتا ہوں، ان کے پاس رکھی ہوئی امانت ہمیشہ محفوظ رہے گی، جب تک کہ کوئی دعویدار اس کو لینے نہیں جائے گا، لاما اسے پوری حفاظت سے اپنے پاس رکھے گا۔ کسی بھکشو یا لاما کی ذاتی ملکیت کچھ نہیں ہوتی، لیکن دوسروں کی چیزوں کو وہ مقدس امانت سمجھ کر رکھتے ہیں، بیشک وہ ان کاغذات کو میرے حوالے نہیں کریں گے لیکن اگر تم لاما کو یقین دلادو کہ راکھجو نے تم کو وہ کاغذات لانے کے لئے بھیجا ہے تو وہ بلا کسی دشواری کے تمہارے حوالے کردے گا۔"

"نہ بھائی، مجھے معاف رکھو۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "گوا واپس جاکر مزید دس سال کی جیل بھگتنے کو میں تیار نہیں ہوں۔"

"گوا نہیں، دارجلنگ۔" اس نے کہا۔

"دارجلنگ؟" میں نے حیران ہوکر اسے گھورا۔ "لیکن وہ تو ہندوستان کے دوسرے کنارے پر ہے، ہمالیہ کی ترائی میں۔"

"میں نے کہا تھا نا کہ میں بدھ بھکشوؤں کے جس طبقے سے تعلق رکھتا ہوں وہ ایک جگہ نہیں رہتے اور ہمیشہ خانہ بدوشوں کی طرح گھومتے پھرتے ہیں۔"

"تم کو یہ کیسے معلوم کہ وہ اب کہاں ہوں گے؟"

"وہ آئندہ سال اسی وقت تک دارجلنگ میں رہیں گے پھر سکم چلے جائیں گے۔ اس کے ایک سال بعد وہ اپنے آبائی ٹھکانے رنگون پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن تم یہ کیسے جانتے ہو؟"

"جاننے کے بہت طریقے ہیں۔" اس نے مختصرا جواب دیا۔

"اور ہم دارجلنگ کیسے پہنچیں گے؟" میں نے پوچھا۔ اتنا طویل سفر ہے اور پولیس بھی ہم دونوں کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ سب انتظام ہوجائے گا۔"

"اور خرچ بھی تو درکار ہوگا؟ ریل کا کرایہ، ہوٹل اور کھانے کا خرچہ۔"

"رقم کا بندوبست بھی ہوجائے گا۔" اس نے کپڑے نکالتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"ہر کام میں مجھے شامل نہ کرو، میرے پاس کچھ نہیں رکھا۔"

"لیکن میں اکیلا اس کام کو سرانجام نہیں دے سکتا، نہ تنہا تم کامیاب ہوسکتے ہو۔ ہمیں اگر یہ سونا حاصل کرنا ہے تو ایک دوسرے کا ساتھ دینا ہوگا۔"

"اور اگر سونا مل گیا تو کیا کریں گے؟"

"قبل ازوقت واویلا کرنے سے فائدہ؟ مل گیا تو دونوں کی زندگی سنور جائے گی۔"

وہ بڑے دوستانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ شاید اس کو کامیابی کا پورا یقین تھا۔ اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ لباس تبدیل کیا، میں بستر پر بیٹھا سوچتا رہا کہ اگر اس کی پیشکش سے انکار کردوں تو میرا کیا بنے گا۔ کہاں تک پناہ کی تلاش میں مارا مارا پھروں گا؟ اگر قسمت نے یاوری بھی کی اور کسی جہاز کے ذریعے کراچی پہنچ گیا تو بھی کیا کروں گا؟ وہاں پکڑا گیا تو پاکستان کی حکومت پھر گوا کے حکام کے حوالے کردے گی۔ خشکی کے راستے فرار اور بھی مشکل ہوگا۔ یہ خیال بھی آیا کہ اگر میں کلکتہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تو شاید وہاں سے یونان یا پناما کے کسی جہاز پر جگہ مل جائے یا پھر برما میں داخل ہوجاؤں تو آگے جانے کی کوئی صورت نکل آئے۔

نوپلہ سامنے کھڑا تھا، میں نے نگاہیں اٹھائیں تو حیرت زدہ رہ گیا، نیلے رنگ کے سوٹ اور ٹائی میں وہ بالکل کوئی نیا شخص لگ رہا تھا۔ کسی کو یہ گمان بھی نہ ہوسکتا تھا کہ یہ بدھ بھکشو نوپلہ ہے۔ سر پر پہنے ہوئے ہیٹ اور آنکھوں پر رنگین عینک میں وہ کسی حد تک برمی باشندہ لگ رہا تھا۔ جب وہ مسکرایا تو بڑا دلکش لگا۔

"تم جی بھر کے دیکھ چکے تو اب اٹھ جاؤ دوست۔" اس کا لہجہ اور زبان بھی لباس کے ساتھ بدل گئی تھی۔ میں اس

بہروپیے کی صلاحیتوں کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔
میں آہستہ سے اٹھا۔ کیوں کہ اب نوپاہ کے ساتھ قسمت آزمانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا۔ لباس تبدیل کر کے میں تیار ہو گیا تو اس نے لیمپ بجھا دیا اور ہم باہر نکل کر ایک بار پھر اسی تاریک اور گندی گلی میں پہنچ گئے۔ مختلف سڑکوں سے گزرتے ہوئے ہم آگے بڑھتے رہے۔ ہر سمت سناٹا طاری تھا' فٹ پاتھ پر لوگ بے خبر سوئے ہوئے تھے' کچھ دیر بعد ہمیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ میں شاید ٹیکسی میں بیٹھتے ہی سو گیا تھا کیونکہ مجھے کچھ یاد نہیں کہ راستہ کیسے کٹا۔ نوپاہ نے شانے ہلائے تو میں چونک کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے کرایہ ادا کیا اور جب تک ٹیکسی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی ہم وہیں کھڑے رہے۔
"اب میرے ساتھ آؤ مسٹر اورلی۔" اس نے کہا۔
ہم ایک گیٹ سے گزر کر اندر داخل ہوئے تو حیرت سے میرا منہ کھل گیا۔ ہم ایک بلند پہاڑی پر کھڑے تھے جہاں سے بمبئی کی روشنیاں کافی نشیب میں نظر آ رہی تھیں' ساحل پر میرین ڈرائیو کی باقطار روشنی بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ ہم ایک پختہ راستے پر آگے بڑھتے رہے' تاریکی میں پھڑپھڑانے کی آواز آئی تو میں اچھل پڑا۔
"ڈرو نہیں۔ گدھ ہیں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔
"ہمیں زیادہ دور نہیں جانا۔"
اور تب مجھے اندازہ ہوا کہ ہم کہاں تھے۔ یہ پارسیوں کا قبرستان تھا جسے ٹاور آف سائلنس یا خاموشی کا مینار کہتے تھے جہاں پارسی اپنے مُردوں کو ایک وسیع اور کشادہ بلند مینار میں رکھ دیتے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں وہاں رہنے والے گدھ لاش کو چٹ کر جاتے تھے۔ زرتشت مذہب میں مُردوں کو دفن نہیں کرتے بلکہ اسی طرح ٹھکانے لگاتے ہیں۔ بمبئی میں پارسیوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے اس لئے ہر روز گدھوں کو وہاں کافی غذا مل جاتی تھی' آہنی جالی پر رکھی ہوئی لاش گدھ کھا جاتے تھے اور ہڈیاں ٹاور میں نیچے گر جاتی تھیں' اسی لئے فضا میں ہر سمت تعفن پھیلا ہوا تھا۔
"یہ تم کس منحوس جگہ مجھے لے آئے ہو؟" میں نے غصے میں کہا۔
"یہ ہمارا بینک ہے جہاں سے ہم چیک کیش کرائیں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
میں نے غصے میں آگے بڑھتے ہوئے اس کا بازو پکڑ لیا۔
"مجھے یہ بے ہودہ مذاق پسند نہیں ہے۔ تم یہاں کیوں آئے ہو؟"
"معافی چاہتا ہوں مسٹر اورلی۔" اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ ابھی تصدیق ہو جائے گی' بس کچھ دیر اور انتظار کر لو۔"
وہ ایک لمحے رک کر کسی بات کا انتظار کرتا رہا۔ وہاں پر بہت سے ٹاور بنے ہوئے تھے۔ ان کا اوپر کا حصہ کھلا ہوا تھا اور نیچے گہرے کنوئیں کی طرح جو حصہ تھا اس میں ہڈیوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا لیکن نوپاہ کو جیسے کچھ پروا نہ تھی۔ وہ ایک ٹاور سے دوسرے ٹاور کے چکر لگا کر نہ جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ اپنی چھوٹی سی ٹارچ کی روشنی میں وہ ہر جگہ کسی نشان کو دیکھتا' پھر آگے بڑھ جاتا۔ ہر ٹاور پر لگی ہوئی تختی پر کچھ کندہ تھا۔ میں زیر لب کوستا ہوا اس کے ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ وہ اس ٹاور کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کے لئے سرگرداں تھا۔ نوپاہ نے اطمینان کی گہری سانس لی اور ٹاور کی محراب میں بنے دروازے کے قریب پہنچ کر آہنی دروازے کی سلاخوں سے ٹارچ کی روشنی اندر پھینکی۔
"یہ کافی مدت سے استعمال نہیں ہوا۔" اس نے کہا۔
"اسی لئے بدبو نہیں آ رہی ہے۔"
لیکن مجھے تو ہر سمت سے تعفن اٹھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ آہنی دروازے میں لگا ہوا زنگ آلود بولٹ جام ہو گیا تھا اور اس کو گھمانے کے لئے نوپاہ کو خاصی محنت کرنی پڑی۔ میں خاموش کھڑا دیکھتا رہا۔ جی چاہتا تھا کہ اس ہولناک جگہ سے بھاگ جاؤں' اسی لمحے وہ دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ چرچراہٹ کی آواز فضا میں گونجی اور وہ اندر داخل ہو گیا۔ پھر اس نے آہستہ سے مجھے آواز دی' میں دل میں اس کو کوستا ہوا آگے بڑھا۔
ممکن ہے کہ یہ ٹاور مدت سے استعمال نہ ہوا ہو لیکن اس کی صفائی یقیناً نہیں ہوئی تھی کیونکہ فرش پر ہڈیوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ پسلیاں' پنڈلیوں کی ہڈیاں' بازو کی ہڈیاں' سفید چمکتی کھوپڑیاں' ہر سمت انسانی انجر پنجر کا انبار تھا۔ کوئی چیز چوں چوں کرتی بھاگی اور میرے ٹخنوں پر چڑھ گئی' میں خوف سے چیخ کر اچھلا اور گرتے گرتے بچا۔
"ڈرو نہیں' چوہے ہیں۔" نوپاہ نے تسلی دی۔ "جو کچھ گدھ چھوڑ دیتے ہیں یہ ہضم کر جاتے ہیں۔ ادھر آؤ۔"
ٹاور دائرے نما گول تھا اور اس کا قطر تقریباً تیس فٹ رہا ہو گا۔ اندرونی دیوار کے ساتھ ایک چکردار زینہ بنا ہوا تھا جو اوپر لگی ہوئی آہنی جالی تک چلا گیا تھا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر زینے تک گیا' ہڈیاں ہمارے جوتوں تلے کچل کر عجیب مکروہ آواز پیدا کر رہی تھیں۔ اس کی ٹارچ کی روشنی میں مجھے زینے کا نچلا حصہ نظر آیا' نوپاہ نے پہلی سیڑھی پر روشنی ڈالی' ہم آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ وہ بلند آواز میں گنتا جا رہا تھا' سیڑھیاں بمشکل ایک فٹ چوڑی تھیں اور

سہارے کے لئے ریلنگ بھی نہ تھی ' بیسویں سیڑھی پر وہ رک گیا- "تم ذرا ٹارچ پکڑ لو-" اس نے روشن.... ٹارچ مجھے دیے کہا-

"اب کیا ہے؟" میں نے پوچھا-

"مہربانی کر کے ہلاؤ نہیں - ٹارچ مضبوطی سے پکڑے رہو-" اس نے کہا-

دیوار پتھر کے بلاکوں کی بنی ہوئی تھی' پلاستر جگہ جگہ سے اکھڑ رہا تھا- میں نے دیکھا کہ وہ ان پتھر کے بلاکوں کو ٹٹول رہا تھا' یہاں تک کہ اسے وہ پتھر مل گیا جو ڈھیلا تھا اور جس کا پلاستر بالکل اکھڑ چکا تھا- اس نے انگلیوں کے ذریعے اسے کھینچا اور پھر دیوار سے نکال کر آہستہ سے سیڑھی پر رکھ دیا- اس کے بعد اس نے مزید پتھر دیوار سے نکالے' یہاں تک کہ دیوار میں ڈیڑھ فٹ چوڑا خلا بن گیا- اس کے بعد اس نے خلا میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز باہر نکالی' میں سمجھا کہ یہ بھی پتھر کا بلاک ہے لیکن وہ سائز میں چھوٹا تھا اور اس پر ٹاٹ کا ٹکڑا لپٹا ہوا تھا جو نمی سے گل کر بوسیدہ ہو گیا تھا- یہ کافی وزنی معلوم دیتا تھا اور باوجودیکہ اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا پھر بھی ایک مرتبہ گرتے گرتے بچا. اس نے احتیاط کے ساتھ اسے سیڑھی پر رکھا اور خوشی سے مسکراتا ہوا میری سمت مڑا- اس نے دیوار میں پتھروں کو دوبارہ لگا کر خلا کو بند کر دیا- اس کے بعد ہم نیچے اتر آئے' نوپاہ اس وزنی پتھر کو اٹھائے ہوئے تھا اور میں ٹارچ سے روشنی دکھا رہا تھا- ہم اس مردہ خانے سے باہر نکلے تو نسبتاً صاف ہوا کے جھونکے بڑے دلکش معلوم ہوئے - نوپاہ نے ٹاٹ کو الگ کیا تو اندر سے ڈبل روٹی کے برابر زرد رنگ کی اینٹ نکلی - میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں - میں پہلی بار سونے کی اینٹ دیکھ رہا تھا جس کا ایک ٹکڑا کٹا ہوا تھا-

"تم کو اس پر ولندیزی بینک کا نشان نظر آ رہا ہے؟ اب تو میری کہانی پر تم کو یقین آ گیا یا نہیں؟" نوپاہ نے پوچھا-

میں خاموش رہا- آنکھوں کے سامنے زندہ ثبوت ہو تو انکار کیسے کیا جا سکتا ہے-

ہم مالابار کی پہاڑی کی سمت روانہ ہوئے تو باری باری اس اینٹ کو اٹھا کر چل رہے تھے کیونکہ اس کا وزن کم از کم تیس پونڈ ضرور ہو گا- میرے ہاتھ دکھ گئے تھے' ایک گھنٹا پہلے میں پانچ روپے کے لئے پریشان تھا تاکہ کسی طرح وہاں سے فرار ہو جاؤں- اب فرار کا خیال ہی دل سے نکل چکا تھا کیونکہ میں محل خرید سکتا تھا- ساری زندگی عیش کر سکتا تھا-

گیس روڈ پر جہاں متمول افراد رہتے ہیں ہماری مڈبھیڑ اچانک پولیس کی پٹرول پارٹی سے ہو گئی- ایک سارجنٹ اور تین مراٹھا کانسٹیبل. وہ اتنی رات گئے ہمیں وہاں دیکھ کر مشکوک انداز میں آگے بڑھے' میرا دل ڈوبنے لگا- خوشی کے بنائے ہوئے تمام محل چشم زدن میں مسمار ہو گئے- فرار کی کوئی راہ نہ تھی- اچانک نوپاہ لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا اور سارجنٹ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اچھل اچھل کر ناچنے لگا' گرفت اتنی مضبوط تھی کہ سارجنٹ اس کے ساتھ چکر کھا رہا تھا- نوپاہ چینی زبان میں فصل کی کٹائی کا گانا گا رہا تھا اور سارجنٹ کو اپنے ساتھ نچا رہا تھا- وہ نشے میں بدمستی کا حیرت انگیز مظاہرہ کر رہا تھا- سارجنٹ نے غصے میں دہاڑ کر خود کو چھڑانے کی ناکام کوشش کی- تینوں کانسٹیبل کھڑے ہنس رہے تھے' میں اس کی ترکیب فوراً سمجھ گیا اور موقع سے فائدہ اٹھا کر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا' میرا دل زور زور سے اچھل رہا تھا' قدم لڑکھڑا رہے تھے لیکن میں رکا نہیں- کچھ دیر بعد نوپاہ میرے پاس پہنچ گیا' وہ ہنس رہا تھا لیکن میرا سارا جسم خوف سے لرز رہا تھا- میں نے اسے غصے میں دیکھا- "تم کو ہنسی آ رہی ہے؟"

"کیوں' کیا ہنسنے کی بات نہیں ہے؟"

"اور اگر پکڑ لئے گئے ہوتے تو کیا ہوتا؟"

"نشہ باز سمجھ کر پوچھ گچھ ہوتی لیکن مجھ جیسے ماہر جھوٹے کے لئے پولیس کو چکما دینا عام بات ہے' بھئی پولیس دولتمند شرابیوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتی-"

"پھر بھی یہ بہت بڑا خطرہ تھا- شکر ہے ٹل گیا-" میں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا-

ہمیں جلد ہی ایک ٹیکسی مل گئی' ہم مارکیٹ کی ایک گندی سڑک پر ٹیکسی سے اتر گئے' وہ ایک بند دکان کی سمت بڑھ گیا اور میں قریب کھڑی ایک بیل گاڑی پر بیٹھ گیا کیونکہ بدن پر اب تک لرزش طاری تھی' نوپاہ بند دکان کی سیلز گرل سے جالی دار شٹر کے اس طرف کھڑا کافی دیر تک کچھ باتیں کرتا رہا تب جا کر دکان کا دروازہ کھلا اور ایک باریش بوڑھا دو سکھوں کے ہمراہ باہر نکلا جن کے ہاتھوں میں دونالی بندوقیں تھیں- انہوں نے لائٹ جلائی تو میں نے دیکھا کہ اندر ایک اور آہنی شٹر ہے. وہ بوہرہ صراف' نوپاہ سے سودے بازی کرتا رہا' یہ لوگ دن رات' ہر لمحہ کاروبار کے لئے تیار رہتے ہیں لیکن کوئی خطرہ مول نہیں لیتے' نوپاہ اس کے ساتھ اندر چلا گیا اور دروازہ بند ہو گیا- میں کافی دیر تک انتظار کرتا رہا تب نوپاہ باہر آیا-

"دس ہزار روپے-" اس نے کہا- "خدا اس کو غارت کرے' اس نے کوڑیوں کے مول سودا کیا ہے- راکھو کی روح قبر میں تڑپ اٹھی ہو گی-"

"تم کو چاہئے تھا کہ انکار کر دیتے اور کسی اور سے سودا کرتے۔" میں نے مایوس لہجے میں شکوہ کیا۔

"جب دو بندوقیں تمہارے سینے کو زد میں لئے ہوئے ہوں تو انکار کی گنجائش نہیں ہوتی۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "اگر ہم کہیں اور جانے کی کوشش کرتے تو وہ پولیس کو مطلع کر دیتا۔ معاف کرنا مسٹر اوریلی! کبھی کبھی تم بڑی احمقانہ بات کرنے لگتے ہو۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

اس کے بعد ہم پیدل چلتے رہے یہاں تک کہ تکان سے میرے قدم لڑکھڑانے لگے' میری آنکھیں نیند سے بند ہوئی جا رہی تھیں' بالآخر وہ ایک معمولی سے ہوٹل کے سامنے رکا' ہم اندر داخل ہوئے اور بستر پر گرتے ہی میں بے خبر سو گیا۔ آنکھ کھلی تو ایک عمر رسیدہ چینی اپنے فیتے سے میرا ناپ لے رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ ابھی تو میں زندہ ہوں اس لئے وہ قبل از وقت کیوں زحمت کر رہا ہے لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور میں پھر سو گیا۔ میں بلاشبہ اٹھارہ گھنٹے سوتا رہا اور جب بیدار ہوا تو بھوک سے برا حال تھا۔ نوپاہ کرسی پر بیٹھا مجھے دیکھ رہا تھا۔

"کچھ عرصے کے لئے ہم جدا ہو رہے ہیں۔" اس نے کہا۔ "تمہارے لئے کپڑے یہاں رکھے ہیں۔ میں ریزر' صابن اور ضرورت کی دوسری چیزیں بھی لے آیا ہوں' ایک گھنٹے بعد ایک کار تمہیں لینے آئے گی اور تم کو بحفاظت پونا پہنچا دے گی' پونا یہاں سے ایک سو بیس میل دور ہے' وہاں سے تم بس کے ذریعے ممبئی چلے جاتا اور کل رات کی کلکتہ میل میں سوار ہو جانا جو وہاں سے آٹھ بجے روانہ ہو گی۔ تم سمجھ گئے؟" میں نے سر ہلا دیا۔ وہ پھر بولا۔ "یورپین لوگوں سے عام طور پر کوئی نہیں پوچھتا' ذرا بھی گھبراہٹ کا مظاہرہ نہ کرنا' صاحب لوگوں کی طرح رعب داب سے سفر کرنا' جہاں تک ممکن ہو کسی سے بات کرنے کی کوشش نہ کرنا' اور کلکتہ پہنچ کر گریٹ ایسٹرن ہوٹل میں قیام کرنا۔ اپنا نام اسمتھ بتا دینا۔" اس نے سوچ کر کہا۔

"یہ نام بہت آسان ہے۔" میں نے کہا۔ "نہیں میں ولیم رینالڈ کے نام سے قیام کروں گا۔ یہ میرے دوست کا نام ہے۔"

"ٹھیک ہے مسٹر ولیم رینالڈ۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ ایک انجینئرنگ فرم کے نمائندے ہیں' کلکتہ میں میرا انتظار کرنا۔" اس نے جیب سے نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر میری سمت بڑھایا۔ "پورے پانچ ہزار ہیں۔ لیکن براہ کرم بڑی احتیاط کرنا۔ بدقسمتی سے ہر آدمی ایماندار نہیں ہوتا۔" وہ یہ کہہ کر اٹھا' جھک کر تعظیم دی اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا' باہر نکل گیا۔

چند گھنٹے پہلے تک مجھے ہرگز احساس نہ ہوتا لیکن اب اس کے جانے کے بعد میں خود کو بڑا تنہا محسوس کر رہا تھا۔

دو دن کے سفر کے دوران ہر لمحے گرفتاری کے خطرے نے بری طرح تھکا دیا تھا۔ پولیس کی شکل دیکھتے ہی دل اچھلنے لگتا تھا' ہر ممکن کوشش کے باوجود اعصاب پر قابو رکھنا دشوار ہو جاتا تھا۔ چینی ٹیلر نے اتنا عمدہ سوٹ تیار کر کے دیا تھا کہ اس میں میری شخصیت بڑی باوقار ہو گئی تھی' میرا حلیہ بالکل تبدیل ہو چکا تھا۔ بال یورپین طرز کے ... کٹے ہوئے تھے' آنکھوں پر قیمتی عینک تھی' چند روز کے آرام سے رنگ نکھر آیا تھا' صحت بھی بہتر ہو گئی تھی اور میں ہر لحاظ سے یورپین بزنس مین نظر آنے لگا تھا' لیکن دل میں جو چور تھا اسے نکالنا ممکن نہ تھا۔ صرف میرے ہاتھ دغا دے سکتے تھے جو اتنے دن کی جیل کی زندگی میں کھردرے ہو چکے تھے۔ ناخن ٹوٹے ہوئے تھے' لیکن میں بڑی احتیاط سے ان کو پوشیدہ رکھتا تھا۔ جب ویٹر کھانا لگا دیتا تھا تو اس کے بعد ہی میں ہاتھ استعمال کرتا تھا۔ میں نے نوپاہ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کسی سے بات بھی کرنے سے گریز کیا تھا۔ خوش قسمتی سے فرسٹ کلاس کے جس ڈبے میں میں سفر کر رہا تھا وہ تقریباً خالی تھا کیونکہ ہندوستان میں بھی اب دولتمند لوگ ہوائی سفر کو ترجیح دینے لگے تھے۔

جب ہم ہوڑہ پہنچے تو گیٹ پر پولیس والے کھڑے تھے' دل ایک بار پھر کانپ اٹھا لیکن میں ہمت کر کے اطمینان کے ساتھ گیٹ سے نکل آیا۔ کسی نے میری سمت توجہ نہ کی۔ اسٹیشن سے باہر نکل کر جان میں جان آئی اور میں ٹیکسی کر کے گریٹ ایسٹرن ہوٹل روانہ ہو گیا' لیکن یہ خوشی بڑی عارضی ثابت ہوئی کیونکہ استقبالیہ کاؤنٹر پر معلوم ہوا کہ ہوٹل میں کوئی کمرا خالی نہ تھا۔ پریشان ہو کر میں نے پارسی کلرک کو دس روپے رشوت بھی دینا چاہی جس سے صرف اتنا فائدہ ہوا کہ اس نے وعدہ کیا کہ ایئرپورٹ کی بس آنے کے بعد دیکھے گا کہ کوئی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں' لیکن جب میں نے اسے اپنا نام بتایا تو معلوم ہوا کہ میں بلاسبب پریشان ہو رہا تھا۔ کسی نے رینالڈ صاحب کے لئے فون پر پہلے ہی سے کمرا بک کرا رکھا تھا۔

میں نے کئی دن اپنے کمرے میں بند ہو کر گزار دیئے اور کھانا اور ناشتا بھی وہیں منگواتا رہا۔ یہ ہوٹل کئی لحاظ سے بمبئی کے ہوٹل سے بہتر ثابت ہو رہا تھا۔ رقم کی فکر بھی نہ تھی کیونکہ پانچ ہزار کا بیشتر حصہ ابھی محفوظ تھا۔ لیکن جب کئی دن گزر جانے کے باوجود نوپاہ کی شکل نظر نہ آئی تو مجھے فکر ہونے لگی' میں نے سوچا کہ جہنم میں جائے نوپاہ۔ رقم موجود ہے تو

کیوں نہ بندرگاہ جاکر کسی جہاز پر جگہ حاصل کرنے کی کوشش کروں' یہاں پڑے رہنے سے صرف خرچ ہوتا رہے گا- ممکن ہے کہ یونان یا پناما کے کسی مال بردار جہاز پر جگہ مل جائے- میں نے پکا ارادہ کرلیا تھا کہ دوسرے دن قسمت آزماؤں گا کہ اس کا فون آگیا-

"کیا حال ہے مسٹر رینالڈ! سفر تو اچھا گزرا؟" آواز سے وہ بہت خوش نظر آرہا تھا-

"تم کہاں رہ گئے تھے؟" میں نے شکوہ کیا-

"بہت سے ضروری کام کرنا تھے-" اس نے بتایا- "میں بہت مصروف تھا مسٹر رینالڈ- اب کل ہمیں روانہ ہونا ہے- کل تم ہوٹل چھوڑدو اور سیدھے سیالدہ اسٹیشن پر پہنچ جاؤ لیکن ٹھیک دس بجے صبح پہنچ جانا' وہاں سے دارجلنگ کا ٹکٹ لینا- ٹرین ساڑھے دس بجے صبح روانہ ہوتی ہے-"

"ٹرین سے دارجلنگ جائیں گے....؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا "کیا ٹرین اتنی بلندی پر جاتی ہے؟"

"بے شک.... سلگوری تک بڑی لائن ہے' وہاں سے چھوٹی لائن پر سفر کرنا ہوگا' بڑے دلکش مناظر راستے میں آئیں گے اور موسم بہت ٹھنڈا ملے گا-"

"اور کسی نے سوال کیا تو کیا بتاؤں کہ کس سلسلے میں جارہا ہوں؟"

"اب تک جس ترکیب پر عمل کیا وہی کرنا- بڑے صاحب کو کسی سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں- کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں کرے گا-"

خوب! تو وہ میرے ساتھ سائے کی طرح لگا رہا تھا- مجھے یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ اچھا ہوا جو اس نے بندرگاہ کا رخ نہیں کیا- اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچتی اور ممکن ہے وہ ناراض ہوجاتا-

شاید میں اسے صلواتیں سناتا لیکن اس نے موقع نہیں دیا- اسٹیشن پہنچنے کی تاکید کرکے سلسلہ منقطع کردیا-

ہوڑہ کا ریلوے اسٹیشن واٹر لو' لندن یا گرینڈ سینٹرل نیویارک سے زیادہ مصروف اور گندہ تھا- شوروغل میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی- سیالدہ کا اسٹیشن کلکتہ کا دوسرا بڑا ریلوے اسٹیشن ہے- ہوڑہ سے زیادہ غل غپاڑہ وہاں نظر آیا- میں بمشکل بکنگ آفس پہنچا' فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لیا اور ٹرین پر سوار ہوگیا' اسٹیشن پر بھکاری اتنے زیادہ تھے کہ ان سے جان چھڑانا مشکل ہوگئی تھی- میری نگاہیں نوپاہ کو تلاش کررہی تھیں کہ اچانک بچوں کے ہجوم پر نظر پڑی- وہ تعداد میں تقریباً تیس تھے' دس برس کے علاوہ ان میں ایسے بچے بھی تھے جو ابھی اپنے پیروں پر چلنا سیکھ رہے تھے- چند شیرخوار تھے جنہیں سفید ساریوں میں ملبوس ہندوستانی عورتوں نے اپنی گود میں اٹھا رکھا تھا- وہ گیٹ سے آگے پیچھے چلتے ہوئے ایک قطار میں اندر داخل ہورہے تھے' دو دو لڑکوں کی یہ قطار ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ٹرین کی طرف بڑھ رہی تھی' بچے بہت خوش تھے اور ہنستے کودتے اس دلچسپ منظر سے لطف اندوز ہورہے تھے جو شاید ان کو پہلی بار دیکھنے کو ملا تھا- ان میں ہندو' مسلمان' سکھ اور دیگر قوموں کے بچے شامل تھے جن کو ان کے حلیے سے شناخت کیا جاسکتا تھا' لڑکیوں کے لباس بھی ملے جلے تھے- جن کی شناخت ان کے لباسوں سے ہورہی تھی- یہ اندازہ کرنا دشوار نہ تھا کہ یہ سارے بچے یتیم خانے کے ہیں' میں نے خود یتیم خانے میں پرورش پائی تھی' اس لئے فوراً اندازہ کرلیا- میرے ڈبے کے سامنے مٹھائیوں کا ایک خوانچہ تھا اور بچے للچائی نظروں سے اُدھر دیکھ رہے تھے- میں نے خوانچے والے کو اشارہ کیا اور دس روپے کے چند نوٹ نکال کر لہرائے- وہ خوش ہوکر بچوں کی سمت مڑا- "اچھا بابا لوگ' تم بھی کیا یاد کرو گے' لو صاحب کی طرف سے مفت مٹھائی کھاؤ" ذرا دیر میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا' بچے مٹھائی پر ٹوٹ پڑے- شوروغل اور چھینا جھپٹی میں خوانچے کی ساری مٹھائی ختم ہوگئی' بچوں کی نگراں عورتوں کی حالت دیکھنے کے قابل تھی' کبھی وہ ایک بچے سے مٹھائی چھیننے کی کوشش کرتیں کبھی دوسرے سے لیکن بچے مٹھائی کو دونوں ہاتھوں سے کھا رہے تھے- ان کے تمام ہاتھ شیرے سے بھر گئے تھے' منظر اتنا پُرلطف تھا کہ برسوں کے بعد میں جی بھر کے ہنسا-

لیکن یہ تفریح زیادہ دیر تک برقرار نہ رہی- اچانک گیٹ سے ایک سفید فام عورت بھاگتی ہوئی اندر داخل ہوئی' غصے سے اس کا خوبصورت چہرہ سرخ ہورہا تھا' وہ ہندوستانی زبان میں بچوں اور ان کی آیاؤں کو ڈانٹ رہی تھی پھر وہ بچوں کے ہاتھ سے مٹھائی چھین چھین کر ٹرین کے نیچے پھینکنے لگی- ذرا دیر میں اس نے سب کو ایک قطار میں کھڑا کردیا' اور پھر قریب کے ایک تھرڈ کلاس کے ڈبے میں سوار کرانے لگی- اس نے چند منٹ میں صورتحال پر قابو پالیا تھا- بچوں کو ٹرین میں سوار کرانے کے بعد وہ میری سمت مڑی-

اس کی عمر تیس برس کے لگ بھگ رہی ہوگی- نیلی چمکتی ہوئی آنکھیں کھوئی کھوئی سی اور ہر جذبے سے عاری نظر آتی تھیں- گورا چمپئی رنگ اور سنہرے چمکدار بال- ٹین کے ڈبے کے اندر سے وہ مجھے کسی قدر پستہ قد لگ رہی تھی- لیکن حقیقتاً اس کا قد درمیانہ تھا' وہ صرف خوبصورت نہ تھی بلکہ بلا کی دلکش تھی اور اس کا حسن ہر لحاظ سے بے داغ تھا- اس نے میری سمت دیکھا تو میں مسحور ہوکر رہ گیا-

" آئندہ ایسی حرکت کبھی نہ کرنا پلیز !" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

" میں خیال رکھوں گا۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔" تم بچوں کو کنٹرول کرنے میں بڑی مہارت رکھتی ہو۔ "

وہ بچوں والے ڈبے میں واپس چلی گئی' ٹرین کی روانگی تک نوپاہ نظر نہیں آیا۔ لیکن جب چند گھنٹوں بعد ٹرین اگلے اسٹیشن پر رکی تو میں نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے اپنا لباس تبدیل کرلیا تھا۔ ڈھیلا نیلے رنگ کا کرتہ' رنگین کڑھائی والی جیکٹ اور سر پر لانبی سی ٹوپی پہنے وہ ایک عام مسافر لگ رہا تھا اور چونکہ بہت سارے لوگوں نے یہی لباس پہن رکھا تھا اس لئے وہ ان میں مکمل مل گیا تھا۔ یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے شیرپا تاجر کا لباس پہن رکھا تھا جو اس علاقے میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس نے مجھے دیکھ کر آنکھ ماری لیکن ہم نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی۔ لیکن اسے دیکھ کر انجانی خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔ اور اب میں مطمئن ہوگیا تھا۔

ڈائننگ کار میں میرے علاوہ صرف چار مسافر اور تھے۔ لیکن ٹرین روانہ ہونے سے پہلے وہ لڑکی اندر داخل ہوئی اور میری طرف دیکھے بغیر برابر سے گزرتی ہوئی کونے کی میز کے گرد جاکر بیٹھ گئی' میں سحرزدہ نگاہوں سے اسے گھور تا رہا لیکن اسکی ساری توجہ مینو کارڈ پر مرکوز رہی۔ مجھے شاید اس حسن کی دیوی کی سردمہری نے موہ لیا تھا' وہ ہر چیز سے بے نیاز نظر آتی تھی' برف کی طرح سرد اور جذبات سے عاری۔ مجھے اس پر غصہ آنے لگا' جانے کیا سمجھتی ہے اپنے آپ کو... پھر مجھے یاد آیا کہ وہ ہندستانی زبان بہت صاف بول رہی تھی' وہ یقیناً یہاں کافی مدّت سے قیام پذیر تھی' ممکن ہے یہیں پیدا ہوئی ہو۔

کھانا بہت بے مزہ تھا اس لئے میں نے جلدی ختم کرلیا۔ ٹرین اگلے اسٹیشن پر رکی تو میں اترکر اپنے کمپارٹمنٹ میں آگیا' وہ بھی میرے ساتھ اتری تھی' میں اس سے چند قدم پیچھے چل رہا تھا' لیکن اس نے مڑکر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور اپنے کمپارٹمنٹ میں سوار ہو گئی' عجیب بے حس لڑکی تھی۔

میں نے دوبارہ ڈائننگ کار میں جانے کی ہمت نہ کی اور بقیہ سفر اپنے ڈبے ہی میں سو کر گزارا۔ سلگوری پہنچ کر میری آنکھ کھلی تو سر میں درد ہو رہا تھا' ہوا میں خاصی خنکی آگئی تھی' مجھے جھرجھری سی آگئی۔ ہر سمت ہری بھری پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں اور دور ہمالیہ کی برف پوش بلند چوٹیاں دھوپ میں چمکتی نظر آرہی تھیں' یہاں سے ہم کو پہاڑی پر جانے والی چھوٹی لائن کی ٹرین پر سوار ہونا تھا۔

ٹرین کا سفر میرے لئے ہمیشہ پُرکشش رہا تھا۔ سلگوری سے دارجلنگ جانے والی یہ ریلوے لائن وہاں کی مشہورِ عالم چائے لانے کے لئے استعمال ہوتی تھی' دارجلنگ چائے کے بہترین باغات کا علاقہ تھا۔ سیلون کے بعد دنیا کو سب سے زیادہ چائے یہیں سے فراہم ہوتی تھی۔ باوجود یکہ سات ہزار فٹ کی بلندی پر واقع اس پہاڑی علاقے سے پکی سڑک بھی جاتی تھی لیکن چائے کی ترسیل کے لئے عموماً ریلوے ہی استعمال ہوتی تھی۔ دارجلنگ جانے والی ٹرین تیار ہو رہی تھی' شور مچاتا انجن ھنٹنگ کر کے بوگیاں لگا رہا تھا۔ بچے اس منظر سے بڑے لطف اندوز ہو رہے تھے اور اسٹیشن پر شور مچاتے بھاگ دوڑ رہے تھے' لیکن اس لڑکی نے ایک ہی ڈانٹ میں سب کو خاموش کردیا اور پھر ایک جگہ جمع کر کے انہیں ناشتے کے لئے بن اور دودھ بانٹنا شروع کر دیا۔

اس نے صرف ایک مرتبہ میری سمت دیکھا اور مسکرا کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی —— اس کی یہ بے نیازی میرے لئے اور بھی زیادہ کشش کا باعث بنتی جارہی تھی۔ کوشش کے باوجود میری نگاہیں اس کے تعاقب سے باز نہیں آرہی تھیں' میں اپنی اس کیفیت پر حیران ہو رہا تھا کہ نوپاہ نظر آگیا۔ وہ اپنے ساتھ گرم پانی اور ایک حجام لیکر آیا تھا۔ شاید اب احتیاط کی ضرورت نہ رہی تھی۔ میں شیو بنوانے لگا۔ نوپاہ میرے پاس ہی بیٹھ گیا اور باتیں کرنے لگا۔ وہ مجھے آنے والے سفر کے متعلق بتا رہا تھا۔ لیکن میرا ذہن کہیں اور تھا۔ میں ٹرین کو تیار ہوتے دیکھ رہا تھا۔ انجن ایک ایک بوگی کو لاکر جوڑ رہا تھا' میں یہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ یہ کام پہلے ہی کیوں نہیں کرلیتے تاکہ مسافروں کو انتظار نہ کرنا پڑے۔ بچوں کی طرح مجھے بھی یہ منظر دیکھنے میں لطف آرہا تھا۔ اسی دوران ایک تین سالہ بچّہ لڑکی کی آنکھ بچا کر نکل آیا۔ میرے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے میری سمت دیکھا تو میں نے مسکرا کر آنکھ ماری' اس نے معصومیت کے ساتھ مجھے دیکھا اور ڈرتے ڈرتے کچھ آگے گیا اور ایک بار پھر میری سمت دیکھا' میں نے گردن ہلائی اور انجن کی سمت اشارہ کیا' ایک لمحہ کو اسے یقین نہ آیا۔ شاید وہ حیران تھا کہ میں منع کرنے کے بجائے ہمت افزائی کیوں کر رہا ہوں. پھر اس نے آہستہ آہستہ چند قدم انجن کی سمت بڑھائے۔ میں نے پھر گردن ہلا کر ہمت بڑھائی تو وہ مطمئن ہوگیا اور سیدھا انجن کی سمت بھاگا۔

لیکن اتنی دیر میں ایک آیا کی نظر اس پر پڑگئی اور اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ وہ چلاتی ہوئی بچے کی سمت بھاگی' بچہ شاید پکڑے جانے کے خوف سے یا پھر شرارتاً اور بھی تیزی سے بھاگنے لگا' مختصر سی ٹرین رک گئی تھی' بچے نے پٹڑی پار کی اور

ایک ڈبے کے نیچے گھس کر دونوں پٹریوں کے درمیان چھپ گیا' خوف سے میری سانس رکنے لگی اور میں نے چیخ کر شنٹنگ کرنے والے انجن کے ڈرائیور اور اس آدمی کو خبردار کیا جو جھنڈی دکھا رہا تھا- میں بے تحاشہ انجن کی سمت بھاگ رہا تھا- انہوں نے شاید میری آواز نہیں سنی تھی کیونکہ اس آدمی نے ڈرائیور کو ہری جھنڈی دکھانا شروع کر دی' بچہ اب بھی ٹرین کے نیچے تھا- میں خوف سے کانپ اٹھا لیکن وہ پاجی نیچے بیٹھا ہنس رہا تھا اور گردن پہیوں کے نیچے سے باہر نکال رکھی تھی' میں نے اس کی جانب چھلانگ لگائی تو وہ جلدی سے اندر کی جانب ہوگیا اور دوسری جانب سے باہر نکلنے لگا— میں مایوس ہوگیا' اگر ایک لمحہ اور دیر ہو جاتی تو اس کا کام تمام ہو جاتا- میں نے جیسے ہی اسے پہیوں کے درمیان سے کھینچا ٹرین ایک جھٹکے سے چل پڑی' میں بچے سمیت پٹریوں کے درمیان لیٹ گیا- وہ میری گرفت سے نکلنے کے لئے مچل رہا تھا اور بوگیوں کے ایکسل میرے سر کے اوپر سے گزر رہے تھے' بچہ میرے بوجھ سے دبا ہوا چیخ رہا تھا- لوگوں کی چیخ وپکار سے ڈرائیور کو کچھ احساس ہوگیا تھا کیونکہ ٹرین رک گئی تھی - اسٹیشن کا ہجوم اور ریلوے اسٹاف دہشت زدہ نظروں سے نیچے جھانک رہے تھے - میں نے بچے کو باہر کھڑے لوگوں کی حوالے کرنا چاہا تو میرا سر بوگی کے نچلے حصے سے اتنی زور سے ٹکرایا کہ چکر آگیا' انہوں نے بمشکل مجھے بھی باہر گھسیٹا- میرا سر چکرا رہا تھا- میں لڑکھڑاتا ہوا بینچ پر بیٹھ گیا- لڑکی تیزی کے ساتھ میرے پاس آئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی میں نے درشت لہجے میں کہا-

" مجھ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں - تم جاکر اس معصوم کی کھال ادھیڑ دو تاکہ تم کو صبر آجائے-"

ممکن ہے یہ سر کی چوٹ رہی ہو یا خوف ودہشت کا ردعمل' بہرحال مجھے کئی الٹیاں آئیں اور پھر شاید میں بے ہوش ہوگیا' مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ نوپاہ لوگوں کے ہجوم کو ہٹانے کے لئے دہاڑ رہا تھا اور کچھ لوگ مجھے اٹھا کر ٹرین کی سمت لے جا رہے تھے - جب ہوش آیا تو میں منہ کے بل ٹرین کی برتھ پر پڑا ہوا تھا اور میرے پیر برتھ سے باہر نکلے ہوئے تھے' کسی نے میرے شانے پر دوا لگائی تھی جو آگ کی طرح جل رہا تھا- میں نے اٹھنا چاہا تو مجھے لڑکی کی آواز سنائی دی' وہ سرد لہجے میں بولی- " زبان پر قابو رکھو ورنہ میں یہ ٹنکچر تمہارے منہ میں انڈیل دوں گی-" میں شاید تکلیف میں گالی بک رہا تھا-

" تم کون ہوتی ہو میری زبان پر اعتراض کرنے والی!" میں نے غصے میں کہا- " اور کس نے تمہیں میرے زخم پر دوا لگانے کی اجازت دی؟"

" شکر کرو کہ کسی نے یہ زخم دیکھ لیا- ایسے زخم کی روزانہ مرہم پٹی ضروری ہے ورنہ یہ کبھی اچھا نہ ہوگا-"

" تم کیا بکواس کر رہی ہو...؟" میں نے غصے میں کہا- " معمولی سی چوٹ ہے' بچے کو باہر دیتے ہوئے بوگی سے ٹکرا گیا تھا-"

" تم جو چاہو کہتے رہو لیکن میری بات یاد رکھنا.... خیال نہیں رکھو گے تو یہ زخم بڑھ جائے گا-" اس نے ویسے ہی سرد لہجے میں کہا- " اب قمیص پہن لو- میں دارجلنگ پہنچ کر یہ پٹی بدل کر پھر دوائی لگا دوں گی-"

میں اٹھ کر بیٹھ گیا' وہ برابر کی سیٹ پر بیٹھی مجھے گھور رہی تھی اور ٹرین بہت سست رفتاری کے ساتھ چل رہی تھی' وہ میری حالت دیکھ کر مسکرا دی اور تب مجھے خیال آیا کہ میں نے اس کا شکریہ بھی ادا نہیں کیا- " معاف کرنا' میں شکریہ ادا کرنا بھول گیا تھا-"

" اس کی فکر نہ کرو-"

" اگر تم کو ناگوار گزرتا ہے تو نہیں کروں گا-"

" یہ بات نہیں... شکریہ تو مجھے تمہارا ادا کرنا چاہیے— تم نے بچے کی جان بچانے کے لئے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی-"

" اس کا ذکر نہ کرو-"

" اگر تم کو پسند نہیں تو نہیں کروں گی-" اس نے جواب دیا- " لیکن یہ تمہیں مجھ سے اتنا بیر کیوں ہے؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

" میں نے اگر ان معصوم اور بے سہارا بچوں کے لئے مٹھائی خرید دی تھی تو کون سا جرم کیا تھا جو تم اتنی ناراض ہو گئی تھیں؟" میں نے پوچھا-

" بچے ابھی پیٹ کی بیماریوں سے صحت یاب ہوئے تھے اور پرہیزی غذا کھا رہے تھے' تم نے یقیناً نیک نیتی کے ساتھ ان کو مٹھائی دلائی تھی لیکن اگر وہ کھا لیتے تو..." اس نے شانے اچکائے- " خیر چھوڑو اس بات کو- میں ان شیطانوں کو جب تک دارجلنگ سینی ٹوریم نہیں پہنچا دیتی ان کی سلامتی کی ذمے دار ہوں" مجھے اپنی حماقت پر شرم آنے لگی تھی- کیونکہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی سچ تھا— میں نے زیر لب معذرت کی تو وہ مسکرا دی- " کوئی بات نہیں مسٹر..."

" رینالڈ- مائک رینالڈ-" میں نے کہا-

" میں اینی ہیٹر ہوں-"

میں نے اس کا کھلا ہوا میڈیکل بیگ دیکھ لیا تھا جو سیٹ پر رکھا ہوا تھا- " کیا تم ڈاکٹر ہو؟"

" نرس-" اس نے جواب دیا- " کیا تم یہاں بہت عرصے

سے رہتے آ رہے ہو مسٹر رینالڈ؟"

"نہیں میں پہلی بار آیا ہوں" - میری سمجھ میں نہ آیا کہ اور کیا کہوں-

"اس کے باوجود تم ہندوستانی میں گالیاں بکنا جانتے ہو؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا- میرا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا- چوری جو پکڑی گئی تھی- "جہاز پر ملاح ہوں" - میں نے بات بنائی- "وہاں ہندوستانی ملاح اکثر کام کرتے ہیں' دن رات ان کی زبان سے سن سن کر یاد ہوگئی ہیں- ہمارے جہاز کے انجن میں کچھ خرابی ہوگئی ہے اس لئے چند ہفتے بندرگاہ پر مرمت کے لئے کھڑا رہے گا- میں نے سوچا کہ اس طرح جو موقع ملا ہے اس میں کچھ تفریح کرلوں' سمندر میں مسلسل رہنے کے بعد قدرتی مناظر دیکھنے کی بڑی خواہش ہوتی ہے-"

اس نے سر ہلایا- "مناسب فیصلہ کیا- دارجلنگ بڑی خوبصورت پہاڑی جگہ ہے-"

"تم وہاں رہتی ہو؟"

"نہیں ہمارا اسپتال تو گوا کی سرحد پر ہے لیکن مریضوں کے ساتھ ہم اکثر یہاں آتے رہتے ہیں- تم نے گوا دیکھا ہے؟"

میں نے جلدی سے اپنی شرٹ اٹھائی اور پہننے لگا' وہ مجھے بغور گھور رہی تھی- "دو چار مرتبہ ہمارا جہاز گوا کی بندرگاہ پر رکا تو دور سے دیکھنے کا موقع ملا تھا- یہ بھی بہت عرصہ قبل کی بات ہے-"

شرٹ پہن کر میں مڑا تو وہ باسکٹ سے پھل نکال رہی تھی' تھرماس اور بسکٹ نکال کر اس نے سیٹ پر رکھے اور بضد ہوگئی کہ میں بھی اس کے ساتھ کھاؤں' اور میں جس پریشانی میں مبتلا ہوگیا تھا وہ ٹل گئی- جب تک ہم نے ناشتا ختم کیا' ٹرین دور تک پھیلی سرسبز و شاداب ترائی سے گزر کر پہلی پہاڑی پر پہنچ گئی تھی- ہوا سرد ہوگئی تھی' بڑا دلکش منظر تھا' اینی کی موجودگی نے اسے اور بھی رومانی بنادیا تھا-

ہم جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے منظر اور خوشنما ہوتے گئے' بعض مقامات پر چڑھائی ایسی تھی کہ ٹرین چیونٹی کی رفتار سے آگے بڑھتی تھی' وہ بار بار کھڑکی سے جھانک کر دیکھ رہی تھی شاید اسے فکر لگی ہوئی تھی کہ کوئی شریر بچہ پھر نیچے نہ اتر جائے' اس کی فرض شناسی نے مجھے متاثر کرنا شروع کردیا تھا- وہ ان بچوں سے پیار کرتی تھی' ان کے لئے پریشان تھی' میرا یہ خیال غلط تھا کہ وہ پتھر دل ہے' زندگی میں کسی لڑکی نے مجھے اس طرح متاثر نہ کیا تھا' سچ پوچھیں تو مجھے دو ہی قسم کی لڑکیاں ملی تھیں' آوارہ گرد یا پیشہ ور- گھریلو اور شریف صرف ایک چیف انجینئر کی لڑکی سے کچھ عرصہ تک میری دوستی رہی تھی لیکن اس سے بھی زیادہ دن تک سلسلہ نہ چل سکا- یہ لڑکی بالکل مختلف تھی' دلکش اور بے حد پاکیزہ' گلاب کے پھول کی طرح تر و تازہ پھر بھی اس کی موجودگی میں عجیب سی بے چینی کا احساس ہو رہا تھا-

ہم جب دارجلنگ کے چھوٹے سے اسٹیشن پر پہنچے تو ایک مرتبہ میرا اضطراب پھر بڑھ گیا' وہ گوا واپسی سے قبل یہاں چند روز قیام کرنے والی تھی اور اس نے مجھے... دارجلنگ کی سیر کرانے کی پیشکش کی تو میں انکار نہ کرسکا حالانکہ میں جانتا تھا' یہ ہماری ملاقات کا آخری اسٹیشن تھا- کل مجھے یہاں سے آگے چلے جانا تھا اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ کہاں- میرے لئے اب زندگی مسلسل فرار تھی- ہر لمحہ پُر خطر تھا- ہر موڑ پر گرفتاری کا خوف تھا-

"بہتر ہے" - اس نے کہا "کل کا پروگرام رکھ لیتے ہیں- صبح میں بچوں کو سینی ٹوریم پہنچانے کی وجہ سے مصروف رہونگی' لنچ کے بعد چلیں گے- تم قیام کہاں کروگے؟"

ایک مرتبہ پھر میں انجانے میں پکڑا گیا- مجھے ہوٹل کا نام یاد نہیں رہا- میں نے بات بنائی- "ایک شخص ملنے آئے گا- میرا مطلب ہے ٹریول ایجنسی کا آدمی جس کے ذریعے میں نے کمرا بک کرایا ہے-"

"تب پھر ٹھیک ہے- تم مجھے ساڑھے بارہ بجے تک فون کرلینا- نمبر ہے دارجلنگ فائیو ایٹ"-

"اچھی بات ہے- میں فون کرلوں گا-" میں نے جلدی سے کہا- مجھے اتنی شدید ذہنی اذیت زندگی میں کبھی نہیں ہوئی تھی-

میں نے اسے سامان اتارنے میں مدد دی- اسٹیشن پر قلیوں کا ہجوم مسافروں کے سامان پر جھپٹ رہا تھا- میں نے ان کو اینی کے قریب نہیں آنے دیا' وہ اس چھینا جھپٹی پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور میری سمت ہاتھ بڑھایا- اس کے نرم ملائم ہاتھ کے لمس نے رگوں میں آگ سی بھردی' میں اس ہاتھ کو کبھی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا- اور اسی لمحے تیز چمک سے آنکھیں چکا چوند ہوگئیں - ایک پستہ قد موٹا ہندو کیمرہ لئے آگے بڑھا اور بڑے خوشامدانہ لہجے میں چلایا "ہندوستان ٹائمز سر- بس یوں ہی کھڑے رہئے' بس ایک اور تصویر بنا لوں" اس نے التجا کی "ذرا مسکرایئے خاتون — آپ اس نوجوان ہیرو کے ساتھ کھڑی ہیں جس نے اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر ایک بچے کی جان بچائی ہے"

ہجوم میں سے کوئی اور میرا بازو پکڑ کر کھینچ رہا تھا- میں نے گھوم کر دیکھا تو نوپاہ کا چہرہ نظر آیا' اس نے مجھے ہجوم میں سے باہر گھسیٹا اور پھر ہم تاریکی میں اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے بہت سے عفریت پیچھا کررہے ہوں' وہ مسلسل گندی

گالیاں بک رہا تھا جو کسی بھکشو کی زبان سے بڑی عجیب لگ رہی تھیں - ہم بازار میں ایک بلند عمارت کی آڑ میں جاکر رکے ' ہر سمت سناٹا تھا ' ہم دونوں بری طرح ہانپ رہے تھے -

" یہ تم نے کیا حماقت کی بھلے آدمی - " اس نے غضبناک لہجے میں کہا " ساری دنیا کے سامنے تماشا بن گئے - "

" اس میں میرا کیا قصور تھا - " مجھے بھی غصہ آگیا " مجھے کیا معلوم تھا وہ حرام زادہ رپورٹر تصویر اتار لے گا - "

ہم کچھ دیر اسی طرح لڑتے رہے پھر تھک گئے ' وہ مجھے صدر بازار کے ایک معمولی سے ہوٹل میں لے گیا اور مجھے وہاں چھوڑ کر سامان لینے چلا گیا ' وہ واپس آیا تو اسی طرح غصے میں بڑبڑا رہا تھا - لیکن میرے ذہن سے فکر دور ہو گئی تھی -

" اس سے کیا فرق پڑتا ہے - " میں نے اسے سمجھایا - " وہ مقامی صحافی تھا ' اپنے اخبار کے لئے دلچسپ خبر تلاش کر رہا ہو گا - اب تک شاید مجھے بھول بھی گیا ہو - "

" تم نے اس عورت کو کیا بتایا ؟ " اس نے پوچھا -

" تم کو اس سے کیا غرض ؟ " مجھے پھر غصہ آگیا - " اور آئندہ اس کو یوں ہتک آمیز لہجے میں عورت نہ کہنا - "

" بہت اچھا سرکار " اس نے درشت لہجے میں کہا - " آپ نے اسے اپنا نام بھی بتادیا ہو گا - اپنی رام کہانی بھی سنادی ہو گی ' جس طرح اس رنڈی کو بمبئی میں سب کچھ بتادیا تھا — یہ نہ سمجھو مجھے کچھ خبر نہیں - میں کھڑکی کے پاس کھڑا سب سن رہا تھا اور ... "

جولی کے خلاف یہ گندہ لفظ سنتے ہی میں غصے سے پاگل ہو گیا ' ایک جست لگا کر میں نے نوپاہ کی گردن پکڑ لی لیکن وہ اسی طرح کھڑا رہا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں دیوار کے سہارے زمین پر بیٹھا ہوا تھا - وہ اسی طرح اطمینان سے کھڑا بول رہا تھا - یہ جوڈو کا داؤ تھا یا کچھ اور میری کچھ سمجھ میں نہ آسکا اس نے مجھے بچے کی طرح اٹھا کر پھینک دیا تھا -

" تمہارے خیال میں بمبئی یہاں سے بہت دور ہے ؟ " وہ متاسف لہجے میں کہہ رہا تھا - " تم شاید یہ سمجھتے ہو کہ پولیس نے تمہارے بارے میں سب کچھ بھلا دیا ہو گا ؟ نادان ہو تم — وہ نہیں بھولتے — کم بخت کبھی نہیں بھولتے — اب بتاؤ تم نے اس کو اپنے بارے میں کیا بتایا ؟ "

" میں نے اسے کچھ نہیں بتایا — کوئی ایسی بات نہیں جو اہم ہو " میں نے غراتے ہوئے جواب دیا - " کیا تم مجھے احمق سمجھتے ہو ؟

" تم نے اپنا نام تو نہیں بتادیا ؟ اور یہ تو نہیں بتادیا کہ کہاں سے آرہے ہو ؟ "

" میں نے اپنا نام اسے رینالڈ بتایا ہے " میں نے جواب دیا -

" میں نے بتایا کہ جہاز پر ملاح ہوں اور چونکہ جہاز کی مرمت ہو رہی ہے اس لئے چھٹی لیکر تفریح کرنے یہاں آیا ہوں - "

" ایک کڑی - نہیں دو کڑیاں - " وہ بڑبڑایا " فرض کرو وہ کلکتہ تک تمہارا سراغ لگا لیتے ہیں — رینالڈ نامی ایک شخص کے گریٹ ایسٹرن ہوٹل میں قیام کا پتا چل جاتا ہے - یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ شخص جہاز پر سیلر ہے — پھر کتنی دیر لگے گی ان کو یہاں پہنچنے میں ؟ نہیں ' تم کو اپنا نام رینالڈ نہیں کچھ اور بتانا چاہیے تھا - پیشہ بھی کچھ اور بتاتے - ہمیشہ کڑیاں توڑتے چلو - سراغ مٹاتے چلو - "

" بہت چالاک بن رہے ہو - " میں نے غصے میں بھنا کر کہا - " دوسرے کو بالکل احمق سمجھتے ہو - مجھے دوسرا نام سوچنے کا موقع ہی کہاں ملا تھا ؟ لیکن جہاں تک پیشے کا تعلق ہے ' وہ میں نے دانستہ بتایا ہے - کسی یورپین کے ہاتھوں کی یہ حالت ہو سکتی ہے ؟ " میں نے اسے اپنے ہاتھ دکھاتے ہوئے کہا -

" میں تم سے شرمندہ ہوں مسٹر اوریلی - لیکن آئندہ محتاط رہنا ' اس نے دوستانہ لہجے میں کہا - " مجھے تمہاری طرف سے ہر وقت فکر رہتی ہے - تم کو کسی سے بات نہیں کرنا چاہئے - خصوصاً غیر ملکیوں سے - مانا کہ وہ خاتون تمہارے بارے میں پولیس کو خبر نہیں کرے گی لیکن عورتیں باتونی ہوتی ہیں اور زبان سے نکلی بات راز نہیں رہتی - پولیس کے جاسوس ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں - میرا خیال تھا دارجلنگ تم جیسے صاحب بہادر کے چھپنے کے لئے بہترین جگہ رہے گی ' وہ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ تم بمبئی سے اتنی دور آسکتے ہو لیکن اب مجھے شبہ ہے ' پھر بھی فکر کرنے کی ضرورت نہیں - تم آئندہ دو تین روز اسی کمرے میں قیام کرو ' سمجھ گئے ؟ باہر بالکل نہ نکلنا — میں کہے دیتا ہوں کہ تمہارا ناشتا اور کھانا کمرے ہی میں بھیج دیا جائے - "

" دو تین دن یہاں بند رہوں ؟ " میں نے پریشانی کے عالم میں کہا " لیکن کیوں ؟ میرا تو خیال تھا ہم کو کہیں اور چلنا ہے "

" مجھے بہرصورت اس لاما کو تلاش کرنا ہے - " اس نے کہا - " یہاں قرب و جوار میں پچیس تیس خانقاہیں ہیں - کچھ وقت تو لگے گا نا - "

میں نے اپنے مختصر سے کمرے کا جائزہ لیا جس سے سیلن کی بو آرہی تھی - " ٹھیک ہے " میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا - " تم جیتے لیکن اگر لاما کا پتا چل گیا تو کیا ہو گا ؟ "

" اس کے بعد سب کچھ تم پر منحصر ہے ..... تم کو اس سے ملاقات کر کے یہ کہنا ہو گا کہ راکھبو نے تم کو اس کے پاس بھیجا ہے "

" اور تمہارا خیال ہے کہ وہ یقین کر لے گا ؟ "

"اسے سب کچھ سچ سچ بتادینا۔" نوپاہ نے اطمینان کے ساتھ کہا۔ "وہ سچ پر یقین کرلے گا' بہت اچھا انسان ہے اور سچ کی پرکھ رکھتا ہے۔" اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے مسٹر اورلی؟ ممکن ہے کہ اب تک کوئی گڑبڑ نہ ہوئی ہو لیکن اب کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں ہے' جب تک میں واپس نہ آجاؤں کمرے کے اندر رہنا۔"

"ہوٹل والوں کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا ان پر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے جو رقم ان کو دی ہے اس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ہاں" اس نے جواب دیا "وہ اپنی آنکھ' کان اور زبان بند رکھیں گے۔ فکر نہ کرو میں جلد آجاؤں گا۔"

لیکن وہ جلد واپس نہیں آیا' اس رات مجھے ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔ دوسرے دن بھی میں اس بدبودار کمرے میں پڑا سوکھتا رہا' دریچے سے بازار کی بھیڑ بھاڑ اور سامنے نظر آنے والی سرسبز پہاڑیوں کی برف پوش چوٹیوں کا نظارہ مجھے منہ چڑا رہا تھا۔ میں بھوکا تھا لیکن ہوٹل کا بدمزہ مٹن پلاؤ کھانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ دوسری رات شاید تھکان کی وجہ سے نیند آگئی' مجھے معلوم تھا کہ ایک دن اور اس کمرے میں بند رہا تو برداشت سے باہر ہوجائے گا۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ دوپہر تک نوپاہ کا انتظار کروں گا اور اگر وہ اس وقت تک نہ آیا تو خود وہ قدم اٹھاؤں گا جو بہت پہلے اٹھالینا چاہئے تھا۔ یہاں سے فرار ہوجاؤں گا' کلکتہ کا ٹکٹ لے کر واپس پہنچوں گا اور وہاں سے کسی جہاز کے ذریعے ہندوستان کی حدود سے نکل جاؤں گا۔ نوپاہ کے اعتماد کو ٹھیس تو یقیناً پہنچے گی لیکن اس سے کیا فرق پڑے گا؟ میں نے تو اس سے اعتماد کرنے کے لئے نہیں کہا تھا' وہ چالاکی کے ساتھ میری خدمات حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ سونے کی تلاش میں مجھ سے مدد حاصل کرسکے' اسے ایک ملاح کی ضرورت تھی جو جہاز رانی میں مہارت رکھتا ہو اور قابل بھروسہ ہو۔ مجھ سے زیادہ موزوں آدمی اسے کون مل سکتا تھا۔ اور فرض کرو کہ ہم نے وہ سونا تلاش بھی کرلیا تو پھر کیا ہوگا؟ ممکن ہے کہ وہ اس کے بعد مجھے گرفتار کراکے ہمیشہ کے لئے جان چھڑانا چاہیے۔ پھر کیوں نہ میں پہلے ہی فرار ہوجاؤں۔

میں دریچے کے پاس کھڑا بازار کا نظارہ کررہا تھا۔ اناج' کپڑے' برتنوں اور سبزیوں کی دکانوں پر خریداروں کا ہجوم تھا۔ ان میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔ ہندو' مسلمان گورکھا' کھالوں کے کپڑے پہنے تبتی اور شیرپا۔ اچانک مجھے وہ نظر آگئی۔

وہ پہاڑی سے آنے والی ڈھلوان سڑک سے اتر کر بازار کی سمت بڑھ رہی تھی' اس کا حسین چہرہ شاداب و تروتازہ تھا اور اس کی چال میں جوانی کی پھرتی تھی' وہ کھلے گلے کی نیلی شرٹ اور سفید اسکرٹ میں قیامت لگ رہی تھی' اس کے کھلے ہوئے سنہرے بال ریشم کی طرح ہوا میں لہرا رہے تھے۔ میرے دریچے کے عین مقابل وہ ایک دکان کے سامنے رک گئی' مجھے یوں لگا کہ جیسے کائنات تھم گئی ہو۔

ہمارے درمیان صرف ایک تنگ سڑک کا فاصلہ تھا۔ میں نے کچھ سوچے بغیر دریچے سے باہر چھلانگ لگائی اور دیوانہ وار اس کی سمت بڑھنے لگا۔ میں کچھ دور تھا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا۔ قریب پہنچا تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے نہ کوئی شکوہ کیا نہ کوئی شکایت' بڑے دلکش لہجے میں بولی۔ "میں نے سارے ہوٹلوں میں فون کرکے معلوم کیا لیکن تمہارا پتا نہ مل سکا۔"

"تم واقعی مجھ سے ملنا چاہتی تھیں؟"

"ہاں" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہارے زخم کی مرہم بہت ضروری تھی۔ مجھے اس کی بڑی فکر تھی۔"

"تم تو مجھے دارجلنگ کی سیر کرانا چاہتی تھیں؟"

"میں نے کل تمہارا بہت انتظار کیا لیکن تم نہیں آئے۔"

"آج کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"اگر تم پسند کرو تو ٹھیک ہے۔ لیکن تمہیں ایک گرم جیکٹ اور سوئٹر کی ضرورت ہوگی"

"میرے پاس تو دونوں نہیں ہیں۔ لیکن مجھے سردی کی پروا نہیں ہے۔"

"یہاں تو شاید ضرورت پیش نہ آئے لیکن میں تمہیں کہیں اور لے جانا چاہتی تھی" اس نے کہا۔ "دور۔ برف پوش پہاڑی کی سمت۔ تم گھوڑے کی سواری تو کرلیتے ہو؟"

"ہر کام کے لئے پہلی کوشش کرنا ضروری ہوتا ہے" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تو آؤ پہلے تمہارے لئے ایک سوئٹر اور چمڑے کی جیکٹ خرید لیتے ہیں۔" اس نے کافی بھاؤ تاؤ کرنے کے بعد تیس روپے میں دونوں چیزیں خریدیں اور پھر مجھے ساتھ لے کر اس مقام پر گئی جہاں سینی ٹوریم واقع تھا' چاروں سمت سے ہری بھری باڑھ کے درمیان سینی ٹوریم کی عمارت دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے لان پر ایک بینچ پر انتظار کرنے کے لئے چھوڑ کر وہ چلی گئی' تقریباً آدھ گھنٹے بعد وہ واپس آئی تو دو عدد ٹٹو نما گھوڑے بھی ساتھ لائی تھی' پہاڑی پر سفر کے لئے یہی استعمال ہوتے تھے۔ میں مشکل سے گھوڑے پر بندھی ہوئی زین پر سوار ہوا۔ ایک پیر الٹی رکاب میں ڈال دیا تو اپنی کھلکھلا کر ہنس پڑی' اس نے آکر میرا پیر ٹھیک کیا۔ شرمندگی کے

باوجود میں اس کے حسن سے ایسا سحرزدہ ہوگیا تھا کہ انجی
حماقت بھی لطف دے رہی تھی، ہم دونوں قہقہے لگاتے ہوئے
چڑھائی پر روانہ ہوگئے۔ انجی کی موجودگی میں مجھے ایک ناقابلِ
بیان مسرت کا احساس ہو رہا تھا، اس کے وجود میں بے پایاں
کشش تھی، میں سب کچھ بھول کر صرف اس کی قربت کے
احساس میں کھوگیا، نہ نوپاہ کی سرزنش یاد آرہی تھی نہ کسی
خطرے کا احساس باقی رہ گیا تھا۔ ہم شاہ بلوط اور چیڑ کے بلند
درختوں کے درمیان سے گزرنے والی سڑک پر آگے بڑھتے
رہے۔ بچوں کی طرح ہنستے کھیلتے، انجی کے مترنم قہقہوں سے
فضا گونجتی رہی۔ بلندی پر پہنچ کر ایک جگہ اس نے بتایا کہ صبح
سویرے یہاں سے ایورسٹ کی چوٹی صاف نظر آتی ہے۔

اس کے بعد ہم سرسبز و شاداب وادی کی ڈھلوان پر
اترنے لگے، برف کی طرح شفاف پانی کے چشمے چٹانوں سے
نکل کر نشیب میں بہہ رہے تھے، ہر سمت کائنات کا حسن تھا یا
انجی کے وجود کا حسین احساس، پوری کائنات جیسے سکون کی
گہری نیند سو رہی تھی، پوری دوپہر کے سفر کے دوران ہم کو
ایک بوڑھے شیرپا کے علاوہ اور کوئی متنفس نہیں ملا۔ وہ ایک
چشمے کے کنارے بیٹھا ہوا مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ اس نے
کنارے پر مچھلیوں کا ڈھیر لگا رکھا تھا۔ ہم نے دوسری چڑھائی
کے اوپر پہنچ کر گھوڑوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور ایک
چٹان پر بیٹھ کر پکنک منائی، وہ اپنی باسکٹ میں کھانا لے کر آئی
تھی، ہم خاموشی کے ساتھ کھانا کھاتے رہے اور ایک
دوسرے کو دیکھ کر مسکراتے رہے، اس خاموشی کی زبان نے
وہ سب کچھ کہہ دیا جو ہم دل میں محسوس کر رہے تھے لیکن
اب تک لبوں پر نہیں لائے تھے ـــــ گرد و پیش کا کوئی
احساس باقی نہیں رہا تھا، سورج جب ڈھل کر عذاب کی
کیفیت میں پہنچ گیا اور آسمان پر کالے بادلوں کی ٹکڑیاں
منڈلانے لگیں تب ہمیں وقت کا احساس ہوا۔ میرا دل چاہ
رہا تھا کہ یہ دن کبھی ختم نہ ہو۔

لیکن انسان کی ہر خواہش تو پوری نہیں ہوتی، نہ دل
چاہنے سے سورج کا سفر رک جاتا ہے۔ سیاہ بادلوں میں سورج
نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ پہلے ہمیں ہوا کی تیزی کا احساس
ہوا اور پھر جھونکے اتنے شدید ہوگئے جیسے آندھی چل رہی
ہو، میں پشت کے بل لیٹا ہوا آسمان کو گھور رہا تھا، میرے اپنے
دل میں جو طوفان موجزن تھا اس نے مجھے ہر چیز سے بیگانہ
کر دیا تھا، وہ کچھ دور بیٹھی وادی کی گہرائی میں جھانک رہی تھی۔
دونوں خاموش تھے، میں نے کروٹ لی اور اس کے ریشم جیسے
ملائم ہاتھ کو تھام لیا، اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا تو پھر
گرمجوشی سے اس کو دبایا۔ اس کے بعد وہ اچانک اٹھ کر کھڑی
ہوگئی۔ سحر ٹوٹ گیا تھا۔

"میرے خیال میں اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔" اس
نے کہا۔ "یہ بادل اور تیز ہوائیں.... عموماً برف باری کی
علامت ہوتے ہیں۔"

ہم نے سامان سمیٹ کر اس سمت کا رخ کیا جہاں دونوں
گھوڑے چر رہے تھے، ابھی ہم نے سامان گھوڑے پر رکھا ہی
تھا کہ ہلکی برف باری شروع ہوگئی۔

"میں آگے چلوں گی" انجی نے کہا، "تم لگام ڈھیلی چھوڑ دو۔
یہ خود میرے پیچھے چلا آئے گا۔" اس نے گھوڑے پر بیٹھتے
ہوئے کہا۔

ہم آگے پیچھے چلتے ہوئے واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے،
ڈھلوان اتر کر ہم ابھی دوسری چڑھائی پر پہنچے تھے کہ برف
باری تیز ہوگئی۔ دھندلکا گہرا ہوتا جارہا تھا اور سڑک کے دونوں
جانب گہری کھائیاں تھیں ــ لیکن پہاڑی سفر کے عادی
گھوڑے آرام سے آگے بڑھ رہے تھے۔ یہ راستے ان کے
جانے بوجھے تھے، برف باری کی وجہ سے ان کی رفتار بہت
سست تھی، اور میں خوش تھا کیوں کہ اس طرح انجی کے ساتھ
زیادہ دیر تک رہنے کا موقع مل رہا تھا۔ ہوائیں اب بہت تیز
ہوگئی تھیں اور جھکڑ اتنے تیز تھے کہ سیٹیاں سی بج رہی
تھیں۔ ہم جب دوبارہ پہاڑی کی بلندی پر پہنچے تو طوفان کے
تھپیڑے پوری شدت کے ساتھ چہرے سے ٹکرائے، برف
اتنی گہری ہوگئی تھی کہ انجی میری نظروں سے اوجھل ہوگئی،
ایک لمحہ کو میں خوف سے بوکھلا گیا اور پھر انجی کے گھوڑے
سے ٹکرایا۔ وہ مڑ کر شاید واپس آرہی تھی کیوں کہ اس کے
گھوڑے کا رخ میری جانب تھا۔ اسے دیکھ کر میرا گھوڑا بھی
واپس مڑ گیا، میں نے ہر ممکن کوشش کی، پوری قوت سے لگام
کھینچی لیکن گھوڑا ٹس سے مس نہ ہوا۔ چیختی چلاتی ہواؤں
کے جھکڑ میں انجی نے اپنا سر میرے قریب کیا اور چیخ کر بولی۔

"گھوڑے نشیب کی جانب جانا چاہتے ہیں۔ وہ کسی چٹان
کی آڑ میں پناہ چاہتے ہیں۔"

"کیا یہ مناسب ہوگا؟" میں نے چلا کر پوچھا۔

"گھوڑوں کے لئے تو یہی بہتر ہوگا۔" اس نے چیخ کر جواب دیا۔
"لیکن ہم صبح تک سردی سے جم جائیں گے، ہمیں کسی طرح
انہیں چوٹی تک لے جاکر دوسری جانب کے نشیب میں
پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ وہاں وادی میں ایک ہٹ ہے
جہاں ہم پناہ لے سکتے ہیں۔"

مجھے یاد آیا کہ راستے میں ایک ہٹ نظر آئی تھی۔ ایک
بوسیدہ سی عمارت جس کے بارے میں انجی نے کہا تھا کہ
سرکاری ڈاک بنگلا ہے۔ جس زمانے میں تبت سے لہاسہ کے

لئے یہ تجارتی راستہ کھلا ہوا تھا یہاں لوگ قیام کرتے تھے۔

"نیچے اتر کر آؤ اور لگام پکڑ کر گھوڑے کو اوپر لے چلنے کی کوشش کرو" اینی نے زور سے چیخ کر کہا۔

اور ہم نے یہی کیا' خوفزدہ جانوروں کی لگام گھسیٹتے ہوئے اوپر لے چلے' جب بلندی پر پہنچ کر ہم نے نشیب کا رخ کیا تو جانوروں کو کچھ اطمینان ہوا کیوں کہ وہ آسانی سے چلنے لگے تھے' میرا گھوڑا اتنی تیزی سے چل رہا تھا کہ لگام کھینچنے سے میرے بازو دکھنے لگے۔ اینی نے اپنے گھوڑے کو گھما کر راستہ روک لیا اور مجھ سے سوار ہو جانے کو کہا۔ میں نے اس کے مشورے پر عمل کیا' ہم بڑی تیزی سے ڈھلوان اترنے لگے۔

وہ ہٹ ہم کو صرف اس لئے مل گیا کہ جانوروں کو جس پناہ کی تلاش تھی وہ ان کو ادھر لے گئی ورنہ حدِ نگاہ تک ہر سمت سفید برف کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور جب تک ہم ہٹ کی دیوار کے نیچے نہیں پہنچ گئے وہ ہمیں نظر نہیں آیا' دیوار کے برابر ایک شیڈ بنا ہوا تھا' ہم گھوڑوں کو اس کے اندر لے گئے اور پھر ٹٹولتے ہوئے بمشکل دروازے تک پہنچے' تاریکی میں اینی کا ہاتھ میرے ہاتھ سے مس ہوا اور اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھے افسوس ہے مائیک۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔ "مجھے ایسی حماقت نہیں کرنا چاہئے تھی لیکن میرا خیال تھا کہ میں ان پہاڑوں سے بخوبی واقف ہوں۔"

"کوئی بات نہیں اینی۔ مجھے اس کی بالکل پروا نہیں۔" میں نے بڑے خلوص کے ساتھ کہا۔ "سچ پوچھو تو بڑا لطف آ رہا ہے۔"

"پھر بھی مجھے موسم کا اندازہ ہو جانا چاہئے تھا۔" اس نے کہا۔ "ہمیں وہاں سے بہت پہلے روانہ ہونا چاہئے تھا۔ ہم خوش قسمت تھے جو یہاں پناہ مل گئی ورنہ نہ جانے کیا ہوجاتا؟" اس نے گرم جوشی سے میرا ہاتھ دبایا۔ "آؤ ٹٹول کر لکڑیاں تلاش کریں.... ٹیلگراف والے اکثر اس ہٹ کو استعمال کرتے ہیں اور سامان چھوڑ کر جاتے ہیں۔"

قسمت نے ہمارا پھر ساتھ دیا' وہاں صرف چیڑ کی لکڑیاں ہی نہیں بلکہ اور بھی سامان موجود تھا' کچھ دیر میں آتشدان میں آگ کے شعلے روشن ہو گئے اور گرمی کی حدت سے ہماری کپکپی دور ہو گئی' میں دروازہ کھول کر ہوا کے تیز جھکڑوں سے لڑتا ہوا شیڈ میں پہنچا اور گھوڑے پر سے سامان کی باسکٹ لے آیا۔ اس میں ابھی تک اتنا کھانا موجود تھا کہ ہم نے پیٹ بھر کے کھا لیا۔

میرے لئے یہ ایک قدرت کا فراہم کیا ہوا موقع تھا جس کو خوش قسمتی کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا۔ قدرت نے میری دعا سن لی تھی' اینی کچھ عرصہ اور مجھ سے جدا نہ ہو گی' یہ خوش کن احساس میرے لئے ایک قیمتی سرمایہ تھا۔ ہم اس جگہ تنہا بھی تھے اور محفوظ بھی' وہ میرے پاس تھی اور اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہئے تھا۔ میں کونے میں رکھا ہوا سنبل کی روئی کا گدا گھسیٹ کر آتشدان کے پاس لے آیا اور اس پر اینی کو بٹھا کر اپنے بھیگے ہوئے کپڑے آتشدان کے پاس سوکھنے کو رکھ دیے' اینی نے کیتلی میں برف بھر کے آگ پر رکھ دی اور چائے بنانے لگی' اور اسی وقت اچانک میرے شانے کے منحوس زخم میں ٹیس اٹھی اور میں اس سحر زدہ سہانے خواب سے نکل کر اپنی تلخ اور مکار دنیا میں واپس آگیا' وہ سارے وسوسے اور اندیشے تازہ ہو گئے جن کو صبح سے ذہن کے باہر نکال پھینکا تھا' اینی نے مجھے چائے کا کپ دیا تو میں داہنے ہاتھ سے نہ لے سکا اس لئے بایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"تمہارے شانے کا زخم تکلیف دے رہا ہے؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"زیادہ نہیں' بس معمولی سا" میں نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"اس کا ایکسرے ہونا چاہئے۔ ممکن ہے کوئی ہڈی متاثر ہوئی ہو۔"

"معمولی سی چوٹ تھی۔ اور ایک ڈاکٹر نے مرہم پٹی کر دی تھی۔" میں نے پھر جھوٹ بولا۔ "سگریٹ پیو گی؟ بس ذرا کچھ نم ہو گئے ہیں۔"

"میں نے گولیوں کے زخم پہلے بھی دیکھے ہیں مائیک۔" اس نے سگریٹ لئے بغیر کہا۔ "ان کو مرہم پٹی کی نہیں' باقاعدہ علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم نے بڑی بے پروائی برتی ہے۔"

"کس منحوس نے کہا کہ یہ گولی کا زخم ہے؟" میں نے غصے میں کہا۔

"کسی نے نہیں۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ "شاید تم بھول گئے کہ میں نرس ہوں۔ میں تمہارے ذاتی معاملات میں دخل دینا نہیں چاہتی۔ لیکن تم کو چاہئے کہ کل اسپتال آجاؤ' میں اسے ڈاکٹر سیٹھی کو دکھا دوں گی۔ وہ بہت ماہر...."

"نہیں اینی' بھول جاؤ اس زخم کو۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

وہ آگ کی سمت مڑ گئی اور بالکل خاموش ہو گئی۔ مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں نے اٹھ کر اپنا بازو اس کے شانے پر رکھا لیکن اس مرتبہ اس نے جھٹک دیا۔

"تمہاری جو مرضی آئے کرو -" اس کی آواز میں کرب تھا - "میں کون ہوتی ہوں دخل دینے والی لیکن ایک بات یاد رکھنا، تم پچھتاؤ گے -- یہ زخم خطرناک شکل اختیار کر سکتا ہے -"

"میں تم کو الزام نہیں دوں گا اینی -" میں نے مغموم لہجے میں کہا - "لیکن بہتر ہے کہ اس ذکر کو یہیں چھوڑ دو -"

"میں تم سے اب کچھ نہیں پوچھوں گی -" وہ اٹھ کر گئی اور دروازہ کھول کر دیکھا - "لگتا ہے ہوا بند ہو گئی ہے - ہمیں واپسی کی تیاری کرنی چاہئے -"

میں اٹھ کر اس کے پاس پہنچ گیا - اپنے حالات اور اپنی بے بسی پر میری کیفیت قابلِ رحم ہو رہی تھی، مجھے اپنے آپ پر غصہ بھی آرہا تھا، زندگی میں جو چند لمحے کی محبت میسّر آئی تھی اس کا یہ انجام ہو رہا تھا - اور میں اسے حقیقت بتا بھی نہیں سکتا تھا - بہتر یہی تھا کہ ہم یہیں سے جدا ہو جائیں - ان چند لمحات کی مسرت انگیز یادوں کو ذہن کا سرمایہ بنالیں، کم از کم وہ مجھے ایک اچھے انسان کی حیثیت سے تو یاد رکھے گی، وہ یہ تو نہ محسوس کرے گی کہ قتل کے ایک بدنام مجرم نے اس کو محبت کا فریب دینے کی کوشش کی تھی - بس یہی ٹھیک ہے، ہم اپنے بارے میں مزید کچھ بات نہ کریں، دل پر جبر کر کے اپنے جذبات کا گلا گھونٹ دیں

باوجودیکہ ... ہواؤں کا زور ختم گیا تھا لیکن برف باری شدید ہو رہی تھی، آسمان سے زمین تک برف کی سفید چادر سی تن گئی تھی، اور چند قدم دور دیکھنا بھی ممکن نہ تھا - ہم باہر نکلے تو ٹخنوں تک برف میں دھنس گئے، اس حالت میں سفر کرنا ممکن نہ تھا، میں نے مڑ کر اس کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا - صورتحال ایسی تھی کہ بحث کی کوئی گنجائش نہ تھی، ہم رات اسی جگہ بسر کرنے پر مجبور تھے -

"اب کیا کیا جائے ؟" میں نے پوچھا -

اس نے بے بسی کے عالم میں شانے اچکائے - "اتنی تاریکی اور شدید برف باری میں ہم واپس نہیں جا سکتے -" اینی نے جواب دیا - "تم نے دیکھا ہی تھا کہ سڑک کے کنارے کتنی گہری کھائیاں ہیں، گھوڑے اگر ذرا بھی راستہ بھٹک گئے تو ہم کہیں اور پہنچ جائیں گے مجھے افسوس ہے"

"کوئی بات نہیں - اس میں تمہارا کیا قصور ہے، ویسے اسپتال کے لوگ تمہارے لئے پریشان ہو کر تلاش تو نہ شروع کر دیں گے ؟"

"نہیں -" اس نے جواب دیا - "ویسے بھی اس موسم میں کوئی تلاش کرنے نہیں نکل سکتا، اور پھر ان کو یہ معلوم تھا کہ میں تنہا نہیں جارہی ہوں، انہیں یقین ہو گا کہ ہم نے کہیں پناہ ڈھونڈلی ہو گی -"

میں نے آتشدان میں اور لکڑیاں لا کر ڈال دیں، آگ کے شعلے اور بھڑک اٹھے، میں اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھ گیا، مجھ پر ایک ناقابلِ بیان اضطراب کی کیفیت طاری تھی، شعلوں کے عکس میں وہ اور زیادہ دلکش لگ رہی تھی، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہوں - کس طرح اپنی بے بسی کا اظہار کروں، کیسے اس کو یقین دلاؤں کہ اگر بس میں ہوتا تو ساری زندگی اسے یونہی بٹھا کر پرستش کرتا رہتا - میری ہمت نہ ہو رہی تھی کہ اس سے آنکھیں ملاؤں - گزرنے والا ایک ایک لمحہ میرے لیے سوہانِ روح بنتا جارہا تھا - خدایا ! کیا میری خاموش محبت بغیر اظہار کے ہی دم توڑ جائے گی ؟ مجھے نہیں معلوم کہ میرے بازو کب وا ہوئے اور وہ کب ان میں سما گئی، صرف اتنا یاد ہے کہ وہ میرے سینے سے لگی سسکیاں لے رہی تھی، ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا تھا ..... نمکین آنسوؤں سے میرے لب تر ہو رہے تھے اور جذبات کے طوفان نے ہم دونوں کو باہر کے طوفان سے بالکل بہرہ کر دیا تھا -

شعلے بجھ چکے تھے - صرف انگاروں کی حرارت باقی تھی، وہ معصوم بچوں کی طرح بے خبر سو رہی تھی اور میں بیٹھا اس کے حسنِ خوابیدہ کے سرور سے لطف اندوز ہو رہا تھا -

قربتوں اور فاصلوں کی ہر منزل سے گزر کر ہم اب اس مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں درد بھی لذت دینے لگتا ہے، میں آہستہ سے اٹھ کر گیا اور دروازہ کھول کر باہر جھانکا، برف باری بند ہو گئی تھی، ہوائیں ختم چکی تھیں، طوفان گزر چکا تھا - آسمان پر سپیدۂ سحری پھیل رہا تھا - زندگی ایک نئی صبح کی آغوش میں داخل ہونے والی تھی، میں نے آتشدان میں لکڑیاں ڈال کر آگ روشن کی، سردی سے کپکپی آنے لگی تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ نیند پوری کئے بغیر جاگ اٹھے، لیکن کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی، وہ مجھے کئی لمحے خاموشی کے ساتھ گھورتی رہی، میں نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے پکڑ لیا اور اس کے سہارے کھڑی ہو گئی - اس کے چہرے پر نہ شکایت تھی اور نہ تاسف، ایک ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر کھیل رہی تھی، اس نے بلا کچھ کہے سامان کو سمیٹنا شروع کر دیا، میں بھی خاموش کھڑا دیکھتا رہا، اس نے سامان اٹھا کر شیڈ کا رخ کیا اور کچھ دیر بعد سفر کے لئے تیار ہو گئی ---

ہم روانہ ہوئے تو سورج کی شعاعیں ہمالیہ کی چوٹی کو چوم رہی تھیں، سرد ہوا کے نرم اور تر و تازہ جھونکے فضا کو روح پرور بنا رہے تھے، سڑک پر پہنچ کر ہم گھوڑوں پر سوار ہوئے اور دار جلنگ کی سمت روانہ ہو گئے -

"اب تو بات کرنے کی اجازت ہے؟" میں نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ "میں نے تم کو بڑی زحمت دی ہے — میں اس محبت کا مستحق نہ تھا — ہو سکے تو معاف کر دینا۔"
"تم کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "گزرے ہوئے لمحات کی یادیں میرے ذہن میں ہمیشہ تازہ رہیں گی۔"
"پھر تم اتنی چپ چپ سی کیوں ہو؟"
"نہ پوچھو تو اچھا ہے مائیک۔"
"کیسے نہ پوچھوں...... تم نے مجھ پر جو اعتماد کیا ہے، اس کے بعد میرا حق ہے اور میں خود بھی.... تمہیں سب کچھ بتا دینا چاہتا ہوں، اپنے بارے میں۔ اپنے ماضی کے بارے میں۔"
"رہنے دو مائیک، میں کچھ نہیں جاننا چاہتی۔ میرے لئے بس یہی کافی ہے کہ تم کو جانتی ہوں —" وہ بمشکل اپنی آواز پر قابو رکھ رہی تھی۔
"میں سمجھ گیا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم ان گزرے ہوئے لمحات کو ذہن سے مٹا دینا چاہتی ہو۔"
"ہاں۔ لیکن تم جانتے ہو کہ یہ ناممکن ہے۔"
"میرے لئے بھی۔ میں نے زندگی میں صرف دکھ دیکھے ہیں، تلخیوں کا مزہ چکھا ہے، تنہائیوں کا درد محسوس کیا ہے۔ کبھی محبت کی شیرینی نہیں چکھی تھی، کبھی پیار کے دو بول نہیں سنے تھے۔ لیکن ایمی! تم نے مجھے نئی زندگی اور نئے احساس سے روشناس کیا ہے۔ میرے لئے یہ انمول ہے۔" میں نے جذبات سے لرزتی آواز میں کہا۔ "اور تم بھی اس حقیقت کو جانتی ہو کہ زندگی میں ان لمحات کے نقش ذہن پر ہمیشہ تازہ رہیں گے۔"
وہ ایک لمحے مجھے گھورتی رہی، پھر مسکرا دی۔ "جب تم یہ جانتے ہو مائیک تو پھر اقرار کیوں کرانا چاہتے ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "بے شک یادوں کے یہ حسین دریچے ذہن میں ہمیشہ کھلے رہیں گے لیکن میں چاہتی ہوں کہ ان پر پردہ ڈال دوں۔ ہمیں آج کے بعد اپنی اپنی راہوں پر چلے جانا ہے۔ ایسے سفر پر جس میں شاید ہم پھر کبھی نہ مل سکیں۔"
"کیا بکواس ہے۔" میں نے غصے میں کہا۔ "مانا کہ اس وقت میں ایک مشکل میں گرفتار ہوں۔ مجھے کسی بھی وقت، عجلت میں یہ جگہ چھوڑنا پڑ سکتی ہے، لیکن اس سے پہلے میں تم کو سب کچھ بتا دینا چاہتا ہوں، سب کچھ۔ اس کے بعد فیصلہ تمہارے اختیار میں ہوگا۔ اگر میری داستان سننے کے بعد تم یہ کہو گی کہ چلے جاؤ تو کوئی بات نہیں۔ لیکن اگر تمہیں مستقبل میں ذرا بھی یہ امید نظر آئے کہ ہم دوبارہ ہمیشہ کے لئے مل سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے جب حالات ٹھیک ہو جائیں تو پھر میں اس امید پر سب کچھ برداشت کر لوں گا۔"
"نہیں مائیک۔ مجھے کچھ نہ بتاؤ۔" اس نے التجا کی۔ "پلیز! کچھ نہ بتاؤ۔"
"کم از کم مجھے ایک موقع تو دو۔" میں نے کہا۔ "تمہیں تو یہ بھی اندازہ نہیں کہ بات کیا ہے۔"
"میں کچھ نہیں جاننا چاہتی۔"
"لیکن یہ تو بڑی زیادتی ہے ایمی۔"
"نہیں مائیک، اگر ہمارے لئے کوئی مستقبل ہوتا تو بھی میں اس بات کی پروا نہ کرتی کہ تم کون اور کیسے ہو۔ لیکن اگر میں نے تمہاری بات سننے کے بعد تم سے چلے جانے کو کہا تو تم یہ سمجھو گے کہ میں نے یہ فیصلہ تمہارے حالات کی وجہ سے کیا ہے۔ کیا اب بھی تم بات نہیں سمجھ سکے؟" اس نے ہاتھ بڑھا کر میرے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ "مائیک یقین کرو، ہمارے لئے کوئی مستقبل نہیں ہے۔ ہم دونوں کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ اور اس مجبوری کو کوئی دور نہیں کر سکتا۔ خدا کے لئے رخصت ہوتے ہوئے اس بے پایاں مسرت کے احساس کو ختم نہ کرو جو تم نے مجھے دیا ہے۔"
"اوہ، تو کوئی ایسی مجبوری ہے؟"
"ہاں، اگر تم بضد ہو تو بس یوں سمجھ لو کہ میں ایک آوارہ عورت تھی جو تمہاری زندگی میں آئی اور چلی گئی — دوبارہ مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ ممکن ہے جب تم دوبارہ آؤ تو مجھے اور کسی مرد کے ساتھ ..."
بے ساختہ میرا ہاتھ اٹھا اور اس کے رخسار پر ایک بھرپور تھپڑ پڑا۔ اس نے بچنے کی کوشش نہیں کی۔ میرا گھوڑا بدک کر دور ہٹا — اور وہ اپنے گھوڑے کی زین پر جھک گئی۔ اس کے رخسار پر میری انگلیوں کے نشان ابھر آئے تھے۔ اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا تو آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔
"ٹھیک ہے مائیک۔" اس نے گلوگیر آواز میں کہا — "شاید میں اسی کی مستحق تھی۔ لیکن اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑا۔ میں تم کو جو بات نہیں بتانا چاہ رہی تھی، وہ اب سن لو۔ میں شادی شدہ ہوں۔"
اس نے ایڑ لگائی اور گھوڑے کو تیزی سے آگے بڑھا لے گئی، میرا گھوڑا بھی بھڑک کر اس کے پیچھے بھاگا، لگام میرے ہاتھ سے نکل چکی تھی، میں نے مضبوطی کے ساتھ زین کا اگلا حصہ پکڑ لیا اور اگلے دو موڑ تک کسی طرح خود کو سنبھالے رہا لیکن تیسرے موڑ پر توازن قائم نہ رکھ سکا اور

اناج کے بورے کی طرح مجھے گرا کر گھوڑا بھاگتا ہوا آگے نکل گیا' میری گردن تو ٹوٹنے سے بچ گئی لیکن ایک لمحے کو میں چکرا کر رہ گیا' اور جب کراہتا ہوا اٹھنے کے قابل ہوا تو اپنی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ میں نے سوچا کہ جب خالی گھوڑا اپنی کے پاس پہنچے گا تو وہ سمجھ جائے گی کہ میں مصیبت میں ہوں۔ پھر شاید وہ واپس آجائے گی۔ میں لنگڑاتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور تب میں نے کچھ فاصلے پر گھوڑے کو دیکھا' وہ سڑک کے کنارے کھڑا اطمینان کے ساتھ گھاس چر رہا تھا۔ میں نے اسے پکڑنا چاہا تو وہ اچھل کر آگے بڑھ گیا۔ ہر بار یہی ہوا' جب بھی میں قریب پہنچتا وہ کچھ اور دور بھاگ جاتا اور چرنے لگتا۔ یہاں تک کہ میں تھک کر گر گیا۔

میں جب تھکان سے چور اور پسینے میں بھیگا ہوا شہر کی سمت بڑھ رہا تھا تو غصے سے میرا برا حال تھا۔ پہلے اپنی اور پھر اس بدمعاش گھوڑے نے مجھے اس طرح تنہا اور بے سہارا چھوڑ دیا تھا جیسے کسی بچے کو سزا دی جاتی ہے۔ غصے میں بار بار میں اپنی کو کوس رہا تھا۔ بے وفا' خود غرض' مکار' جانے کیا کچھ نہیں میں نے اس کو کہہ ڈالا۔ میں بھی کیسا احمق تھا۔۔۔ خواہ مخواہ ایک اجنبی عورت سے محبت کی بھیک مانگ رہا تھا۔ ایسی عورت سے جو مجھ جیسے جانے کتنے افراد کو اسی طرح بے وقوف بنا چکی ہوگی' شادی شدہ۔ اونہہ! میں نے نفرت سے تھوک کر کہا۔

میں دو گھنٹے مسلسل پیدل چلنے کے بعد شہر پہنچا' میں ابھی اسپتال کے موڑ پر ہی تھا کہ ایک کنکر زور سے آکر میرے شانے پر لگا' میں اسے کسی شریر بچے کی حرکت سمجھ کر غصے میں پلٹا تو نوپاہ باڑھ کے پیچھے کھڑا مجھے اشارہ کر رہا تھا۔ اس نے مجھے فوراً اپنی سمت آنے کا اشارہ کیا اور جب میں نے اس سے کہا کہ جہنم میں جاؤ تو وہ خود باڑھ پھلانگ کر میرے پاس آگیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر پریشانی کے عالم میں کھینچا۔

"احمق آدمی۔" اس نے غضبناک لہجے میں سرگوشی کی۔ "کہاں جا رہے ہو؟ پولیس سارے شہر میں تم کو تلاش کر رہی ہے۔"

میں اتنا تھک چکا تھا کہ میں نے اس کی بات کی پروا نہیں کی' اس وقت تو صرف غسل کر کے آرام کرنے کی خواہش دل میں مچل رہی تھی اور پھر مجھے اس کی بات کا یقین بھی نہیں آیا تھا۔

"جہنم میں جاؤ تم اور پولیس۔ میں ہوٹل جا رہا ہوں۔" میں نے غصے میں کہا۔

اس نے ایک اخبار کھول کر میرے سامنے کر دیا۔ اسے دیکھتے ہی میرے حواس ٹھیک ہو گئے۔ میں اس کے ساتھ تقریباً بھاگتا ہوا باڑھ کی آڑ میں چلا گیا۔

اخبار کے صفحۂ اول پر ہم دونوں کی ایک تین کالمی تصویر شائع ہوئی تھی' صاف اور واضح۔ شاید اس دن ان کے پاس خبروں کی کمی تھی کیونکہ خبر بھی بڑی تفصیل کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ مجھے سرخی میں ہیرو قرار دیا گیا تھا۔ جس نے جان کو خطرے میں ڈال کر چلتی ہوئی ٹرین کے نیچے سے ایک معصوم بچے کی جان بچائی تھی' مجھے ایک سیلر بتایا گیا تھا جو چھٹیوں میں تفریح کے لئے دارجلنگ جا رہا تھا۔ میری تعریف میں مزید اضافہ یہ لکھ کر کیا گیا تھا کہ میں نے خودستائی سے بچنے کے لئے اپنا نام شائع کرانے سے منع کر دیا تھا لیکن نرس اپنی کے حوالے سے یہ بتایا گیا تھا کہ میرا نام مائیکل رینالڈ تھا اور میں کسی بحری جہاز پر ملاح تھا۔

"کہو مزہ آیا پڑھ کر؟" نوپاہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ میں چپ رہا تو اس نے پھر کہا۔ "کل رات میں جب واپس آیا تو ہر ایک کی زبان پر تمہارا چرچا تھا' ہوٹل والے نے بتایا کہ تم میم صاحب کے ساتھ چلے گئے ہو اور جب میں اس کی تلاش میں اسپتال گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تمہارے ساتھ کہیں گئی ہے' نوکروں نے صرف اتنا بتایا کہ پہاڑی کی سیر کے لئے گئے ہیں۔ کیا تم تفریح کے لئے ایک دن اور انتظار نہیں کر سکتے تھے؟"

"تم کو جو کہنا تھا کہہ چکے؟" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اب اس کو بار بار دُہرانے کی ضرورت نہیں' یہ بتاؤ کہ اب کرنا کیا ہے؟"

"جتنی جلدی ممکن ہو شہر چھوڑ دینا ہے" اس نے پیچھے رکھا کپڑوں کا بنڈل ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"تم جو کچھ پولیس کے بارے میں کہہ رہے تھے کیا وہ سچ ہے؟ یا صرف مجھے خوف زدہ کرنا مقصود تھا؟"

نوپاہ نے بنڈل کھول کر کھدر کا ایک کرتا پاجامہ اور ایک عدد صافہ اور پہاڑی چپل نکالے۔ یہ سب میلے تھے۔

"ان کو پہن لو۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا' پولیس تمہاری تلاش میں ہے' مقامی ایس پی اور بمبئی سی آئی ڈی کا ایک چالاک انسپکٹر نریش صبح سے نرس کے انتظار میں یہاں موجود تھے' وہ آدھ گھنٹا پہلے گھوڑے پر یہاں پہنچی ہے اور اب وہ اس سے سب کچھ اگلوا رہے ہوں گے۔ تم نے اس کو کس حد تک بتایا ہے؟"

"میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔" میں غصے میں اس پر برس پڑا۔ "یقین نہیں آتا تو نہ کرو۔ لیکن میں سچ کہہ رہا ہوں۔" میں نے جیب سے نوٹوں کا بنڈل نکال کر اس کی سمت بڑھا دیا۔

"اس کو رکھ لو ورنہ یہ پولیس فنڈ میں چلا جائے گا۔"

اس کا غصہ رفو چکر ہو گیا اور وہ دوستانہ انداز میں مسکرایا۔
"تمہیں یقیناً پولیس کا تجربہ ہے.... ہے نا؟ میرا خیال ہے تم خاصے تجربے کار ہو۔ مسٹر اوریلی، رقم تم اپنے ہی پاس رکھو۔ کیونکہ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ممکن ہے تم سے پہلے میں پکڑا جاؤں۔"
"تم کیوں پکڑے جاؤ گے؟ ان کو تو میری تلاش ہے۔"
"انہیں معلوم ہے کہ ہم دونوں ساتھ تھے لیکن تم فکر نہ کرو۔ اگر انہوں نے مجھے پکڑ لیا تو بہت ماریں گے۔ نریش بہت چالاک انسپکٹر ہے، وہ اقبالِ جرم کرانے کے سارے طریقے جانتا ہے۔"

میں نے اپنے کپڑے اتار کر وہ میلے کپڑے پہن لئے۔ ہم گھنی جھاڑیوں کے درمیان بیٹھے تھے پھر بھی میں نے بڑی احتیاط سے کام لیا۔ میں نے نہ غسل کیا تھا، نہ شیو۔ اور گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے سارا جسم بھی گرد آلود ہو رہا تھا اس لئے میں کرتے پاجامے میں کوئی مقامی آدمی لگ رہا تھا۔
"کپڑے تو بالکل فٹ آئے ہیں۔" اس نے کہا "اب ایک نظر میں تمہیں کوئی شناخت نہیں کر سکے گا۔"
اس نے مجھے وہیں بیٹھنے کی ہدایت کی اور جھاڑیوں کی اوٹ سے باہر جھانکا۔ دوپہر کا وقت تھا اور ہر سمت سناٹا ہو رہا تھا۔ اس وقت بازار بند ہو جاتا تھا اس لئے سڑک پر اکا دکا قلیوں کے علاوہ کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ نوپاہ زیرِ لب بڑبڑایا۔
"اس وقت ہمیں بھیڑ بھاڑ کی ضرورت تھی۔" اس نے کہا۔ "لیکن وقت نہیں ہے، آؤ یہاں سے فوراً نکل چلیں۔"
ہم نے اپنے اتارے ہوئے کپڑے ایک پتھر کے نیچے چھپا دیے اور باہر نکل کر سڑک پر آ گئے۔ "ایک ساتھ چلنا ٹھیک نہیں ہے۔" نوپاہ نے کہا۔ "تم آگے چلو، میں کچھ فاصلے سے پیچھے رہوں گا۔ اور ہاں، سر جھکا کر غریب آدمیوں کی طرح چلنا۔ ہاں، اسطرح ٹھیک ہے۔" وہ مجھے بچوں کی طرح سکھا رہا تھا۔ "ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

ہم نے ابھی تھوڑا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ پہاڑی سے نیچے آنے والی ایک کار بڑی تیز رفتاری سے ہمارے پاس سے گزری۔ دارجلنگ میں یوں بھی گنتی کی چند کاریں تھیں اور اس کی چھت پر لگی نیلی روشنی سے یہ شناخت کرنا مشکل نہیں تھا کہ یہ پولیس کار ہے۔ کار ہم سے چند گز آگے جا کر اچانک رک گئی اور مجھے ایسا لگا، جیسے دل کی دھڑکن رک گئی ہو۔ لیکن خوش قسمتی سے میرے قدم رکے نہیں اور وہ بھی نوپاہ کی وجہ سے جو پیچھے سے مسلسل کہہ رہا تھا۔
"رکنا نہیں، سر جھکائے چلتے رہو — آگے بڑھتے رہو۔

کتارے

حیاتیات کے ایک استاد نے اپنی جماعت کے امتحان میں سوال پوچھا " دو یا دو سے زیادہ اجسام باہمی مفاد کے لئے اکٹھے رہیں تو اسے کیا کہیں گے؟" آدھی سے زیادہ جماعت نے ایک ہی جواب لکھا۔ "شادی۔"

☆☆☆☆

" تمہاری پیدائش سے پہلے تمہاری امّی کو کیا کہا جاتا تھا؟"
" میری پیدائش سے پہلے میری کوئی امّی نہیں تھی۔"

اب نمستے کرو — دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر ہندوؤں کی طرح سلام کرو۔ نگاہیں نیچی رکھو.... شاباش مسٹر اوریلی، شاباش، بس اسی طرح چلتے رہنا۔"
سامنے بنی ہوئی چنگی کی چوکی سے دو باوردی پولیس والے بھاگتے ہوئے کار کی طرف آئے، دونوں پستہ قد گورکھے تھے۔ کار کے پاس رک کر انہوں نے سیلوٹ کیا۔ میں جب کار کے پاس سے گزرا تو کن انکھیوں سے اندر بیٹھے دو افراد کو دیکھا۔ ایک پی کیپ پہنے ہوئے تھا اور دوسرا یوروپین طرز کے سوٹ میں ملبوس تھا لیکن دونوں ہندوستانی تھے۔ میں نمستے کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ یونیفارم میں ملبوس شخص دونوں سپاہیوں کو تحکمانہ لہجے میں ہدایات دے رہا تھا۔ سوٹ والا چھریرے بدن کا آدمی تھا جس کی عقاب کی طرح تیز نگاہیں اردگرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ انہوں نے ہماری سمت نگاہیں اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ ہم ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ کار ایک بار پھر ہمارے پاس سے گزرتی ہوئی آگے نکل گئی، نوپاہ نے آہستہ سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "ایک خالی گھوڑا کچھ دیر پہلے واپس آیا، اس کا سوار غائب تھا، ان کا خیال ہے کہ شاید تم کسی کھڈ میں گر کر مر گئے۔ تمہاری تلاش میں پولیس پارٹی جا چکی ہے۔ لگتا ہے کچھ عرصے کے لئے بلا ٹل گئی۔"
"تم کو مزہ آ رہا ہے اور یہاں جان پر بنی ہوئی ہے۔" میں نے شکوہ کیا۔ "تم نے مجھے آگے کر ہی دیا ہے تو یہ بھی بتا دو کہ جانا کدھر ہے؟"
"سیدھے چلتے رہو۔" اس نے کہا۔ "بازار سے گزر کر

ہم بڑی سڑک پر پہنچ جائیں گے۔ اسی پر چلتے رہنا۔"
"لیکن کتنی دور؟"
"میرا خیال ہے کہ دس بارہ میل چلنا ہوگا۔"
"ان چپلوں کو پہن کر؟" میں نے غصے سے کہا۔ "میرے پیر زخمی ہوجائیں گے۔ تم مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟"
"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" اس نے بے رخی سے جواب دیا۔ "ریلوے اسٹیشن، بس اور سواری کا ہر راستہ ہمارے لئے خطرناک ہے، پولیس ہر جگہ نگرانی کر رہی ہوگی۔ نیچے پہاڑوں ہی میں ہمارے لئے پناہ ہے۔ ممکن ہوا تو راستے میں کہیں بس میں سوار ہوجائیں گے۔"
میں مجبوری کے عالم میں چلتا رہا۔ راستے میں ہم اس ہوٹل کے پاس سے گزرے جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک باوردی سپاہی سڑک کے پار کھڑا ہوا تھا اور دوسرا سپاہی کچھ دور آگے۔ دونوں پوری طرح چوکس تھے۔ انہوں نے ہمیں ایک نظر دیکھا۔ مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے لیکن جلد ہی اندازہ ہوگیا وہ ہمیں نہیں، ہمارے پیچھے آنے والے اس یوروپین سیاح کو دیکھ کر چونکے تھے جو گلے میں کیمرہ لٹکائے چلا آرہا تھا۔ اس سے مجھے یقین ہوگیا کہ یوروپین لباس کے ہر غیر ملکی کو وہ شک کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ شکر ہے نوپاہ نے مجھے یہ میلے، ہندوستانی کپڑے پہنادیے تھے۔
"ابھی خطرہ ٹلا نہیں۔" نوپاہ نے عقب سے سرگوشی کی۔
اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ چوراہے سے آگے بڑھتے ہی ہمیں روڈ بلاک نظر آیا۔ انہوں نے شہر سے باہر جانے والی سڑک کو رکاوٹیں کھڑی کرکے بند کردیا تھا اور دو رکی ہوئی کاروں اور ایک بس کے مسافروں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ تمام مسافروں کو انہوں نے اتار کر ایک قطار میں کھڑا کر رکھا تھا۔ پیدل آنے والوں کو بھی وہ انکے پیچھے کھڑا کرتے جارہے تھے۔ خوش قسمتی سے ہم تھوڑے فاصلے ہی پر تھے کہ ہمیں یہ منظر نظر آگیا۔ وہاں اور بھی لوگ جمع ہوتے جارہے تھے۔ ہم بھی ان کے درمیان جاکر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور تماشا دیکھنے لگے۔ نوپاہ نے سرگوشی میں کہا۔ "میں نے تم سے کیا کہا تھا؟" مجھے اس کی بکواس پر غصہ آنے لگا لیکن مجبوراً خاموش رہا۔ ہم کافی دیر تک بیٹھے رہے۔ جن لوگوں سے پوچھ گچھ ہوچکی تھی ان کو پولیس نے رکاوٹ کے باہر جانے دیا لیکن آنے والوں کا ہجوم بڑھتا جارہا تھا۔ اسی وقت ایک کار وہاں آکر رکی اور دو پولیس آفیسر اس میں سے اتر کر موقع پر موجود افسران سے گفتگو کرنے لگے۔ اس دوران سارا کام رک گیا اور ہجوم میں بھی مزید اضافہ ہوگیا۔
چکر دار پہاڑی سڑک اس مقام سے تقریباً سو گز تک سیدھی چلی گئی تھی۔ اس کے بعد ایک خطرناک موڑ تھا جہاں سے سڑک گھوم کر پھر اسی سمت واپس آگئی تھی اور جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے اس کے عین نیچے سے گزر کر نشیب میں چلی گئی تھی۔ سانپ کی طرح بل کھاتی یہ سڑک اسی طرح پہاڑی کے نیچے میدانی علاقے تک جاتی تھی۔ جن لوگوں کو جانے کی اجازت مل گئی تھی وہ اب گھوم کر ہمارے پیچھے والی سڑک پر پہنچ چکے تھے۔ مجھے اب یہ امید نہ رہی تھی کہ ہم لوگ یہاں سے آگے بڑھ سکیں گے۔ میں نے پریشانی کے عالم میں نوپاہ کی طرف دیکھا۔
"کیا ہم کسی اور راستے سے باہر نہیں نکل سکتے؟"
"بیکار ہے۔" اس نے کہا۔ "ہر راستے پر پولیس نے اسی طرح رکاوٹ کھڑی کردی ہوگی۔"
"اور رات کو۔"
"اس وقت اور بھی زیادہ سخت چیکنگ ہوگی اور اگر بھاگنے کی کوشش کی تو وہ گولی ماردیں گے۔"
برابر بیٹھے ہوئے چند لوگوں کے ذہن میں بھی شاید میری طرح کھسکنے کا خیال آرہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ڈھلوان کی سمت بڑھنے لگے اور پھر پھسل کر نشیب میں جانے والی سڑک کی سمت بھاگ نکلے۔ پولیس اب تک ہماری طرف پشت کئے کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے نوپاہ کی طرف دیکھا تو اس نے بھی گردن ہلاکر ہامی بھری لیکن اس وقت تک دیر ہوچکی تھی۔ شہر کی طرف سے ایک پرانی ویگن کھڑکھڑاتی ہوئی آکر رکی اور پولیس والے اس کی سمت مڑکر دیکھنے لگے۔
میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ رکاوٹ کے پار کھڑی ویگن میں بیٹھا ہوا باریش سکھ ڈرائیور سامنے تھا لیکن اس کی دونوں سواریاں مجھے صاف نظر نہیں آرہی تھیں۔ دونوں پولیس افسر ویگن کے پاس پہنچ گئے، ایک نے اپنی کیپ اتار کر سلام کیا۔
"یہ وہی انسپکٹر نریش ہے جس کی چالاکی کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔ کمبخت بلا کی تیز نظر رکھتا ہے اور...."
لیکن میں اس کی بات نہیں سن رہا تھا کیونکہ اسی وقت ویگن کی کھڑکی کا شیشہ ہٹا اور ایک گردن باہر نکلی۔ میں دم بخود اینی کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔
وہ دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ فاصلے کے باوجود میں نے دیکھا کہ اینی کا چہرہ غصے سے سرخ ہورہا تھا۔ وہ انسپکٹر نریش سے احتجاج کررہی تھی لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے دروازہ کھولا اور اینی کو نیچے اترنے کا اشارہ کیا، وہ غصے میں بھری ہوئی باہر نکلی اور انسپکٹر نے دو سپاہیوں کو اشارہ کیا جنہوں نے جلدی سے آگے بڑھ کر ویگن کا عقبی دروازہ کھولا۔ اندر مختلف

سامان بھرا ہوا تھا۔ چائے کی پتی، پہاڑی قالینوں کے بنڈل اور کئی ایک سوٹ کیس اور ہولڈال۔ سپاہیوں نے سارا سامان باہر نکال کر اچھی طرح تلاشی لی اور مایوسی سے سرہلایا۔ نوپاہ نے مجھے کہنی ماری اور گردن سے اشارہ کیا۔ موقع اچھا تھا، سارے پولیس والے ویگن کی طرف متوجہ تھے۔ ہم آہستہ آہستہ کھسکتے ہوئے ڈھلوان کے کنارے پر پہنچ گئے۔ وہاں سے نیچے سڑک تک کوئی دو سو فٹ کی ڈھلوان تھی لیکن اتنی سپاٹ نہیں تھی کہ اترنے میں دشواری ہو۔ ہم دونوں تیزی سے پھسلتے ہوئے نیچے اترنے لگے۔ ہم نے بڑی احتیاط سے کام لیا تھا اور بظاہر اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے تھے۔

ہم نکل بھی جاتے، سڑک صرف ذرا سی دور رہ گئی تھی کہ اوپر سے کوئی چلّایا، شاید کسی نے عین وقت پر ہمیں نیچے پھسلتے دیکھ لیا تھا۔ ہم نے بقیہ فاصلہ ایک جست میں طے کیا۔ نوپاہ نے چلّا کر کہا "سڑک پر رکنے کی ضرورت نہیں، وہ کار کے ذریعے ذرا دیر میں ہمیں پکڑ لیں گے، اگلی ڈھلوان کی سمت بھاگو اور رکنا ہرگز نہیں۔"

ہم نے یہی کیا، ایک لحہ کو رکے بغیر کودتے، پھلانگتے اور بھاگتے ہوئے ایک چٹان سے دوسری پر اور ایک ڈھلوان سے دوسری پر اترتے رہے۔ بل کھاتی سڑک کو ہم نے اس دوران کتنی مرتبہ پار کیا، مجھے کچھ یاد نہیں۔ ہم اس خرگوش کی طرح بھاگتے ہوئے نیچے اتر رہے تھے جس کے پیچھے شکاری کُتے لگے ہوئے ہوں۔ روڈ بلاک سے نیچے وادی تک کی ڈھلوان کا فاصلہ کم از کم ڈھائی میل رہا ہوگا اور سڑک کم از کم بارہ مرتبہ چکر کھاتی ہوئی اس سیدھائی سے گزرتی تھی۔ بظاہر ہمارے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ ان پہاڑی علاقوں میں بیشتر پولیس والے گورکھا تھے جو پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگنے کی مہارت رکھتے تھے جبکہ ہم کو کوئی تجربہ نہ تھا۔ انہوں نے ہم کو نصف راستہ طے کرنے سے پہلے ہی پکڑ لیا ہوتا کیونکہ ان کی چیخ وپکار کی آواز دم بہ دم قریب آتی جارہی تھی۔ پیچھے مڑکر دیکھنے کا موقع بھی نہ تھا اور تعاقب میں آنے والے سرپہ پہنچ چکے تھے کہ وہ معجزہ رونما ہوا۔ پولیس والوں میں سے کسی کی ٹھوکر سے ایک پتھر اکھڑ کر نیچے گرا جو کسی بڑے پتھر سے ٹکرایا ہوگا اور اس کی ٹکر سے کوئی بڑی چٹان اکھڑ گئی ہوگی۔ دوسرے ہی لمحے بڑی بڑی چٹانوں اور پتھروں کے تودے تیز رفتاری سے ہماری سمت لپکے۔ یوں لگتا تھا کہ پوری پہاڑی ہم پر گرنے والی ہے موت سامنے نظر آرہی تھی۔ ہم کود کر سڑک پر پہنچے، سڑک کے کنارے پانی کا ایک خشک گہرا نالہ تھا، ہم نے اس کے اندر چھلانگ لگادی اور منہ کے بل لیٹ گئے، ہم بری طرح ہانپ رہے تھے۔ اکھڑے ہوئے پتھروں کے ساتھ مٹی اور کنکروں کے طوفان میں آنکھیں بیکار ہوگئی تھیں۔ ہمارے اوپر سے ٹنوں وزنی پتھروں اور چٹانوں کے تودے لڑھکتے ہوئے گزرنے لگے۔ زمین اس طرح ہل رہی تھی جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ ... دھماکوں اور شور سے فضا کانپ رہی تھی۔ پتھروں کا ملبہ ہمارے اوپر سے گزتا ... چلا جارہا تھا۔ ایک لمحے کو میں سمجھا کہ نوپاہ ان کی زد میں آکر ختم ہوگیا لیکن جیسے ہی پتھروں کا ریلا رُکا، میں نے اپنے سامنے سے اسے اٹھتے دیکھا۔ ہر سمت تاریکی تھی۔ ہم نالے میں بھاری پتھروں کے ملبے کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ دہشت زدہ ہوکر میں نے اپنے اوپر کے پتھر کو ہٹانے کی کوشش کی لیکن چٹانوں کے درمیان خلا سے آنے والی روشنی سے مجھے اندازہ ہوا کہ ہم زیادہ نیچے نہیں دبے ہوئے تھے۔ اسی لمحے پولیس والوں کی چیخ پکار پھر سنائی دی اور پھر وہ ہمارے بالکل پاس آکر باتیں کرنے لگے۔ وہ خود بھی خوف سے بدحواس لگ رہے تھے پھر وہ ڈھلوان کی سمت بڑھ گئے۔ ان کی آوازیں بتدریج دور ہوتی چلی گئیں۔ نوپاہ نے زیرِلب ان کو کوسنا شروع کردیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ ہمیں تلاش کرتے ہوئے نیچے وادی تک جائیں گے، اس لئے ان کی واپسی میں کچھ وقت لگے گا اور اس وقت تک تاریکی پھیل جائے گی۔ لگتا تھا کہ پولیس کے جال سے بچ کر نکلنے کا یہ موقع قدرت نے ہم کو فراہم کردیا تھا۔ میں نے اس بات کا اظہار نوپاہ سے کیا اور اس کو پھر منع کیا کہ وہ زیادہ حرکت نہ کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نالے کے اوپر موجود چٹانوں کا ڈھیر ہم پر آگرے۔

"ہمیں ابھی اس وادی سے باہر بھی نکلنا ہے" اس نے فکرمند لہجے میں کہا "لیکن اس وقت تو ہم چوہوں کی طرح اس نالے میں بند ہیں"

دور نشیب میں وہ پکار کر ایک دوسرے سے ہمارے بارے میں پوچھ رہے تھے لیکن جب کوئی سراغ نہ ملا تو پھر واپس آنے لگے۔ ان کی آوازیں قریب آتی جارہی تھیں۔ میں نے ہمت کرکے اوپر سے ایک پتھر کو سرکلیا اور جھانک کر باہر دیکھا۔ وہ ایک قطار میں چل رہے تھے اور راستے کی ہر گھنی جھاڑی میں اس طرح تلاش کررہے تھے جیسے ہم کوئی شکاری جانور ہوں جو اُن میں چھپے بیٹھے ہوں۔ راستے میں گرے ہوئے پتھروں اور چٹانوں کے ہر ڈھیر کو وہ جھانک کر دیکھتے ہوئے آرہے تھے۔ شاید ان کو خدشہ تھا کہ ہم ان کے نیچے نہ دب گئے ہوں۔ میرا دل بیٹھنے لگا۔ اگر انہوں نے اسی طرح تلاش جاری رکھی تو ہمارا پکڑا جانا یقینی تھا۔ ہم پتھروں کے اس ڈھیر کے نیچے واقعی چوہوں کی طرح پھنس گئے تھے۔ فرار کی کوئی راہ نہ

تھی اور وہ اس کے نیچے بھی یقیناً ہمیں تلاش کریں گے لیکن ابھی وہ ہم سے بمشکل سو فٹ کے فاصلے پر ہوں گے کہ کسی چیز نے ان کو متوجہ کرلیا۔ سیٹی بجنے کی آواز آئی اور وہ سب ایک پتھروں کے ڈھیر کے پاس جمع ہوگئے اور سب مل کر اس ڈھیر کے پتھروں کو ہٹانے لگے۔ یہ اتنا بڑا انبار تھا کہ وہ بڑی مشکل سے چند بڑے پتھروں کو دھکیل کر ہٹانے میں کامیاب ہوسکے پھر شاید ان کو یقین ہوگیا کہ ہم اس کے اندر نہیں ہیں اور ایک بار پھر وہ ایک قطار میں اس ڈھیر کی سمت بڑھنے لگے جس کے نیچے ہم دونوں پوشیدہ تھے۔ میرا دل زور زور سے اچھلنے لگا۔

کسی آنے والی کار کی آواز ہم کو سنائی دی۔ کار ہمارے اوپر والی سڑک پر تھی' اس لئے نظر نہیں آرہی تھی لیکن ذرا دیر بعد جب وہ موڑ سے گزر کر نیچے آنے لگی تو ہم کو نظر آگئی۔ سڑک پر پڑے ہوئے پتھروں کی وجہ سے ڈرائیور بڑی احتیاط کے ساتھ گاڑی چلا رہا تھا اور ہمارے پاس پہنچ کر اسے گاڑی کو روکنا پڑ گیا کیونکہ سڑک کے عین درمیان کئی بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے۔ باریش ڈرائیور گاڑی کو روک کر نیچے اترا اور بڑبڑاتا ہوا پتھروں کو ہٹانے لگا اور پیدل چلتا اگلے موڑ تک چلا گیا۔ نوپاہ پھرتی کے ساتھ اٹھا۔ اس نے اوپر کا پتھر سرکانے کی کوشش کی تو سارے پتھر لڑھکنے لگے۔ میں نے گھبرا کر سامنے والے پتھر کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اوپر لگا پتھروں کا پورا ڈھیر سرک کر سڑک پر جا گرا اور ہم بالکل بے نقاب ہو کر رہ گئے۔

اچانک اینی کی نظر ہم پر پڑی۔ وہ ویگن کی کھڑکی سے جھانک رہی تھی۔ ایک لمحے کو اس نے حیرت سے دیکھا اور پھر ہم کو اشارے سے ویگن کے پچھلے حصے کی سمت آنے کو کہا۔ میں سکتے کے عالم میں دیکھتا رہا لیکن نوپاہ نے سرگوشی میں کہا۔ "جلدی کرو احمق آدمی" وہ جلدی سے نالے سے باہر نکل کر ویگن کی سمت بھاگا۔ اینی نے نیچے اتر کر پچھلا دروازہ کھول دیا تھا۔ نوپاہ اور میں اچھل کر اندر داخل ہوئے۔ اینی نے جلدی جلدی سامان ہٹا کر ہمارے لئے جگہ بنائی۔ ہم ویگن کے فرش پر لیٹ گئے تو اینی نے ہولڈال اور سوٹ کیس ہمارے اوپر اس طرح رکھ دیے کہ سانس لینے کی جگہ رہے لیکن باہر سے ہم نظر نہ آسکیں۔ وہ پھرتی سے دروازہ بند کرکے اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔ اس کے چند منٹ بعد ہی ڈرائیور واپس آگیا اور ویگن روانہ ہوگئی۔ ہم کچھ دیکھ نہیں سکتے تھے لیکن جب ویگن ہموار سڑک پر بھاگنے لگی تو یہ اندازہ ہوگیا کہ ہم پہاڑی سے اتر کر میدانی علاقے میں پہنچ گئے تھے۔

میں شاید سو گیا تھا کیونکہ جب آنکھ کھلی تو ڈرائیور بڑے غصے میں کسی سے بحث کر رہا تھا۔ کسی نے ویگن کا پچھلا دروازہ کھول دیا تھا۔ اسی لمحے اینی کی آواز سنائی دی "تم چاہو تو ضرور تلاشی لو آفیسر! لیکن براہِ کرم جلدی کرو۔ سڑک پر تودے گرنے کی وجہ سے ہم کو پہلے ہی کافی دیر ہوچکی ہے اور مجھے سلگوری سے کلکتہ میل پکڑنی ہے۔ دارجلنگ سے روانگی کے وقت پولیس گاڑی کی تلاشی لے چکی ہے۔ پھر بھی تم چاہو تو دوبارہ لے لو۔"

بیک وقت کئی آدمیوں کے بات کرنے کی آواز سنائی دی اور پھر کسی نے انگریزی میں کہا "ٹھیک ہے' مس صاحب کو جانے دو۔ ویسے آپ نے راستے میں دو آدمیوں کو تو نہیں دیکھا.... ایک دراز قد اور دوسرا پستہ قد اور فربہ تھا؟"

"ہمیں دو چرواہوں کے علاوہ راستے میں کوئی نہیں ملا" اینی نے جواب دیا۔

ویگن کا دروازہ بند ہوا اور ہم پھر روانہ ہوگئے۔ میں نے اتنی دیر میں پہلی بار اطمینان کا سانس لیا۔ اب ہم میدانی علاقے سے گزر رہے تھے۔ سڑک سیدھی اور ہموار تھی اس لئے ویگن پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی۔ ہوا بتدریج گرم ہوتی جا رہی تھی اور اندر لیٹے لیٹے دم گھٹنے لگا تھا۔ نوپاہ بے خبر پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ لگتا تھا' کئی گھنٹوں سے سفر جاری ہو' اس لئے جب ہم رکے تو مجھے یقین نہ آسکا کہ منزل آگئی ہے لیکن باہر کے شور وغل اور لوگوں کے بات کرنے کی آوازوں سے اندازہ ہوگیا کہ ہم سلگوری پہنچ گئے ہیں اور پھر ذرا دیر بعد ہی انجن کی سیٹی اور شنٹنگ کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ اینی نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ اسٹیشن جا کر ریسٹ ہاؤس میں اس کے لئے کمرا بک کرائے اور پھر آکر اس کا سامان وہاں پہنچائے۔

"ہم سلگوری پہنچ گئے ہیں" اس نے کہا "رات کے بارہ بجنے والے ہیں لیکن ہر طرف پولیس نظر آرہی ہے۔ اسٹیشن کے یارڈ' بکنگ آفس اور پلیٹ فارم پر بھی وہ گھوم رہے ہیں۔"

میں نے گھٹی ہوئی مایوس آواز میں کہا "تم نے ہمارے لئے جو کچھ کیا' اس کا بہت بہت شکریہ۔"

"اس کی ضرورت نہیں اور نہ وقت ہے" اس نے [illegible] سے کہا "تم کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔ وہ بڑی سرگرمی سے تمہیں تلاش کر رہے ہیں بشرطیکہ تمہارا ہی نام اوریلی ہو۔ میں جب واپس پہنچی تو وہ میرے منتظر تھے۔ میں تم کو خبردار کرنے واپس نہیں آسکتی تھی۔"

"تم کو ضرورت بھی کیا تھی' میں تمہارا کچھ لگتا تو نہیں ہوں۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا لیکن اس نے نظرانداز کردیا۔

"ٹرین پر سوار ہونے کا خطرہ مول نہ لینا۔ تمہارے پاس ضرورت کے لئے رقم ہے؟"

"ہاں، بہت کافی" میں نے جواب دیا "لیکن تم یہ سب کچھ کیوں کر رہی ہو، میرے لئے اتنی پریشان کیوں ہو؟ تم اس وجہ سے خود مصیبت میں گرفتار ہو سکتی ہو۔"

نوپاہ نے غصے میں کہا "تم دیوانے تو نہیں ہو گئے ہو؟ کوئی تمہاری مدد کرے تو اس طرح سلوک کرتے ہیں؟ اب خاموش رہو اور خاتون جو کہہ رہی ہیں، اسے غور سے سنو۔"

"ہم اسٹیشن یارڈ کی دیوار کے برابر کھڑے ہیں" اینی نے کہا۔ "ہماری ویگن کے ایک طرف بس کھڑی ہے اور دوسری طرف چند کاریں ہیں۔ کیا تم پچھلے دروازے سے نکل کر باہر جا سکتے ہو؟"

"ہم کوشش کریں گے" میں نے کہا "لیکن بہتر ہے کہ پہلے تم چلی جاؤ تاکہ اگر کچھ گڑبڑ ہو جائے تو تم پر حرف نہ آسکے۔"

"بحث نہ کرو، جلدی کرو" اینی نے پریشان لہجے میں کہا۔ "ڈرائیور واپس آتا ہی ہوگا اور مجھے چھوڑ کر وہ ڈاک کے تھیلے پوسٹ آفس پہنچانے جائے گا۔ پھر تم کو موقع نہ مل سکے گا۔"

نوپاہ نے بلاتاخیر دروازہ کھولنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ میں بھی پھرتی کے ساتھ سامان کے انبار سے باہر نکلا لیکن ویگن کا پچھلا دروازہ صرف باہر سے کھلتا تھا۔ اندر کوئی ہینڈل نہ تھا۔ اینی فوراً کود کر نیچے اتری اور بھاگ کر دروازے کو باہر سے کھولا۔ تاریکی کے باوجود میں اس کے چہرے کی سفیدی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ میرے لئے واقعی بہت پریشان تھی۔

"اینی ...." میں نے کہنا چاہا۔

لیکن نوپاہ نے میرا بازو پکڑ کے گھسیٹا "جلدی سے بس کے نیچے گھس چلو" اس نے غصے میں سرگوشی کی "ڈرائیور واپس آرہا ہے۔"

ہم جھک کر پھرتی کے ساتھ بس کے نیچے گھس گئے۔ اینی نے جلدی سے چیزوں کو ہٹانا شروع کر دیا جیسے اپنا سامان تلاش کر رہی ہو۔ ڈرائیور نے تھکی ہوئی آواز میں کہا کہ اس کے لئے کمرے کا بندوبست ہو گیا ہے۔ "مس صاحب، اب تم خدا کے لئے ریسٹ ہاؤس چلو، مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔"

"میں اپنا سامان نکال رہی تھی" اینی نے کہا۔

"آپ فکر نہ کرو، سامان میں خود اتار دوں گا۔"

اینی جا کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی اور ویگن دوسرے ہی لمحے وہاں سے روانہ ہو گئی۔ ایک بار پھر مجھے کسمپرسی کا احساس ہوا جیسے میں دنیا میں تنہا رہ گیا ہوں۔ تین مرتبہ ہم ملے تھے اور ہر مرتبہ اچانک جدا ہو گئے تھے۔ وہ سارے الفاظ جو میں اس سے کہنا چاہتا تھا، ادا ہونے سے رہ گئے تھے۔ لیکن اب شاید ہم کبھی نہ مل سکیں۔ اسے میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ ایک مفرور ملزم سے ملنا شاید وہ کبھی پسند نہ کرے گی۔

نوپاہ پھر میرا بازو گھسیٹ رہا تھا۔

"ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے" وہ غرایا "یہ وقت عشق لڑانے کا نہیں، جان بچانے کا ہے۔ پیچھے کی طرف رینگتے ہوئے تاریکی کی سمت نکلو تاکہ جتنی جلد ممکن ہو سکے ہم اس منحوس قصبے سے دور نکل سکیں۔ تاریکی ہمارا سہارا ہے۔ خدایا!

اگر اب وہ سونا حاصل کرنے میں کامیابی ہوگئی تو ہم واقعی اس کے مستحق ہوں گے۔"

ہم تاریکی کا سہارا لیتے ہوئے سڑک پر پہنچے۔ ہمارا رخ آبادی کے بجائے ویران جنگلوں کی سمت تھا۔

☆....☆....☆

ہم کئی گھنٹوں تک مسلسل پیدل چلتے رہے۔ دونوں میں سے کسی نے بات کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں اپنی کے تصور میں اس طرح کھویا ہوا تھا کہ کسی سے بات کرنے کو دل نہ چاہ رہا تھا اور نوپاہ نے شاید میری کیفیت کا اندازہ کرلیا تھا، اس لئے خاموش رہا.... بالآخر اس سے برداشت نہ ہوسکا۔

"تم نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ ہم جا کہاں رہے ہیں؟" اس نے کہا۔

"سنو نوپاہ، گرفتاری اور جیل سے بچنے کے لئے میں جہنم میں بھی جانے کو تیار ہوں" میں نے کہا "مجھے اب اس کی پروا نہیں کہ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔"

وہ خاموش ہوگیا۔ شاید میرے جواب سے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچی تھی۔ اس بے چارے کا کیا قصور تھا۔ مجھے اپنی غلطی کا فوراً احساس ہوا۔

"چلو جانے دو" میں نے کہا "تم خود بتادو کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ میں اپنی ترش کلامی کی معافی چاہتا ہوں۔"

"فرید گھاٹ" اس نے خوش ہوکر کہا "بہت اچھی جگہ ہے۔ وہاں غاروں کے اندر تین ذاتوں کے مندر ہیں۔ برہمن، جین اور بدھ مت کے ماننے والوں کے۔ تینوں کے مندر برابر ہیں اور پہاڑ کی چٹانوں کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض تین ہزار سال پرانے ہیں.. ان میں چند ایسے مجسمے یا بت ہیں جن کو دیکھ کر لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ ایسی تاریخی جگہ ہے کہ مغرب کے لوگ دور دور سے اسے دیکھنے آتے ہیں۔"

"ہاں، میں نے ان کے بارے میں سنا ہے" میں نے کہا۔ "لیکن کیا تم مجھے تاریخی مقامات کی سیر کرانے لے جا رہے ہو؟ وقت کیوں برباد کرتے ہو نوپاہ؟"

اس نے آہستہ سے قہقہہ لگایا "چلو تمہارا موڈ تو اچھا ہوگیا۔ ہم وہاں سیر کرنے نہیں، لاما سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں۔"

"اس سے ملاقات کرنے سے کیا ہوگا؟"

"تم اس سے وہ نقشہ مانگو گے جو ہمارے لئے ضروری ہے۔"

"اور تمہارے خیال میں وہ مجھے دیدے گا" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "اتنی آسانی سے؟"

"میرا خیال ہے، اگر اسے یقین آگیا کہ تم راکجو کے پاس سے آئے ہو تو ضرور دیدے گا" اس کے لہجے میں پریشانی کی جھلک تھی "میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا۔ اب تم کو اس میں شبہ کیوں ہو رہا ہے؟"

"کیوں کہ میں تم سے صاف صاف بات کرنا چاہتا ہوں" میں نے جواب دیا "جب ہم ملے تھے اس وقت میں زخمی اور بیمار تھا۔ ذہن کام نہیں کررہا تھا اور اس وقت تم جو چاہتے تھے مجھے یقین دلاسکتے تھے لیکن اس دوران مجھے تمام باتوں پر سوچنے کا موقع ملا ہے اور سچ پوچھو نوپاہ، مجھے تمہاری یہ مہم دیوانے کا خواب نظر آتی ہے۔"

"سونا وہاں موجود ہے مسٹر اوریلی۔ تم نے اس کا نمونہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" اس نے یاد دلایا۔

"تم نے جو سونے کی اینٹ اس ٹاور سے نکالی تھی؟ ہاں! بینک میں نے وہ دیکھی تھی۔"

"تمہارے خیال میں... میں ایک مکار، دغاباز، چور اور جھوٹا آدمی ہوں...."

"میں نے تو نہیں کہا۔ تم خود کہہ رہے ہو۔"

"ہاں میں یہ سب کچھ ہوں، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوں۔" اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "اگر میں تم کو تفصیل بتادوں کہ خانقاہ سے فرار کے بعد میں کیا کرتا رہا ہوں تو شاید تم کو یقین نہ آئے۔"

"تم اگر اعترافِ جرم کرنا چاہتے ہو تو مجھے اس سے معاف رکھو۔" میں نے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں جو کچھ کہنے کی کوشش کررہا ہوں وہ بہت آسان اور بہت سادہ ہے۔ تم خود سوچو کہ مجھ جیسے آدمی نے اتنے طویل عرصے تک سونے کی اینٹ کو اس طرح کیوں محفوظ رکھا؟ میں نے یہ انتظار کیوں کیا کہ راکجو یا اس کا بھیجا ہوا آدمی آجائے تب اس کو نکالوں اور اتنی کم قیمت پر فروخت کرکے جو رقم وصول ہو اسے بھی اس کے سفری اخراجات پر خرچ کردوں؟ میں نے ایسا کیوں کیا مسٹر اوریلی؟ صرف اس لئے کہ مجھے معلوم تھا اگر میں انتظار کروں گا تو اس سے بہت.... بہت بڑا خزانہ ہاتھ آجائے گا۔ بشرطیکہ میں بھروسہ رکھوں۔ اعتماد سے کام لوں۔" وہ چلتے ہوئے... مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اور اضطراب کے عالم میں مجھے گھور رہا تھا۔ جیسے میرا ردِّعمل جاننا چاہتا ہو۔

"مجھے پتا نہیں" میں نے کہا "ممکن ہے اس لئے کہ تم کو یقین ہے، سونا وہاں موجود ہے۔ لیکن مجھے پھر بھی یہ سب کچھ دیوانگی کے علاوہ کچھ نہیں لگتا۔ کیونکہ تمہارے پاس کوئی

ٹھوس ثبوت موجود نہیں ہے۔"

"سونے کی وہ اینٹ جسے تم نے دیکھا تھا۔ کیا ثبوت کے لئے وہ کافی نہیں ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ مان لیا کہ سونا وہاں موجود تھا۔ راکجو کے بیان کے مطابق اسے مالابار کے ساحل پر کسی جگہ دفن کردیا گیا تھا۔ لیکن اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ اب تک کسی نے سونا وہاں سے نکال نہیں لیا ہوگا؟"

"ثبوت یہ ہے کہ راکجو کے علاوہ کسی کو یہ راز نہیں معلوم تھا۔ باقی وہ تمام لوگ جو اس راز کو جانتے تھے مرچکے... ...میں نے تم کو پہلے بھی بتایا تھا۔"

"مجھے یاد ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے کہا' میں اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرتا رہا ہوں' مجھے تو یہ بات خوبصورت کہانی لگتی ہے۔ اس نقشے کی بات ہی لے لو۔ اگر راکجو کو معلوم تھا کہ خزانہ کہاں ہے تو اسے نقشہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟"

تاریکی میں اس کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ "بڑا اچھا سوال ہے۔" اس نے کہا "ایک مرتبہ میں نے بھی راکجو سے یہی سوال کیا تھا' مجھے اس کا جواب اب تک یاد ہے لفظ بہ لفظ۔ اس نے کہا تھا "کیوں کہ میں انسان ہوں' سمندری بگلا نہیں' مجھے معلوم ہے سڈنی کہاں ہے' سان فرانسسکو کدھر ہے' پھر بھی وہاں تک پہنچنے کے لئے ایک چارٹ بنانا پڑتا ہے۔ ٹھیک ہے نا میرے احمق دوست؟ یہ جو ساحل مالابار ہے۔ یہ تین سو میل دور تک پھیلا ہوا ہے اور ہر جگہ یکساں لگتا ہے۔ دریا' کھاڑیاں' دلدل اور جنگل' چند میل کے دوران ہی ہم اصل جگہ بھول سکتے ہیں۔ تاوقتیکہ نشاندہی کے لئے کوئی چیز موجود ہو۔ اس کے جواب سے کچھ مطمئن ہوئے مسٹر اوریلی!"

بات سمجھ میں آتی تھی لیکن میں تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔

"چلو ٹھیک ہے' فی الحال اس بحث کو ختم کرو۔" میں نے کہا۔ "ہم کس جگہ جارہے ہیں' کیا نام بتایا تھا تم نے؟"

"فرید گھاٹ..."

"کتنی دور ہے؟"

"بیس سے تیس میل کے درمیان سمجھ لو۔ ممکن ہے کم وبیش ہو۔" اس نے اطمینان کے ساتھ کہا۔

"پھر تم مجھے اتنی دور دارجلنگ کیوں لے کر گئے تھے؟"

"میں لاما کو کیسے تلاش کرتا؟ مجھے یہی معلوم تھا کہ وہ دارجلنگ میں ہے اور کچھ عرصہ تک وہ وہیں پر تھا' لیکن یہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں۔"

"پھر تو تم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ اب تک فرید گھاٹ پر موجود ہوگا؟"

"میں نے تصدیق کرلی ہے کہ لاما وہاں موجود ہے۔ وہ بوڑھا اور بیمار آدمی ہے' زیادہ سفر نہیں کرسکتا' وہ اس مقدس خانقاہ میں آرام کرنے گیا ہے۔"

"یا پھر دیواروں پر بنے عریاں نقش ونگار سے لطف اندوز ہونے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

ایک لمحہ کو وہ ساکت ہوگیا' پھر ملامت بھرے لہجے میں بولا۔

"یہ سب کچھ ہندوؤں کے مندر میں ہے' ہماری خانقاہ میں نہیں۔"

"اور بدھوں کے یہاں کیا ہوتا ہے؟"

ہم اہنسا کے قائل ہیں۔ لیکن کسی کے عقیدے کے خلاف نہیں" اس نے کہا "کون جانے کس کا عقیدہ بہتر ہے اور کس کا غلط۔"

"ظاہر ہے بدھوں کا ٹھیک ہوگا۔ اسی لئے تو انہوں نے تم کو لات مار کر نکال دیا۔ عورت کا چکر تھا؟"

اس نے برا مانے بغیر کہا "اب تمہارا موڈ بہتر ہوتا جارہا ہے۔ میرا خیال ہے ضد کرنا تمہاری عادت میں شامل ہوچکا ہے۔"

اس کے بعد ہم پھر خاموشی سے چلتے رہے' شاید وہ دل میں مجھے کوس رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ہم ایک گاؤں کے قریب پہنچ گئے جس کی آبادی صرف چند جھونپڑیوں پر مشتمل تھی' ہر سمت تاریکی اور سناٹا طاری تھا۔ اگر کتے نہ بھونک رہے ہوتے تو میں سمجھتا کہ گاؤں ویران پڑا ہے' میرا خیال تھا یہاں وہ کچھ دیر رکے گا کیونکہ میرے پیر دُکھنے لگے تھے۔ لیکن نوپاہ نے قدم نہیں روکے۔ ہم چلتے رہے یہاں تک کہ تاریکی میں ایک پگوڈا کی عمارت کا خاکہ جھلکنے لگا' بدھوں کے مندر کی یہ عمارت چھوٹی سی تھی۔ ہم سیڑھیاں چڑھنے لگے تو نوپاہ نے غصے میں سرگوشی کی "اپنے جوتے تو اتارلو احمق آدمی۔ یہ جگہ بھی مقدس ہے۔"

سنگِ مرمر کے بنے ہوئے چبوترے پر مہاتما گوتم بدھ کا ایک قدِ آدم بُت رکھا تھا' وہ گیان کے عالم میں آلتی پالتی مارے بیٹھے ہوئے تھے۔ لگتا تھا ابھی آنکھیں کھول دیں گے۔ دو لیمپ بُت کے اوپر چھت سے لٹک رہے تھے۔ نوپاہ بڑے ادب واحترام کے ساتھ آگے بڑھا' جھکا اور پھر گوتم بدھ کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں عقیدت کی بے پناہ جھلک دیکھی تھی۔ کچھ فاصلے پر کھڑا میں سوچ رہا تھا کہ اس شخص کی زندگی کا کون سا پہلو حقیقی ہے۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنے پیچھے آنے کے لئے کہا۔

ہم چلتے ہوئے بدھ کے چبوترے کے عقب میں پہنچے' یہاں بمشکل چار فٹ چوڑی اور تقریباً دُگنا لمبی جگہ تھی۔ اس نے

اپنی جیکٹ اتاری اور لپیٹ کر فرش پر رکھی اور اس پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی اور میرا خیال ہے فوراً ہی سو گیا۔

بیدار ہوا تو صبح ہو چکی تھی۔ پگوڈا کے سامنے بے شمار کبوتر بیٹھے غٹرغوں کر رہے تھے۔ چھجوں پر بھی کبوتروں کا قبضہ تھا۔ مہاتما بدھ کے بت کے سامنے سے عورتوں کی مترنم آواز آ رہی تھی۔ وہ دعائیہ بھجن گا رہی تھیں۔ لیکن نوپاہ لاپتا تھا۔ میں نے اٹھ کر چپکے سے سامنے کی طرف جھانکا، چھ سات عورتیں عبادت میں مصروف تھیں اور مہاتما کے بت کے قدموں پر پھول رکھ رہی تھیں۔ میں ڈر کر جلدی سے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا، اگر کوئی عورت ادھر آ نکلی اور مجھے دیکھ لیا تو کیا ہو گا؟ ایسا نہ ہو کہ وہ ڈر کے شور مچا دے اور کوئی مصیبت آ جائے۔ کچھ دیر بعد عورتیں عبادت کر کے چلی گئیں تو میں نے ہمت کر کے پھر جھانکا۔ انہوں نے بت کے سامنے صرف پھول ہی نہیں چڑھائے تھے، دودھ سے بھرے برتن، کیلے، آم اور پکے ہوئے چاول بھی نذر کر کے گئی تھیں۔ میرے منہ میں پانی بھر آیا۔ میں نے تقریباً دو دن سے کھانا نہیں کھایا تھا اور بھوک سے برا حال ہو رہا تھا لیکن آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اگر نوپاہ ہوتا تو اور بات تھی۔ میں مایوس ہو کر بیٹھ گیا اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا یہ شبہ ذہن میں جنم لیتا گیا کہ کہیں وہ مجھے چھوڑ کر چلا تو نہیں گیا۔ میں نے جلدی سے کمر کو ٹٹولا، رقم پیٹی سے بندھی ہوئی تھی۔ میں نے اطمینان کی سانس لی۔ جب تقریباً ایک گھنٹا اور گزر گیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ نوپاہ واپس نہیں آئے گا۔ غنیمت تھا کہ رقم میرے پاس تھی۔ اب مجھے فرار کی راہ خود تلاش کرنا ہو گی۔ پتا نہیں یہ منحوس جگہ سڑک سے کتنی دور تھی۔ مجھے کلکتہ جا کر قسمت آزمانا ہو گی۔ ممکن ہے کسی جہاز پر جگہ مل جائے لیکن اس سے پہلے حلیہ تبدیل کرنا ہو گا۔ اس لباس میں کون مجھے گھاس ڈالے گا۔

اور اسی لمحہ وہ واپس آ گیا۔ اس نے جھانک کر دیکھا اور مجھے دیکھتے ہی ہنسنے لگا۔

"فکر نہ کرو مسٹر اوریلی۔ سب کام ٹھیک ہو گیا ہے۔" اس نے اطمینان کے ساتھ کہا اور پھر جا کر دودھ کے دو برتن اٹھا لایا۔ انتظار کئے بغیر اس نے ایک ہی سانس میں سارا دودھ پی لیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ پھلوں اور چاول سے پیٹ بھرنے کے بعد اس نے ڈکار لی اور مسکراتا ہوا بولا "بھگوان بدھ بڑے اچھے میزبان ہیں، دیکھو ہمیں کس طرح ناشتا کرایا ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک عیب یہ ہے کہ وہ چھوت چھات بہت کرتے ہیں۔ ہندو کسی اچھوت کے ساتھ نہیں کھاتا، ان کے سائے سے بھی ناپاک ہو جاتا ہے، اس کا دھرم بھرشٹ ہو جاتا ہے۔ یہی حال مسلمان کا ہے۔ لیکن ہم کو دیکھو، ہم کسی کے لائے ہوئے کھانے سے پرہیز نہیں کرتے۔"

"تمہارا مطلب ہے یہ عورتیں اچھوت تھیں؟"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ سب کو اسی بھگوان نے بنایا ہے۔" اس نے دوسری پلیٹ بھی اٹھالی۔" بڑے بھلے لوگ ہیں، مہاتما بدھ کو پوجتے ہیں۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ یہاں کوئی نہیں آتا۔ پولیس کبھی اس طرف کا رخ نہیں کرتی، سب کو اپنا دھرم بھرشٹ ہونے کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ وہ ان اچھوتوں کے سائے سے بھی دور رہتے ہیں اسی لئے یہ جگہ بالکل محفوظ ہے۔ میں بستی میں گیا تھا۔ لاما اور ہمارے دوسرے بھکشو تین دن پہلے یہاں سے جا چکے ہیں۔ میں سب معلومات کر کے آیا ہوں۔ آؤ اب چلیں۔"

ایک بار پھر اس نے جھک کر مہاتما بدھ کو سجدہ کیا اور جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر ان کے قدموں پر رکھ دیا۔ یہ نوپاہ بھی خوب آدمی تھا!

دوپہر کے بعد ہم دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ پیدل سفر سے پھر تکان محسوس ہونے لگی تھی۔ دریا پار کرنے کے لئے جو کشتی تھی وہ اس وقت دوسرے کنارے پر تھی اور اس کا ملاح بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ آس پاس کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔ دریا صرف چند سو فٹ چوڑا تھا۔ اس کے میلے پانی کا بہاؤ بھی تیز تھا۔ میں نے نوپاہ سے پوچھا "تم کو تیرنا آتا ہے؟"

"ہاں آتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن تیرنا مگرمچھ بھی جانتے ہیں۔ یقین نہیں آتا تو پانی میں اتر کر دیکھو مسٹر اوریلی۔" میں نے پھر کچھ نہیں کہا اور اطمینان سے کنارے پر بیٹھ گیا۔ نوپاہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد دو دیہاتی عورتیں سر پر سامان کا ٹوکرا رکھے ہوئے آئیں۔ ہم کو دیکھ کر انہوں نے اپنا چہرہ ساری کے پلو سے چھپا لیا۔ ان کے ساتھ جو بچّہ تھا وہ قریب آ کر ہم کو گھورنے لگا۔ نوپاہ نے اس سے ہندی میں پوچھا کہ کشتی اس کنارے کب آتی ہے لیکن وہ نوپاہ کی زبان نہ سمجھ سکا اور اسے گھورتا رہا۔ تب نوپاہ نے کسی اور زبان میں سوال کیا جو میں نہیں سمجھ سکا۔ لیکن بچے نے جواب دے دیا۔

"یہ کہتا ہے جب اس کنارے پر کوئی موٹر آتی ہے تب کشتی اس کو لے کر اس پار آتی ہے۔ پیدل مسافروں کے لئے وہ دریا پار نہیں کرتے۔"

ہم پھر انتظار میں بیٹھ گئے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد دوسرے کنارے کی ڈھلوان سے ایک ٹرک آتا نظر آیا۔ دو کشتیوں کو ملا

کران پر ایک بڑے تختے کا پلیٹ فارم بنایا گیا تھا۔ ٹرک اس پر لے کر کشتی ہمارے کنارے پہنچی اور اس کے بعد ہم دریا پار پہنچے۔ مجھے شدید بھوک لگ رہی تھی لیکن کئی میل کا سفر طے کرنے کے بعد ہم پھر ایک دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ یہاں بھی کافی دیر انتظار کے بعد کشتی ملی تب ہم نے اسے پار کیا۔ اس کے بعد کا سفر پھر ایک دریا کے پاس جاکر ختم ہوا اور تب مجھے اندازہ ہوا کہ یہ ایک ہی دریا تھا جو چکر کھاتا ہوا کئی جگہ سے گزر رہا تھا۔ یہاں ہم کو ساری رات انتظار کرنا پڑا۔

اسی طرح ہمارا سفر پانچ دن تک جاری رہا اور نوپاہ کے تیس میل ختم ہونے کو نہیں آئے۔ ہم چلتے چلتے اتنی دور نکل آئے تھے کہ میرے خیال میں مشرقی پاکستان کی سرحد زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔ یہ سوچ کر مجھے یک گونہ خوشی ہوئی۔ پاکستان دوسرا ملک تھا اور ہندوستان سے اس کے تعلقات کشیدہ تھے اور یہاں چٹاگانگ کی بندرگاہ تھی۔ میرا جہاز ایک مرتبہ یہاں لنگر انداز ہو چکا تھا' یہ زیادہ بڑی بندرگاہ نہیں تھی لیکن انڈمان اور نکوبار کے جزیروں سے آنے والے چھوٹے جہاز یہاں سے اکثر گزرتے تھے جو رنگون ٹھہرتے تھے جہاں سے مجھے کوئی بھی جہاز مل سکتا تھا۔ شاید قسمت مجھے اس سمت لے آئی تھی۔

...اب میری صحت بھی بہتر ہو چکی تھی اور میں خود کو چاق وچوبند محسوس کر رہا تھا۔ راستے میں نوپاہ جہاں بھی قیام کرتا وہاں دیہی بستیوں سے کھانا لے آتا تھا۔ کہیں وہ کھانا خرید کر لاتا اور کہیں سے مانگ کر لیکن اسے زیادہ لطف چوری کر کے لانے میں آتا تھا۔ لیکن میں نے یہ دیکھا کہ ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ کچھ وہاں چھوڑ کر آتا تھا۔ اس کی ان حرکتوں کا ایک سبب تھا جو مجھے بعد میں معلوم ہوا۔

دوپہر کا وقت تھا اور آسمان سے آگ سی برس رہی تھی۔ میں سڑک کے کنارے ایک درخت کے سائے میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ جھاڑیوں کے پیچھے پیشاب کرنے گیا ہوا تھا۔ اسی دوران ایک عورت خربوزوں کا ٹوکرا سر پر رکھے ہوئے ادھر آئی۔ میرے منہ میں پانی بھر آیا' وہ مجھے دیکھ کر رکی اور اطمینان کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے ٹوکرا سر پر سے اتارا۔ پھر اس میں سے ایک پکا ہوا خربوزہ اٹھا کر میری سمت بڑھایا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جیب سے چند روپے نکال کر اس کی سمت بڑھائے۔ عورت کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی' اس نے غصے میں مجھے دیکھا اور ٹوکرا اٹھا کر تیزی کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھ گئی۔

نوپاہ جھاڑیوں سے نکل کر آیا تو بہت غصے میں تھا۔ میں نے اپنی صفائی پیش کی "اتنا غصے کیوں ہوتے ہو۔ میں نے تو صرف خربوزے کی قیمت دینا چاہی تھی۔"

"احمق ہو تم۔ اس نے تم کو بھیک دی تھی۔ وہ ثواب کمانا چاہتی تھی اور تم نے اسے پیسے دے کر اس کی توہین کر دی۔" نوپاہ نے کہا۔

"بکواس مت کرو۔" میں نے چیخ کر جواب دیا "مجھے کیا خبر تھی کہ وہ بھیک دے رہی ہے۔"

"تم مغربی لوگ کیا جانو ان باتوں کو۔" وہ غرایا "چلو اٹھو۔ ابھی کافی دور چلنا ہے۔"

☆......☆......☆

اور آخر کار ہم فرید گھاٹ پہنچ گئے لیکن یہاں مجھے پھر خوف آنے لگا کیوں کہ یہ خاصا بڑا قصبہ تھا اور دریا کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے تجارتی منڈی بھی تھا۔ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ میں ہر جگہ پولیس نظر آرہی تھی۔ فرید گھاٹ دریائے برہم پتر کے کنارے واقع تھا... دریا پار کرتے ہی مشرقی پاکستان کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔ نوپاہ نے مجھے بتایا کہ پولیس اس لئے یہاں زیادہ چوکس ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں اور سرحد پر دونوں جانب ڈاکوؤں کے گروہ لوٹ مار کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ریلوے لائن بھی تھی لیکن وہ صرف آسام کے جنوب مشرقی علاقے تک جاتی تھی۔ دریا سے اسٹیمروں کے ذریعے سفر اور تجارت عام تھی۔

"آسام سے چائے اور لکڑی کی تجارت اسٹیمر کے ذریعے ہوتی ہے۔" نوپاہ نے کہا "یہ اسٹیمر یہاں سے پاکستان کی سرحد تک آمدورفت کا بھی ذریعہ ہیں۔"

لیکن مجھے بازار کی بھیڑ بھاڑ سے وحشت ہو رہی تھی اور میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اس لئے ہم آبادی سے نکل کر دریا کے کنارے کنارے آگے بڑھنے لگے۔

حسبِ سابق نوپاہ نے بتایا کہ غاروں کے مندر یہاں سے پانچ سات میل دور ہیں اور حسبِ سابق اس کا اندازہ غلط نکلا اور ہم کو بیس میل کا فاصلہ طے کرنا پڑا تب ہم اس مقام تک پہنچ سکے۔

جب ہم وہاں پہنچے تو تاریکی پھیل چکی تھی لیکن آسمان پر پورا چاند چمک رہا تھا۔ یہاں پر دریا تقریباً ایک میل چوڑا نظر آرہا تھا۔ کچھ فاصلے پر پہاڑیوں اور جنگل کا سلسلہ چاندنی میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔ نوپاہ نے مجھے راستے میں بتایا تھا کہ اس علاقے میں صرف یہی پہاڑیاں واقع تھیں۔ ان کے متعلق بہت سی داستانیں مشہور تھیں لیکن کافی دیر سے نوپاہ بالکل خاموش تھا اور میری کوشش کے باوجود اس کا سکتہ نہ ٹوٹ سکا۔

...جب ہم اس راستے پر پہنچ گئے جو دریا کے کنارے سے پہاڑی کی سمت جاتا تھا تو وہ رک گیا اور آگے جانے سے انکار کر دیا۔

"کیا حماقت ہے؟" میں نے کہا۔ "میں اکیلا وہاں جاکر کیا کروں گا؟"

"تم اس کو صرف یہ بتادینا کہ راکھجو کے پاس سے آئے ہو۔" نوپاہ نے کہا۔ "بس اتنا بتادینا ہی کافی ہوگا۔ لیکن تمہیں اکیلے ہی جانا ہوگا۔" اس نے خوشامد کی۔

"جہنم میں جائے سب۔" میں نے غصے میں کہا۔ "میں اچھوتوں کی طرح وہاں جاکر کوئی فرضی داستان نہیں سناؤں گا۔ تم خود چل کر اسے بتلادو۔"

لیکن اب میں کسی مختلف نوپاہ سے مخاطب تھا' اس نوپاہ سے جسے میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ زمین پر بیٹھا بس خلا میں گھور رہا تھا۔ اس کی آواز بے جان اور سرد تھی' سارا جوش وولولہ ختم ہوگیا تھا۔

"میں نہیں جاسکتا۔" اس نے بے بسی کے عالم میں کہا۔ "تم کو اندازہ نہیں کہ میں نکالا جاچکا ہوں' اب لاما کے سامنے میں کبھی نہیں جاسکتا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے.... ہم واپس چلتے ہیں۔" میں نے بگڑ کر کہا۔ "مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو' ساری داستان من گھڑت تھی۔ تم چاہو تو یہیں بیٹھ کر قسمت کو روتے رہو' میں اکیلا واپس جارہا ہوں۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا' بس سر جھکائے بیٹھا رہا۔ میں واپس پلٹا اور آہستہ آہستہ وہاں سے آگے بڑھنے لگا۔ میرے قدم واپسی کی راہوں پر رواں تھے لیکن میں سوچتا جارہا تھا' اگر نوپاہ نہ ہوتا تو میں اب تک واپس کابوستیا کی چہار دیواری میں پہنچ چکا ہوتا یا مرچکا ہوتا' اسے کوستا ہوا میں پھر واپس مڑا اور اس کے پاس پہنچ کر غصے میں ایک لات رسید کی۔ وہ پھر بھی ٹس سے مس نہ ہوا اور خاموش بیٹھا رہا لیکن اس کے ہونٹ ہل رہے تھے' جیسے وہ دعا مانگ رہا ہو۔

"بزدل آدمی۔" میں غصے میں دہاڑا۔ "تم خود اپنے تمام بد اعمال کا مجھ سے اعتراف کرچکے ہو اور اب اتنے پاک صاف بن رہے ہو جیسے بڑے مذہب کے پیروکار ہو۔ لیکن میں اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں ہوں۔ ہم اتنی دور آئے ہیں تو اب میں یوں واپس نہیں جاؤں گا۔ کم از کم یہ ثابت کرکے جاؤں گا کہ تم کتنے جھوٹے ہو۔ میں پہاڑی پر جاکر تمہارے لاما سے ملاقات کروں گا' اب میں تم کو ایک آخری موقع دے رہا ہوں' میرے ساتھ آرہے ہو یا نہیں؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا اور زمین کی سمت نگاہیں کئے بیٹھا رہا۔ میں نے جھنجلا کر اسے کوسنا شروع کردیا اور تنہا پہاڑی کی سمت روانہ ہوگیا۔ مجھے خود پتا نہیں کہ میں کیوں وہاں جانے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ مجھے نہ نقشے کا یقین تھا' نہ سونے کا' نہ لاما کا' بس شاید نوپاہ کی حالت نے مجھے مجبور کردیا تھا اور شاید اس لئے بھی کہ میں اسے مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔

راستہ جنگل کے اندر سے ہوکر گزرتا تھا اور تنگ ہونے کے باوجود ہموار تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے مسلسل استعمال میں ہو۔ نوپاہ نے بتلایا تھا کہ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں زائرین وہاں پر آتے تھے لیکن شاید ان دنوں کوئی تہوار نہیں تھا کیونکہ دور دور تک کسی انسان کا وجود نظر نہیں آتا تھا۔ فرید گھاٹ سے یہاں تک راستے میں بھی ہمیں کوئی نہ ملا۔ جنگل میں اتنا سکوت طاری تھا کہ ایک پتہ بھی نہیں ہل رہا تھا۔ ہوا بھی رکی ہوئی تھی اور آسمان پر چمکتے ہوئے پورے چاند کی کرنیں درختوں سے چھن چھن کر نیچے آرہی تھیں۔ درختوں کے سائے بڑے مہیب اور ڈراؤنے لگ رہے تھے۔ ایک جگہ میں بلند سیاہ چٹان کو دیکھ کر چونک اٹھا۔ میں جب پہاڑی پر پہنچا تو ہانپ رہا تھا۔ گرمی سے سارا جسم پسینے میں تر ہوچکا تھا اور سچ پوچھو تو یہ پسینہ خوف کا تھا۔

پھر اچانک جنگل ختم ہوگیا... میں کھلے آسمان کے نیچے کھڑا تھا۔ میرے سامنے طشتری کی طرح گول پیالے نما گہرا ایک گڑھا سا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے رومیوں کے دور کا کوئی تھیٹر ہو۔ تقریباً نصف میل کے فاصلے میں اس دائرے کے گرد نیچی پہاڑیوں کی گگر تھی۔ ممکن ہے کہ یہ کسی پرانے آتش فشاں کا دہانہ ہو۔ اس کے پار جلتی ہوئی آگ کے شعلے تاریکی میں صاف نظر آرہے تھے۔ میں نرم زمین پر چلتا ہوا آگے بڑھا۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے ملائم قالین پر چل رہا ہوں۔

آدمیوں سے پہلے میری نظر مندروں پر پڑی۔ آگ کی روشنی میں' پتھر کاٹ کر بنائے ہوئے نقش ونگار بڑے پُراسرار لگ رہے تھے۔ پہاڑی کے سامنے کا پورا حصہ... ان گنت دہانوں اور دروازوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے گرد دریچوں اور بالکونیوں کا سلسلہ کئی سو فٹ کی بلندی تک چلا گیا تھا اور تقریباً دو سو فٹ کی لمبائی میں پھیلا ہوا تھا۔ ممکن ہے یہ اور بھی بڑا ہو لیکن فاصلے سے شعلوں کی روشنی میں مجھے اسی حد تک اندازہ ہوسکا۔ آگ بہت وسیع تھی اور اس میں سے صندل کی لطیف' بھینی خوشبو فضا میں پھیل رہی تھی۔ یہ ایک احاطے کے اندر جل رہی تھی جس کے تین جانب مندر کے سامنے کا حصہ تھا اور چوتھی جانب ایک بڑا محراب دار دروازہ تھا جو پتھروں کی بنی ہوئی مضبوط دیوار کے درمیان بنا ہوا تھا اور ان تمام لوگوں کو اس دیوار نے چھپا رکھا تھا اس لئے جب تک میں اندر نہیں پہنچا وہ نظر نہیں آسکے۔

وہ تعداد میں تقریباً تیس رہے ہوں گے۔ زرد عباؤں میں

ملبوس اور گنجے سر- اور سب کے سب اس آگ کے گرد ایک دائرے کی شکل میں جھکے ہوئے تھے - ان کی پشت میری جانب تھی' میں جلدی سے پھاٹک کی آڑ میں ہو گیا- میرا خیال تھا کہ وہ سب عبادت میں مصروف ہیں - میں رنگون کے شیو داگن پگوڈا میں جا چکا تھا' اس کے علاوہ سیلون اور دوسرے مشرقی ممالک میں بھی بدھوں کی خانقاہیں دیکھی تھیں اور ہر جگہ بدھوں کی عبادت گاہوں اور عبادت کے انداز میں یکسانیت سے متاثر ہوا تھا لیکن یہاں کی صورتحال .... بالکل مختلف تھی - سجدہ ریز بھکشو بالکل ساکت تھے اور آگ کے شعلوں سے چٹخنے والی لکڑیوں کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی - اس کے سامنے عبادت کا ایک بڑا اور چوکور چبوترہ تھا اور اس پر کوئی چیز موجود بھی تھی لیکن میں درمیان میں جلتے ہوئے شعلوں کی وجہ سے اس کو صاف نہیں دیکھ سکتا تھا - میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں کیونکہ ایسا لگتا تھا کہ یہ لوگ کسی قسم کی دعا یا عبادت میں مصروف تھے اور اگر میں انتظار کرتا تو بہت وقت لگ سکتا تھا- میں سوچ ہی رہا تھا کہ واپس جاؤں اور کچھ دیر بعد دوبارہ یہاں آنے کی کوشش کروں کیونکہ میں تکان سے اتنا نڈھال تھا کہ آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں کہ اچانک میں نے دیکھا' دو بھکشو مڑے اور میری جانب بڑھنے لگے -

وہ سیدھے اس محرابی دروازے کی سمت آئے جس کے اندر میں کھڑا ہوا تھا - انہوں نے مجھے دیکھا لیکن کوئی توجہ دیے بغیر آگے بڑھ گئے اور لکڑیوں کے ایک انبار سے لکڑیاں اٹھا کر واپس جانے لگے - حلیے اور شکل و صورت کے لحاظ سے وہ نوپاہ کی طرح بری لگ رہے تھے - میں نے ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی میں ان سے کہا- "محترم بھکشوؤ' میں لاما سے ملاقات کرنے آیا ہوں - بہت دور سے سفر کر کے یہاں پہنچا ہوں -"

دونوں میں سے کسی نے جواب نہیں دیا لیکن ان میں سے ایک نے جو کچھ عمر رسیدہ نظر آتا تھا' میری سمت دیکھ کر آہستہ سے سر ہلایا - وہ بھاری لکڑیاں اٹھائے .... اس جلتے ہوئے الاؤ کی سمت روانہ ہوئے تو میں بھی آگے بڑھا لیکن معمر بھکشو نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے روک دیا - میں مجبوراً وہیں زمین پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا - شاید میں سو گیا تھا کیونکہ جب آنکھ کھلی تو کوئی آہستہ آہستہ میرے شانے ہلا رہا تھا - میں نے چونک کر دیکھا تو یہ وہی معمر بھکشو تھا - اس نے مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا - ہم آگے پیچھے چلتے ہوئے عبادت میں مصروف بھکشوؤں کے پاس سے احاطے میں آگے بڑھتے رہے اور جب ہم چبوترے کے پاس سے گزر رہے تھے تب میں نے دیکھا کہ اس پر رکھی ہوئی چیز کسی آدمی کا جسم تھا جو زرد عبا میں لپٹا ہوا تھا - میں نے دیکھا کہ بھکشو نے عقیدت و احترام سے نظریں جھکالیں تھیں اس لئے میں نے بھی تقلید کی - شاید وہ کوئی بڑا راہب تھا کیونکہ چبوترے پر قیمتی بروکیڈ کی ریشمی چادر بچھی ہوئی تھی اور لاش کے سرہانے ایک خوبصورت کڑھی ہوئی ٹوپی رکھی تھی -

مجھے فوراً خیال آیا کہ یقیناً بوڑھا لاما مر گیا ہے اور یہ اسی کی لاش ہوگی - ہم نے جس سے ملنے کے لئے اتنا طویل سفر کیا اور اتنی مصیبتیں اٹھائیں وہ میرے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا - ساری محنت برباد ہو گئی لیکن بہرکیف' میں نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا اور میرا ضمیر مطمئن تھا - اب یہاں میرا رکنا بیکار تھا - کچھ بھی ہو میں نے نوپاہ کو مایوس تو نہیں کیا تھا - یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ لاما مر گیا - اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا -

ہم پتھر کے بنے فرش پر چلتے ہوئے ایک موڑ سے آگے بڑھے تو ہر سمت تاریکی تھی کیونکہ آگ کی روشنی ادھر نہیں آ رہی تھی - بھکشو مجھے لے کر ایک برآمدے کے سامنے پہنچا' سیڑھیاں چڑھ کر ہم ایک کھلی ہوئی جگہ میں داخل ہوئے - دیوار پر چاروں سمت نقش و نگار ابھرے ہوئے تھے جو چاندنی میں مدھم سے نظر آ رہے تھے - مجھے صرف اس بات کی فکر تھی کہ وہ جلدی سے لاما کی موت کی خبر سنا دیں اور یہ کہہ دیں کہ نہ وہ کسی راکھجو کو جانتے ہیں نہ اس کے نقشے کے بارے میں تاکہ میں واپس جا کر نوپاہ کو بتلا دوں اور پھر اپنی راہ لوں -

ہم وہاں سے گزر کر عمارت کے اندر داخل ہوئے' یہاں ... ہر سمت تاریکی تھی البتہ کہیں سے روشنی کی کرنیں چھن کر اندر آ رہی تھیں - تاریکی پھر بھی اتنی تھی کہ میں

معذرت

" مجھے تم سے کس قدر محبت ہے " خوبرو دوشیزہ نے ایک شخص سے کہا " ... تم اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے " یہ کہہ کر وہ سسکیاں بھر کر رونے لگی -

اس آدمی نے جواب دیا " آج میں بہت پریشان ہوں - کسٹم والوں نے تمام سونا پکڑ لیا ہے اور میری ساری جمع پونجی برباد ہو گئی ہے - میں پائی پائی کو محتاج ہو گیا ہوں' میرا دوالیا نکل گیا ہے - "

" آئی ایم سوری " لڑکی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا " میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں -

چھت کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ہوا سرد اور مرطوب تھی، مجھے صرف اتنا احساس تھا کہ ہم کسی زیرِ زمین کمرے میں تھے جس کی چھت اتنی بلند تھی کہ تاریکی میں نظر نہیں آ رہی تھی اور اچانک ہم اس جگہ پہنچ گئے۔ روشنی کی کرنیں جھلک رہی تھیں، میں نے قریب پہنچ کر دیکھا تو یہ روشنی طاقوں میں رکھے چراغوں کی تھی ۔۔ مجھے اپنے گرد لوگوں کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا ہم کسی سینما ہال میں آ گئے ہوں جہاں فلم چل رہی ہو، پہلے تو ہم کو کچھ نظر نہیں آیا لیکن جیسے جیسے آنکھیں تاریکی سے مانوس ہوتی جاتی ہیں ہر چیز واضح ہو جاتی ہے اور بیٹھے ہوئے لوگ نظر آنے لگتے ہیں۔

وہ تعداد میں دس بارہ رہے ہوں گے لیکن مجھے صرف ایک کا چہرہ نظر آ رہا تھا اور وہ بھی اس لئے کہ وہ ذرا بلندی پر ہوا تھا اور اس کے دونوں جانب روشن چراغ رکھے ہوئے تھے۔ اس کی عمر میرے لئے حیران کن تھی کیونکہ کہن رسیدہ آدمی کے بجائے وہ ایک بھولا بھالا لڑکا نظر آتا تھا۔ یوں تو سارے برمی باشندوں کے چہرے نرم ہوتے ہیں لیکن یہ بلاشبہ ابھی نو عمر تھا۔ میرے ساتھ آنے والے بھکشو نے شانہ پکڑ کر مجھے وہاں بچھی ہوئی چٹائی پر بٹھا دیا۔ باقی سب لوگ نیم دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اس نو عمر لڑکے نے بڑے سنجیدہ اور متین لہجے میں کہا۔ "بولو میرے بچے، تم کیا چاہتے ہو؟"

ایک لڑکے کے منہ سے "میرے بچے" کا لفظ سن کر یقیناً عجیب سا لگتا ہے لیکن پادری اور مذہبی پیشوا کا اندازِ تخاطب یہی ہوتا ہے۔

"میں لاما سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"بولو، تم لاما سے ہی مخاطب ہو۔" اس نے جواب دیا۔

"تو پھر مجھے جس مقدس لاما سے کام تھا۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔" میں نے کہا۔

وہ سنجیدگی کے باوجود مسکرا دیا۔ "جسم بدلتے رہتے ہیں لیکن آتما ایک ہی ہوتی ہے۔" اس نے کہا اور پھر احاطے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "تم جن کا ذکر کر رہے ہو ان کا شریر وہاں رکھا ہوا ہے۔ لیکن تم کو جو بھی کہنا ہے بلا جھجک کہو۔"

"میں راکھجو کے پاس سے آیا ہوں۔" میں نے کہا۔ وہ جواب دیئے بغیر منتظر رہا۔ "اس نے جو امانت چھوڑی تھی وہ لینے آیا ہوں۔"

"اور راکھجو کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اس کا انتقال ہو گیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"زندگی کا سفر ہمیشہ جاری رہتا ہے۔" اس نے کہا۔۔۔ "صرف شریر مرجاتا ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ راکھجو کی آتما کو بہت کٹھنائیوں سے گزرنے کے بعد شانتی ملے گی۔"

میں اس موضوع پر اس سے بحث نہیں کر سکتا تھا اس لئے صرف اتنا ہی کہہ سکا۔ "کچھ بھی ہو، راکھجو کو چند دن پہلے گوا میں دفن کر دیا گیا۔"

"جیل کے اندر۔۔۔؟" اس نے پوچھا اور میں اتنا بوکھلا گیا کہ بدحواسی میں انگریزی میں بات شروع کر دی لیکن یہ اچھا ہی ہوا۔ کیوں کہ لاما نے بھی انگریزی بولنا شروع کر دی، وہ نوباہ کی طرح صاف انگریزی بول رہا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کہاں مرا؟ یہ اس کا اپنا معاملہ تھا۔"

"مجھے اس سے اتفاق ہے۔" اس نے کہا۔ "لیکن راکھجو نے ہم پر بھروسا کیا تھا، اور اس کی امانت کو کسی کے حوالے کرنے سے پہلے ہمیں اپنا اطمینان کرنا ضروری ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے، وہ جیل کے اندر مرا تھا اور میں بھی اس کے ساتھ وہیں تھا۔"

"اور اس نے تم سے کہا تھا کہ ہم سے مل کر اس کی امانت لے لو؟" وہ میری آنکھوں میں گھور رہا تھا جیسے ان کی گہرائیوں میں سچ تلاش کر رہا ہو۔ اس کی نظروں میں شک وشبہ نہیں تھا، اس کے برخلاف مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اگر میں نے سچ بولا تو وہ یقین کرے گا اور ساتھ ہی اگر جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو فوراً سمجھ جائے گا۔ اس چھوٹی سی عمر میں اس کی شخصیت میں اتنا وقار اور سچائی تھی کہ میں جھوٹ بولنے کی ہمت نہ کر سکا۔

"نہیں۔" میں نے راست گوئی سے کام لیا۔ "اس نے مجھے ہدایت کی تھی کہ بمبئی میں ایک شخص کو تلاش کروں اور اسے یہ پیغام دوں کہ "بھروسا رکھو۔" میں نے اپنے گریبان کے اندر ہاتھ ڈال کر وہ سونے کا تمغہ نکالا جو راکھجو نے مجھے دیا تھا۔ میں نے تمغہ اس کی سمت بڑھایا لیکن اس نے لیا نہیں، تاریکی میں ایک اور ہاتھ آگے بڑھا اور میری ہتھیلی پر رکھے تمغے کو ٹٹولتا رہا۔ دوسرے بھکشو بھی اسے جھک کر دیکھتے رہے، وہ کسی اور زبان میں ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے۔ لاما اس دوران خاموش رہا۔

"تو اس دوسرے آدمی نے تمہیں ہمارے پاس بھیجا ہے؟" لاما نے اچانک سوال کیا۔

"نہیں۔" میں نے پھر صاف گوئی سے کام لیا۔ "وہ مجھے لے کر پہلے دارجلنگ پہنچا اور پھر یہاں۔"

"وہ خود کہاں ہے؟" میں نے محسوس کیا کہ اب سناٹا چھا گیا

تھا اور ہر شخص میری سمت دیکھ رہا تھا جیسے میرے جواب کا منتظر ہو - ایک بار جی میں آیا کہ جھوٹ بول دوں لیکن لاما کی نظروں میں کچھ ایسا سحر تھا کہ جرأت نہ ہو سکی ' اور پھر میری سمجھ میں نہ آیا کہ سچ بولنے سے نوپاہ کی صحت پر کیا اثر پڑے گا-
" وہ پہاڑی کے نیچے میرا انتظار کر رہا ہے ' وہ اس جگہ نہیں آنا چاہتا تھا- "

وہ میری بات سن کر کافی دیر تک آپس میں مشورہ کرتے رہے اور باوجودیکہ میں ان کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن محسوس کر رہا تھا کہ ان میں خاصا اختلافِ رائے ہے - لیکن کس بات پر ؟ یہ سمجھنا میرے لئے ممکن نہ تھا اس لئے خاموش رہا - نوعمر لاما بڑے غور سے ان کی بحث کو سن رہا تھا پھر اچانک اس نے ہاتھ بلند کیا اور ایک بار پھر موت کا سا سکوت طاری ہو گیا - لاما کچھ دیر تک آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا ' پھر اس نے آنکھیں کھول کر میری سمت دیکھا-

" میرا خیال ہے کہ تم سچ بول رہے ہو - " اس نے نرم لہجے میں کہا - " اپنے ساتھی کو بتلا دینا کہ درمیانی راستہ بڑا تنگ ہے ' لیکن یہ کبھی بند نہیں ہوتا ' اور گھوڑا اب تک حقیقت کا منتظر ہے - "

ایک بھکشو اٹھا اور جا کر لکڑی کا بنا ہوا ایک صندوقچہ اٹھا لایا - لاما نے اس کو کھولا اور گرد آلود کاغذات میں کچھ تلاش کرتا رہا ' شاید اسے معلوم نہیں تھا کہ کیا تلاش کرنا ہے کیونکہ ایک بھکشو نے اٹھ کر اس کی مدد کی ' بالآخر ان کو وہ کاغذ مل گیا اور اس نے کاغذ میری سمت بڑھا دیا ' یہ تقریباً ایک فٹ کا چوکور کاغذ تھا جو.... تہ کر کے رکھا گیا تھا ' لیکن اتنا چھوٹا کاغذ نقشہ نہیں بن سکتا تھا - لیکن بہرحال یہ بحریہ میں استعمال ہونے والا عمدہ قسم کا کاغذ تھا ' میں نے شکریہ ادا کر کے اس کو اپنے کرتے کے اندر رکھ لیا - لاما نے پھر اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں جیسے اب اس کو مجھ سے کوئی دلچسپی نہ رہی ہو - کسی نے آہستہ سے میرا شانہ ہلایا ' یہ وہی بھکشو تھا جو مجھے وہاں تک لے کر آیا تھا ' اس نے مجھے باہر چلنے کا اشارہ کیا-

الاؤ کی آگ اب ماند پڑنے لگی تھی لیکن بدھ بھکشو اسی طرح مراقبے کے عالم میں بیٹھے تھے ' میرے ساتھ آنے والے بھکشو نے دروازے کی سمت اشارہ کیا اور خود بھی انہی لوگوں میں شامل ہو گیا ' مجھے اب بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ جس نقشے کا حصول اتنا مشکل نظر آرہا تھا وہ اتنی آسانی سے مل گیا ہے ' مجھے یہ سب کچھ ایک خواب سا نظر آرہا تھا لیکن کاغذ میرے....... پاس محفوظ تھا اور اس حقیقت کو جھٹلانا ممکن نہ تھا-

میں جب پہاڑی سے اتر کر نیچے پہنچا تو نوپاہ اسی جگہ بیٹھا ہوا تھا ' لیکن مجھے دیکھ کر بھی اس نے سر نہ اٹھایا ' میں نے اپنی ٹھوکر سے آہستہ سے دھکا دیا - " بس ختم کرو اپنا یہ ڈراما " میں نے غصے میں کہا - " میں نقشہ لے آیا ہوں - "

" کیا اسے معلوم تھا کہ میں یہاں انتظار کر رہا ہوں ؟ " اس نے میری سمت دیکھے بغیر پوچھا-

"اگر تمہارا مطلب لاما سے ہے - تو ہاں -" میں نے کہا -
اس نے تم کو پیغام بھیجا ہے کہ درمیانی راستہ بہت تنگ ہے
مگر بند نہیں ہوا ہے 'اور پگوڈا اب تک حقیقت کا منتظر ہے"-
یہ الفاظ جیسے بجلی بن کر اس پر گرے تھے 'وہ کچھ دیر سکتے کے
عالم میں رہا پھر سر اٹھا کر مجھے دیکھا 'چاند کی روشنی میں مجھے
اس کا چہرہ صاف نظر آرہا تھا 'جذبات کے اتار چڑھاؤ کی ایسی
جھلک میں نے نوپاہ کے چہرے پر پہلی بار دیکھی تھی 'میں نے
ایسے اتھاہ جذبات کا عکس پہلے صرف ایک بار دیکھا تھا 'جب
کالو سیتا میں ایک چینی سارنگ کو یہ بتلایا گیا کہ اسے پھانسی کی
سزا ہوگئی ہے 'پھر جس دن اسے پھانسی لگنی تھی اس سے
ایک رات قبل اسے بتلایا گیا کہ اس کی سزائے موت
معاف ہوگئی ہے - تو پہلے تو وہ سکتے کے عالم میں دیکھتا رہا' غصے
اور بے یقینی کے جذبات اس کے چہرے پر نمایاں تھے جیسے
التجا کر رہا ہو کہ کیوں مذاق کرتے ہو - ایک عجیب کرب کی
کیفیت تھی جس کو محسوس تو کیا جاسکتا ہے بیان نہیں - اور پھر
جب یقین آگیا تو اتنا شدید ردِ عمل ہوا کہ وہ خوشی سے سسکیاں
لینے لگا - نوپاہ پر بھی کچھ ایسا ہی جذباتی ردِ عمل ہوا تھا لیکن اس
کی وجہ میری سمجھ میں نہ آسکی -

میں نے جھنجلا کر کہا - "مجھے اس وقت غسل کر کے
ایک آرام دہ بستر کی ضرورت ہے 'اس کے علاوہ اچھا سا کھانا
اور صاف ستھرے کپڑے درکار ہیں ' اس لئے میں فرید
گھاٹ جا رہا ہوں 'تمہاری جو مرضی آئے کرو -" یہ کہہ کر میں
انتظار کئے بغیر روانہ ہوگیا -

کچھ دیر بعد وہ تیز تیز قدم رکھتا میرے پاس پہنچ گیا 'اب وہ
اپنے آپے میں آچکا تھا اور پہلے کی طرح مسکرا رہا تھا - ہم فرید
گھاٹ پہنچے تو صبح کا اجالا پھیلنے لگا تھا -

نوپاہ نے ایک صاف ستھرا ہوٹل تلاش کیا اور دو کمرے
بک کرائے ' سرحدی قصبہ ہونے کی وجہ سے ہر مسافر کو
ہوٹل میں ٹھہرنے کے بعد پولیس میں اندراج کرانا پڑتا تھا
لیکن بیس روپے میں یہ بلا بھی ٹل گئی ' میں نے جی بھر کے
غسل کرنے کے بعد کھانا کھایا اور بازار جا کر صاف ستھرے
کپڑے ' ریزر اور ٹوتھ برش خریدا ' اب میں خود کو انسان
محسوس کر رہا تھا -

کمرے میں آکر میں نے لاما کا دیا ہوا کاغذ نکال کر بستر پر
پھیلا دیا ' یہ بلاشبہ جہاز کا نقشہ تھا ' کمپاس کے ذریعے مختلف
ارض البلد اور طول البلد کی پیمائش کے اعداد اس پر درج
تھے ' میرے لئے ان کو سمجھنا دشوار نہ تھا ' نقشے کا کاغذ زرد اور
خستہ ہوچکا تھا ' بعض ہندسوں کی سیاہی ماند پڑ چکی تھی ' کنارے
پر جاپانی یا چینی حروف میں اندراجات تھے ' اس کو دیکھ کر
اندازہ ہوتا تھا کہ انہوں نے کس جانب سفر کیا تھا - میں تصور
میں راکجو کو دیکھ رہا تھا ' وہ اسٹیمر کے لیمپ کی روشنی میں
اپنے سفر کی سمت اور عرض کے اندراجات کر رہا تھا ' جاپانی
افسر اس کے پاس کھڑا ہدایات دے رہا تھا ' اس نے مختلف
ساحلی جزیروں کی پوزیشن کا اس نقشے پر اندراج کیا تھا ' لیکن
اس نے جو متعلقات نقشے پر دکھلائے تھے اس سے میرا ذہن
الجھ رہا تھا کیونکہ مجھے ان کے بارے میں علم نہ تھا ' سوائے
لکاڈپ کے - باقی سب نام میرے لئے انجانے تھے حالانکہ یہ
پورا ساحلی علاقہ میرا دیکھا ہوا تھا ' تریوندی 'ہدا ' دیدہ ' سیدہ - یہ
نام میں نے پہلے کبھی نہ سنے تھے ' میں نے ان تمام ساحلی
نقشوں کے بارے میں سوچنا شروع کیا جو اس علاقے کے سفر
کے دوران میں نے تیار کیے تھے ' مجھے ان جزائر کے تازہ ترین
نقشے کو حاصل کر کے موازنہ کرنا پڑے گا ' ممکن ہے یہ قدیم
انڈین میرین سروس کا کوئی نقشہ ہو اور جاپانیوں کے زمانے
میں ساحلی علاقوں کے سفر کے لئے استعمال ہوتا ہو ' پھر مجھے
راکجو کے آخری الفاظ یاد آئے - پانتھا گورس ' نارتھ
ایسٹ - ٹرائی ' ٹرائی ' ٹرائی - آخر اس سب کا مطلب کیا تھا؟
اس وقت میں اتنا تھک چکا تھا کہ ذہن کام نہیں کر رہا تھا - میں
نے نقشہ لپیٹ کر احتیاط سے رکھ دیا اور آرام کرنے لیٹ گیا -

چند گھنٹے آرام کے بعد جب میں بیدار ہوا تو طبیعت
بحال ہوچکی تھی ' لیکن ایک قسم کا اضطراب طاری تھا جیسے
نیند کے عالم میں لاشعور نے کوئی فیصلہ کر لیا ہو ' مجھے اس کی
عجیب و غریب داستان حقیقت محسوس ہونے لگی تھی اور
پہلی بار مجھے یقین آنے لگا تھا کہ سونا وہاں موجود ہے ' اس نقشے
کے کسی حصے پر اس کی نشاندہی موجود ہے اور اس حقیقت
اور میرے درمیان کوئی بچکانہ معما حائل ہے ' میں اس کو حل
کر کے رہوں گا ' اس کے لئے مجھے قدم بہ قدم محنت کرنا ہوگی '
ایک ایک اشارے کو سمجھنا ہوگا ' سب سے پہلے مغربی
ساحل کا جائزہ لینا چاہئے ' اور پھر مجھے اس نقشے کا موازنہ کسی
تازہ ترین مکمل نقشے سے کرنا ہوگا ' یہ نقشہ بمبئی میں بڑی
آسانی سے مل سکتا تھا ' اس قسم کے بحری نقشے جہاز رانوں کی
رہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے تھے لیکن ان میں
اتنا زیادہ فرق نہیں ہوسکتا ' ایک مرتبہ یہ معلوم ہوجائے کہ
کس ساحلی علاقے میں تلاش کرنا ہے پھر مسئلہ آسان
ہوجائے گا - ہم کسی بھی مچھلی پکڑنے والی کشتی پر وہاں پہنچ
سکتے تھے ' ابھی ہمارے پاس اس کام کے لئے کافی رقم موجود
تھی ' اور ایک مرتبہ ہمیں اس مقام کا صحیح پتا چل جائے پھر
اس کا سراغ لگالیں گے -

اسی لمحے نوپاہ وہاں آگیا - اس نے کپڑے اور ضرورت کی

دوسری چیزیں خرید کر ایک سوٹ کیس میں رکھ لی تھیں' ہم کچھ دیر نقشے کے بارے میں بات کرتے رہے' وہ کرسی پر بیٹھ گیا تو میں ایک بار پھر بستر پر دراز ہو گیا۔

"ٹھیک ہے نوپاہ۔ اب ہم یہاں سے بہت تیز رفتاری کے ساتھ سفر کریں گے۔"

"لیکن کہاں؟" اس نے سوال کیا۔ پہلی مرتبہ اس بارے میں اس نے مجھ سے دریافت کیا تھا۔

"واپس مغرب کی طرف۔" میں نے کہا۔ "مجھے بمبئی میں کچھ ضروری کام کرنے ہیں اس کے بعد ایک کشتی کا بندوبست کرنا ہو گا۔"

"یہ کام آسان نہ ہو گا۔" اس نے کہا۔

"تمہیں یہ اچانک ہو کیا گیا ہے؟" میں نے مذاق اڑایا۔ "اب تک ہم نے ان کو ہر مرتبہ شکست دی ہے۔"

"لیکن اب صورتحال مختلف ہے' پولیس کو علم ہے کہ تم اسی علاقے میں کہیں ہو اور وہ ہر جگہ چوکسی کے ساتھ نظر رکھ رہے ہیں۔"

میں نے اسے حیرت کے ساتھ دیکھا' نوپاہ میں یہ تبدیلی بالکل نئی تھی۔

"کیا تم بزدل ہو گئے ہو یا اس مہم سے ڈر آنے لگا ہے؟" میں نے غصے میں کہا۔ "اگر ایسا ہے تو ابھی بتلادو۔"

اس نے سر ہلایا۔ "میں بزدل نہیں ہوا.... مسٹر اوریلی۔" اس نے یقین دلایا۔ "بات یہ ہے کہ میں بہت فکر مند ہو گیا ہوں — پریشانی کی حد تک۔"

"لیکن کس بارے میں؟"

"تمہارے لئے۔ سنو' تمہارے خیال میں گوا کی حکومت ایک مفرور مجرم' ایک قاتل کی گرفتاری کے لئے کتنا انعام مقرر کرے گی؟"

میں نے ایک بناوٹی قہقہہ لگایا۔ "بھلا میں کیسے اندازہ لگا سکتا ہوں"

"دس ہزار روپے؟" اس نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے شک ہے کہ وہ سو روپے بھی خرچ کریں گے لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"کیونکہ بمبئی پولیس نے تمہارے بارے میں اطلاع دینے والے کے لئے یہی انعام مقرر کیا ہے' پہلے پانچ ہزار کی پیش کش تھی' اب دگنی کر دی گئی ہے۔"

"احمقانہ بات ہے۔" میں نے کہا۔ "کسی نے یونہی گپ اڑائی ہو گی۔" میں نے سوٹ کیس سے کپڑے نکال کر دیکھنا شروع کیے' پھر اپنے میلے کپڑے اتار کر نئے لباس کو پہننے لگا۔

"حماقت نہیں' میں سچ کہہ رہا ہوں۔" اس نے زور دے کر کہا۔ "انہوں نے تمہاری گرفتاری کے لئے جو انعام مقرر کیا ہے اس کے باقاعدہ اشتہار تقسیم کئے ہیں' تمہاری گرفتاری کا یہ اشتہار ہر جگہ لگا ہوا ہے' پولیس اسٹیشن پر' ریلوے اسٹیشن پر غرضیکہ ہر جگہ۔ میں نے سوچا تھا کہ ایک اشتہار کہیں سے اکھاڑ لاؤں لیکن پھر خطرہ مول لینا مناسب نہیں سمجھا۔ "مائیکل اوریلی عرف ریناڈ کی گرفتاری میں مدد دینے والے کو دس ہزار روپے انعام" اس پر تمہاری تصویر بھی چھپی ہے جس کے نیچے ایک نمبر بھی تحریر ہے۔ سی ایس پی ۳۸۴۹۔"

اب کوئی شک باقی نہ رہا تھا' میرا حلق خشک ہونے لگا۔

"اوہ! یہ تو بلاشبہ میرا ہی نمبر ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن اتنی بھاری رقم کا انعام؟ مجھے یقین نہیں آتا۔"

"لیکن یہ حقیقت ہے — اشتہار انگریزی اور ہندوستانی دونوں زبانوں میں ہے' اور سارے قصبے کی زبان پر اس کا تذکرہ ہے' اتنی بڑی رقم کے لالچ میں ہر آدمی تمہاری جان کا دشمن ہو سکتا ہے' میں تو اب ہوٹل والوں کی طرف سے بھی فکر مند ہوں۔"

اور اچانک مجھے شدت کے ساتھ خطرے کا احساس ہوا۔ میں نے فوراً کہا۔ "یہ صافہ میرے سر پر باندھ دو اور اس منحوس جگہ سے فوراً نکل چلو۔"

"کشتی کے ذریعے سفر زیادہ بہتر ہو گا۔" اس نے میرے سر پر صافہ باندھتے ہوئے کہا۔ "لیکن سوار ہونے میں دشواری ہو گی' اس لیے کہ گھاٹ پر ہر جگہ پولیس موجود ہے۔ ہر راستے کی چوبیس گھنٹے نگرانی ہو رہی ہے۔"

"یہاں سے اسٹیمر کی روانگی کے کیا اوقات ہیں؟"

"جب آسام سے چائے آنے کا موسم ہوتا ہے تو ہفتے میں دوبار۔ ایک اسٹیمر آج رات روانہ ہو رہا ہے۔"

"کیا اس پر زیادہ مسافر ہوتے ہیں؟"

"ہاں' عموماً مسافروں کا ہجوم ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ سوار ہو جائیں تو ہم کلکتہ تک آسانی سے سفر کر سکتے ہیں' بھیڑ بھاڑ میں زیادہ خطرہ نہیں ہو گا۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ ہم پہلے سوار ہو جائیں اور کرایہ اسٹیمر پر ہی ادا کریں؟"

اس نے سر ہلایا۔ "اس طرح چوری سے سوار ہونا ناممکن ہے — اسٹیمر پر جانے والی سیڑھی کے پاس دو پولیس والے کھڑے ہوتے ہیں۔"

"تو پھر بس سے سفر کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ناممکن' وہیں دھر لئے جائیں گے۔ ہر بس اسٹاپ پر پولیس نگرانی کر رہی ہے۔"

"پھر تم آخر کس مرض کی دوا ہو؟" میں نے جھنجلا کر کہا۔ "تم کو اچانک ہو کیا گیا ہے' ڈر گئے ہو؟"

"میں ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں۔" اس نے سادگی کے ساتھ جواب دیا۔ "لیکن اس وقت ہمیشہ سے زیادہ خوفزدہ ہوں' میری حالت اس آدمی جیسی ہے جو دریا میں گر پڑا ہو اور تیرنا نہ جانتا ہو۔ جسے ڈوبنے کا یقین ہو چکا ہو اور اس نے خود کو قسمت کے حوالے کر دیا ہو' ایسا شخص خوفزدہ بھی ہوتا ہے اور مایوس بھی' ایسے میں اس کی طرف کوئی کنارے سے رسّی پھینک دے تو مایوسی فوراً دور ہو جاتی ہے لیکن وہ ڈرتا ہے کہ کہیں رسّی ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔"

"مجھے فلسفہ نہ پڑھاؤ۔" میں نے غصے میں کہا۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"وہ نقشہ مسٹر اوریلی' وہ ڈوبتے کا آخری سہارا ہے۔ رسّی ہے جسے ہم نے ہاتھ میں پکڑ لیا ہے۔ اگر وہ ہاتھ سے نکل گیا۔ کسی اور ہاتھ میں پڑ گیا تو ......"

"لیکن ہم اس کی سخت حفاظت کریں گے۔"

"لیکن تم سمجھتے کیوں نہیں؟ ایک قدم غلط رکھا۔ ذرا سی غلطی ہو گئی۔ یا ہم پولیس کے ہاتھ لگ گئے تو سب سے پہلے وہ ہماری تلاشی لیں گے۔" وہ واقعی خوفزدہ تھا اور اب مجھے خائف کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن یہ بتلاؤ کہ پھر کیا کریں؟ یہاں بیٹھ کر بحث کرنے سے یہ مسئلہ کیسے حل ہو گا؟"

"مسٹر اوریلی! ہم کو چاہئے کہ جتنی جلدی ہو سکے ملابار پہنچنے کی کوشش کریں لیکن پہلے اس نقشے کی حفاظت کا بندوبست کرنا چاہئے' اس کا تمہارے پاس ہونا مناسب نہیں ہے۔"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ نقشہ تمہارے پاس زیادہ محفوظ ہو گا؟ تم مجھ سے یہی کہنا چاہتے ہو نا؟" میں نے پوچھا۔

اس نے سر ہلایا۔ "میرا یہی خیال ہے۔ ان کو ہندوستانی بھیس میں ایک انگریز کی تلاش ہے' اگر کسی نے تم سے پوچھ گچھ کر لی تو فوراً پکڑے جاؤ گے کیونکہ تم ہندوستانی زبان نہیں بول سکتے' جہاں تک میرا تعلق ہے میں آسانی سے ان کو چکمہ دے سکتا ہوں۔"

"پھر تو کوئی مسئلہ نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نقشہ میں تم کو ابھی یہیں پر دے سکتا ہوں۔"

"یہ بہت اچھا ہو گا۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔ اس کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا تھا۔

"ہاں' تمہارے لئے یہ بہت اچھا ہو گا کمینے آدمی!" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "مجھ سے جو کام تم کو لینا تھا وہ نکل گیا' اب تم نقشہ لے کر رفوچکر ہو جانا چاہتے ہو' تم مجھے اتنا احمق تصور کرتے ہو؟"

اس کے چہرے سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ ابھی رو پڑے گا۔

"تم مجھ پر اب بھی بھروسا نہیں کرتے مسٹر اوریلی؟" اس نے شکوہ کیا۔

"تم نے صحیح اندازہ کیا ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "نقشہ میرے ہی پاس رہے گا۔ سنو نوپلہ! ہمارے درمیان اب تک کوئی معاہدہ نہیں تھا لیکن اب میں تمہیں ایک پیشکش کرتا ہوں' اگر سونا اب تک وہاں موجود ہے اور ہم اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اسے وہاں سے نکال بھی لاتے ہیں تو دونوں برابر سے تقسیم کر لیں گے' لیکن یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب تم مجھے دھوکا دینے کی کوشش نہ کرو' سمجھ گئے؟" اس نے بلا کچھ کہے سر ہلا کر ہاں کہا۔ "ٹھیک۔ اب یہ بات بھی اچھی طرح سن لو کہ اب تک تم مجھے ہدایات دیتے رہے ہو لیکن آئندہ سے تم میرے کہنے پر عمل کرو گے' اگر تم نے پھر کوئی چالبازی کی تو سمجھ لو کہ معاہدہ ختم۔ تم کسی حصے کے مستحق نہیں رہو گے۔ سن لیا تم نے؟"

اس نے احتجاج کی کوشش کی لیکن میں کچھ سننے کو تیار نہ تھا۔ پہلی مرتبہ معاملات کو میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس صورتحال کو برقرار رکھوں گا' اس کے باوجود میں نروس تھا' اب اگر نقشہ میں نے کھو دیا تو سب کچھ کھو دوں گا' اگر نوپلہ نے اس کے بارے میں مجھے مکمل تفصیلات نہیں بتلائی تھیں اور وہ نقشے کے راز سے واقف تھا تو پھر مجھے اس پر کڑی نگاہ رکھنی ہو گی لیکن میں کسی وقت تو غافل ہو سکتا ہوں' چوبیس گھنٹے تو جاگ کر نہیں گزار سکتا۔

اور اسی لمحے مجھے ایک ترکیب سمجھ میں آئی' اور وہ اتنی آسان تھی کہ میں بے ساختہ مسکرا دیا۔ میں نے اس کی سمت دیکھا تو وہ بھی مسکرانے لگا۔ "اچھی بات ہے یار۔ چھوڑو اس بحث کو۔ ہم میں سے کوئی کسی کو دھوکا نہیں دے گا' ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت ہے' تم جا کر ایک لفافہ' قلم سیاہی اور ایک پچاس پیسے کا ٹکٹ لے آؤ۔"

ایک لمحے کو وہ ہچکچایا پھر بغیر کچھ کہے چلا گیا' میں کوئی اچھا سا نام سوچنے لگا اور جب نوپلہ واپس آ گیا تو میں نے لفافے پر لکھا "فادر ٹموتھی۔ جے ایس' معرفت جی پی او بمبئی۔"

اب یہ لفافہ بمبئی پہنچ کر میں خود وصول کر سکتا تھا۔ پتا لکھ کر میں نے دیکھا کہ نوپلہ تو نہیں دیکھ رہا۔ جب اطمینان ہو گیا تو میں نے نقشے کو اس کے اندر رکھ کر لفافہ بند کیا اور اسے اپنے کرتے کے اندر رکھ لیا۔

ہم جب ہوٹل سے روانہ ہوئے تو تاریکی پھیلی ہوئی تھی لیکن قصبے کی تنگ سڑکوں اور بازاروں میں چہل پہل تھی۔ پوسٹ آفس کے پاس پہنچ کر میں نے لفافہ لیٹر بکس میں ڈال دیا تو ایسا لگا کہ کوئی بڑا بوجھ سر سے اتر گیا ہو۔ "اب تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے نوپاہ سے کہا۔ "نقشہ ڈاک کے ذریعے پہنچ جائے گا اور میں نے جس کے پاس روانہ کیا ہے وہاں بالکل محفوظ رہے گا۔ بس شرط یہ ہے کہ تم مجھے بحفاظت وہاں تک پہنچا دو۔"

"تم نے بڑی دانشمندی سے کام لیا ہے مسٹر اوریلی۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "مناسب سمجھو تو یہ بتلا دو کہ کس شہر میں یہ لفافہ روانہ کیا ہے؟ اس سے کیا فائدہ ہوگا؟"

"فائدہ؟ کس کو فائدہ ہوگا؟"

"ہم دونوں کو۔" اس نے کہا۔ "تم میری بے عزتی کرنے میں اتنے مصروف تھے کہ میں یہ بتلانا ہی بھول گیا کہ اسٹیمر پر سیٹ بک ہوگئی ہے۔"

"واقعی؟ تم نے مجھے ہوٹل میں کیوں نہیں بتلایا؟"

"کیونکہ اس وقت تک نہیں ہوئی تھی، جب میں لفافہ لینے گیا تھا تو سارنگ یعنی کپتان سے ملاقات ہوگئی اور میں نے انتظام کرلیا۔" اس نے فاخرانہ انداز میں کہا۔

"خوب! تو اسٹیمر پر سوار ہونے سے پہلے پولیس کی چیکنگ والی کہانی صرف مجھے ڈرانے کے لئے تھی؟"

"گھاٹ پر پہنچ کے تصدیق کرلینا کہ کہانی تھی یا حقیقت ہے۔" اس نے غصے میں کہا۔ "میں تمہاری ان جلی کٹی باتوں سے عاجز آتا جارہا ہوں مسٹر اوریلی، یہ اسٹیمر کلکتہ جاتا ہے، اس لئے اگر تم نے نقشہ چٹاگانگ یا کہیں اور بھیج دیا ہے تو پھر..."

"تم فکر نہ کرو۔ نقشہ مل جائے گا۔"

ہم گھاٹ پر پہنچ گئے اور سب سے پہلی چیز جو میں نے دیکھی وہ یہ تھی کہ نوپاہ نے غلط نہیں کہا تھا۔ بجلی کی تیز روشنی میں اسٹیمر پر سامان لادا جارہا تھا اور نچلے ڈیک پر مسافروں کا ہجوم نظر آرہا تھا۔ پورا ڈیک کھچاکھچ بھرا ہوا تھا۔ باقی ماندہ تھوڑے سے مسافر پتلی سی سیڑھی چڑھ کر اوپر جارہے تھے اور سیڑھی کے برابر اور اوپر چھ سات پولیس والے چوکس کھڑے تھے اور بہت سے گھاٹ پر ادھر ادھر نگرانی کررہے تھے جیسے کسی کو تلاش کررہے ہوں، وہ ہر ایک کے کاغذات کی چیکنگ بھی کررہے تھے، میری تمام امیدوں پر اوس پڑگئی۔ صورتحال بہت نازک تھی۔

"اب کیا ہوگا؟" میں نے مایوسی کے عالم میں پوچھا۔

"سب سے پہلے تم اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا بند کرو۔" نوپاہ نے کہا۔ "ہم تاریکی میں چلتے ہوئے آگے بڑھیں گے، یہاں سے کچھ دور پر ایک کشتی ہے، ہم دریا پار کرکے دوسری جانب سے اسٹیمر پر سوار ہوں گے۔"

"تمہارا مطلب ہے ہم پانی میں تیرتے ہوئے عقبی حصے کی طرف جائیں گے؟" میں نے گھبرا کر کہا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" اس نے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "لیکن اگر پانی میں گر جاؤ تو ہاتھ پیر نہ چلانا، رات کو مگرمچھ آرام کرتے ہیں لیکن شور سن کر حملہ کرسکتے ہیں۔"

ہم چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ کر دریا کے دوسرے کنارے کی سمت بڑھنے لگے، ایک بڈھا اور ایک بچہ اس کو چلا رہا تھا، اسٹیمر کے بالکل پاس سے گزرتے ہوئے میں نے پُرامید لہجے میں سرگوشی کی۔ "کیا یہ ہم کو اسٹیمر کے عقبی حصے سے سوار نہیں کراسکتے؟ کچھ رقم دے دیں گے ان کو۔"

اس نے غصے میں دیکھا۔ "اور واپس جاکر انہوں نے پولیس کو بتا دیا تو؟"

ہم دریا کے پار پہنچ گئے۔ کنارہ بالکل ویران تھا اور ہر سمت سناٹا چھایا ہوا تھا، گھنی جھاڑیاں پانی کے کنارے پھیلی ہوئی تھیں، ہم کیچڑ میں چلتے ہوئے کچھ دور آگے گئے، اب اسٹیمر بالکل سامنے کھڑا تھا، اس کی روشنیاں پانی میں جھلملا رہی تھیں، ہمارے درمیان مشکل سے پچاس گز کا فاصلہ ہوگا لیکن میرے لئے یہ سو میل سے بھی زیادہ تھا۔ مجھے مگرمچھوں کے تصور سے خوف آرہا تھا۔ اگر میں پانی میں گر گیا تو... خوف سے جھرجھری آگئی۔ میں نے نوپاہ سے کہا۔ "سونا جائے جہنم میں۔ میں اس طرح سوار نہیں ہوسکتا۔"

اس نے بتلایا۔ "یہ جو لکڑی کے بڑے بڑے لٹھے دریا میں اسٹیمر کے بالکل قریب تک پھیلے ہوئے ہیں، اگر تم لکڑی کے ان لٹھوں پر احتیاط سے چلتے ہوئے آگے بڑھو تو پانی میں گرنے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔ بس آرام سے چلتے ہوئے بڑھتے رہو۔" میں اس کمبخت آدمی کے سامنے بزدلی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ڈر کے مارے میرا برا حال تھا۔ لکڑی کے بڑے بڑے لٹھے دریا میں پھیلے ہوئے تھے، ابتدا میں تو ان پر چلنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی لیکن جب ہم دریا کے بیچ پہنچے تو پیر پھسلنے لگے، لٹھے ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے بندھے ہوئے نہیں تھے اس لئے وزن سے گھوم جاتے تھے اور کہیں کہیں پھسل کر ایک دوسرے سے دور ہوجاتے تھے اس لئے ہم کو کود کر آگے جانا پڑتا تھا اور اگر ذرا سا توازن بگڑتا تو ہم پانی میں گرتے۔ خدا جانے ہم کیسے ان کے کنارے تک پہنچ گئے، لیکن

پھر بھی آخری لنٹھے اور اسٹیمر کے درمیان آٹھ نو فٹ کا فاصلہ رہ گیا - اگر خشک زمین ہوتی تو یہ فاصلہ کچھ بھی نہ تھا - بہ آسانی چھلانگ لگا کر اسٹیمر تک پہنچا جاسکتا تھا - لیکن ایک تو پانی میں گرنے کا خدشہ اور دوسرے رات کی تاریکی اور پھر مگرمچھوں کا خوف - میں نے ایک ترکیب سوچی اور لکڑیوں پر پیٹ کے بل لیٹ کر اپنے پیروں سے ان کو آگے بڑھانا چاہا - لیکن پھر بھی زیادہ دور نہ لے جاسکا - نوپاہ نے ہمت سے کام لیا اور جست لگاکر اسٹیمر کی آہنی گرکڑلی جو پانی کی سطح سے بس ذرا اونچی تھی ' میں نے بھی کھڑے ہوکر جست لگانی چاہی لیکن قسمت نے ساتھ نہ دیا - لکڑی کا لٹھا گھوم گیا اور میں منہ کے بل پانی کے اندر جاگرا -

میں نے گھبرا کر ہاتھ مارے تو اسٹیمر کے نیچے کا حصہ ہاتھ سے ٹکرایا - اس میں لگے ہوئے لوہے کے بولٹ کئی کئی انچ باہر نکلے ہوئے تھے لیکن پانی میں مسلسل رہنے سے ان پر کائی جم گئی تھی ' پھر بھی میں ان کو پکڑ کر اوپر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا ' میں پانی میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہ رہا تھا لیکن میری قمیص کسی بولٹ یا کیل میں پھنس گئی تھی اور کوشش کے باوجود نہیں چھوٹ رہی تھی ' نوپاہ جو اب اسٹیمر کے اوپر پہنچ گیا تھا ' اسٹیمر کی ریلنگ کو پکڑ کر جھکا ہوا تھا - اس نے ایک ہاتھ سے مجھے پکڑ کر پوری قوت سے اوپر گھسیٹا ' قمیص جھٹکے سے الگ ہوگئی لیکن میں اسٹیمر پر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا -

"میں نے تم کو خبردار کیا تھا کہ احتیاط سے کام نہ لوگے تو پانی میں گر جاؤ گے -" اس نے ملامت بھرے لہجے میں کہا - "تم یہیں ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں -"

لیکن میں اس بری طرح کانپ رہا تھا کہ کوئی جواب نہ دے سکا - خوش قسمتی سے اسٹیمر پانی کی سطح سے بمشکل دو فٹ اونچا تھا ورنہ شاید میں کبھی اوپر نہ پہنچ پاتا ' ہم نچلے عرشے پر پہنچ گئے تھے جو اس سمت تاریکی میں تھا - میں وہیں فرش پر پڑا تے کرتا رہا - ڈھیر سارا پانی پیٹ میں بھر گیا تھا' اٹھنے کی سکت نہ رہ گئی تھی - اسی لمحے روانگی کا سائرن بجا اور اسٹیمر کا انجن اسٹارٹ ہوگیا - یہ بابا آدم کے زمانے کے اسٹیمر جانے کیسے پانی کے سفر کے قابل رہ گئے تھے ' انجن کی کھڑکھڑاہٹ اور شور میں اسٹیمر نے حرکت کی - بالائی عرشے کی چھت میرے اوپر تھی - گھاٹ پر الوداع کہنے والوں کا ہجوم شور مچا رہا تھا' اسی لمحے نوپاہ واپس آگیا اور اس نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا - ریلنگ کے پاس کھڑے تمام مسافروں کی توجہ گھاٹ کی سمت تھی اس لئے ہم کسی کی نظر میں آئے بغیر سیڑھیاں

ایک دولت مند شخص عیاشی اور گھڑ دوڑ کے باعث دیوالیا ہوگیا - کسی نے اس سے پوچھا "تمہاری اتنی دولت آخر کہاں چلی گئی ؟"

"تیز عورتوں اور سُست رفتار گھوڑوں کے پاس" اس شخص نے جواب دیا -

☆☆○☆☆

ایک تاجر انکم ٹیکس کے دفتر گیا - وہاں وہ چاروں جانب دیکھ رہا تھا کہ ایک شخص نے کہا "جناب میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں ؟ آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں ؟"

"کسی سے بھی نہیں " تاجر نے کندھے ہلاتے ہوئے کہا " میں تو یہ دیکھنے آیا تھا کہ میں کن لوگوں کے لئے دن بھر محنت مشقت کرتا ہوں -"

☆☆○☆☆

چڑھ کر بالائی عرشے پر پہنچ گئے ' یہاں پر کل چھ عدد کیبن تھے جن پر فرسٹ کلاس تحریر تھا - ان میں سے ایک کا دروازہ کھلا ہوا تھا ' نوپاہ مجھے سہارا دیتے ہوئے اس میں داخل ہوا - اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کرکے بولٹ لگادیا ' میں نے کیبن کا جائزہ لیا ' دو دیوار گیر نشستیں تھیں جن کے گدے میلے اور بوسیدہ تھے ' ایک خستہ حال کرسی کونے میں رکھی تھی اور لاتعداد لال بیگ ادھر اُدھر گھوم رہے تھے - اس کے ساتھ ہی بدبو اتنی شدید تھی کہ میرا دم گھٹنے لگا تھا -

"یہ منحوس سفر کتنی دیر کا ہوگا؟" میں نے پوچھا -

"پورے پانچ دن کا -" نوپاہ نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا -

"میں اس گندے کیبن میں پانچ منٹ بھی نہیں ٹھہر سکتا" میں نے کہا - "تم کو احساس نہیں کہ اس میں تعفن کتنا شدید ہے ؟"

"یہ تعفن کیبن میں نہیں ' تمہارے جسم سے اٹھ رہا ہے" اس نے ہنستے ہوئے کہا -

اور پھر اس نے مجھے بتلایا کہ جس جگہ میں پانی میں گرا تھا وہاں اسٹیمر نے اپنے بیت الخلا کا تمام گند خالی کیا تھا اور میرا جسم اور لباس اسی غلاظت سے بھرا ہوا تھا - "تم اپنے کپڑے اتار دو - میں اسٹیمر کے بھنگی سے اس کو دھلوا لوں گا"

اور اس وقت مجھ پر انکشاف ہوا کہ میرے جسم پر صرف پتلون باقی بچی تھی ' مجھے اپنی قمیص کی فکر نہ تھی ' وہ تو آسانی سے مل جاتی لیکن اس کے ساتھ ہی کمر سے بندھی ہوئی وہ

پیٹی بھی غائب تھی جس میں میرے پانچ ہزار روپے بندھے ہوئے تھے‘ میں نے مایوسی کے عالم میں نوپاہ کو بتلایا کہ میں کنگال ہوگیا ہوں۔

”تم جس انداز سے چل رہے ہو مسٹر اوریلی! اس کا یہی انجام ہونا چاہئے تھا۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

صدمہ ایسا تھا کہ کافی دیر تک میرے لبوں سے آواز نہ نکل سکی اور جب میں بولنے کے قابل ہوا تو اتنا کہہ سکا۔

”چلو خیر‘ کم از کم نقشہ تو محفوظ ہے——“ جب وہ کچھ نہ بولا تو میں نے جھوٹی تسلی دی۔ ”مجھے افسوس ہے‘ لیکن تم مجھے الزام نہیں دے سکتے‘ پیٹی بھی میری قمیص کے ساتھ کسی چیز سے الجھ کر ٹوٹ گئی ہوگی۔“ میں دروازے کی سمت بڑھا۔ ”آؤ۔ شاید تلاش کرنے سے مل جائے۔“

لیکن ہم دونوں جانتے تھے کہ اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ اسٹیمر کافی دور نکل آیا تھا‘ پھر بھی ہم نچلے عرشے تک گئے اور مسافروں کے ہجوم کو چیرتے ہوئے‘ سامان کو پھلانگتے ہوئے عقبی حصے میں پہنچے اور یاس والم کے عالم میں اس جگہ کو دیکھتے رہے جہاں سے جست لگا کر سوار ہوئے تھے‘ کچھ دیر بعد ہم پھر اپنے کیبن میں واپس آگئے۔

میں نے ہمت کرکے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

”اب پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں۔“ میں نے کہا۔ ”آئندہ ہمیں بڑی احتیاط سے خرچ کرنا ہوگا‘ غنیمت جانو کہ ساری رقم میرے پاس نہ تھی۔“

”لیکن رقم جو بھی تھی سب تمہارے ہی پاس تھی۔“ اس نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے‘ ٹھیک ہے۔“ میں نے بگڑ کر کہا۔ ”تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو‘ آدھی رقم تمہارے پاس تھی‘ تقریباً پانچ ہزار تھے‘ جو بچے ہیں۔ ان کو احتیاط کے ساتھ خرچ کریں گے۔“

”تم شاید بھول گئے کہ اب تک اپنے اور تمہارے اخراجات میں ادا کرتا رہا ہوں‘ صرف چار ہزار بائیس روپے باقی بچے تھے۔“ اس نے جواب دیا۔ بات سچ تھی اور میرے پاس کوئی جواب نہ تھا—— اب تک اس نے مجھے کچھ خرچ نہیں کرنے دیا تھا۔

”میں نے کہہ تو دیا کہ مجھے افسوس ہے۔“ میں نے کہا۔ ”اب اس سلسلے میں میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔“

”لیکن میرا خیال ہے کہ تم کو سننا پڑے گا۔“ اس نے جواب دیا۔ ”تم ہی بتلاسکتے ہو کہ بائیس روپے پچیس پیسے میں کس طرح گزارہ ہوگا۔“

”کیا بک رہے ہو……؟“ میں گھبرا کر چیخا۔ ”ابھی تو تم نے کہا تھا……“

”تم نے مجھے پوری بات کہاں کرنے دی مسٹر اوریلی‘ تم مجھے کب بولنے دیتے ہو‘ میں بتلانے جارہا تھا کہ اسٹیمر سے سفر کا کرایہ بھی میں نے ادا کیا ہے۔“ اس نے اچانک دروازے کا رخ کیا۔ ”لیکن میرا خیال ہے کہ تم بہت تھک گئے ہوگے اس لئے آرام کرو۔“

میں نے لپک کر اس کو گردن سے پکڑلیا اور اپنی طرف گھما کر کہا۔ ”یہ تم کون سی چال چل رہے ہو؟“ میں نے غراتے ہوئے کہا۔ ”اس کباڑہ اسٹیمر کا کرایہ کتنا ہے؟“

”فرید گھاٹ سے کلکتہ تک فرسٹ کلاس کا کرایہ پچھتر روپے ہے‘ کھانے کے بغیر۔“

”ٹھیک ہے‘ دو آدمیوں کا کرایہ صرف ایک سو پچاس روپے ہی تو بنا۔“

”عام حالات میں۔“ اس نے بات کاٹ کر کہا۔ ”یہ کرایہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کے پاس کاغذات ہیں‘ پاسپورٹ ہے‘ سرحدی علاقے میں سفر کرنے کا پرمٹ ہے‘ لیکن ہمارے پاس کیا ہے اوریلی صاحب؟ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ دو ہزار فی کس کے حساب سے ہم کو برتھ مل گئی—— کپتان نے اس سے دُگنے کا مطالبہ کیا تھا۔“

”تم نے ساری رقم کرائے میں خرچ کردی؟“ میں نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اتنے میں تو یہ کھٹارا اسٹیمر مہنگا ہے۔“

”غیر قانونی طریقے سے مسافر لے جانے کی سزا سات سال قید بامشقت ہے۔“ اس نے کہا۔ ”آمدو رفت کے دوران ہم کو یہاں سے کلکتہ تک تین مرتبہ غیر ملکی سرحد پار کرنی پڑتی ہے۔“

میں مایوس ہوکر بیٹھ گیا‘ اب بحث کرنا بیکار تھا۔ وہ میری گندی پتلون دُھلوانے کے لئے لے گیا اور جب واپس آیا تو…

کسی مسافر سے ایک قمیص بھی لے کر آگیا‘ اس نے بتلایا کہ اب صرف اُنیس روپے باقی بچے ہیں۔ ہر مرتبہ جب وہ کھانا لے کر آتا تو مجھے بتلادیتا کہ کتنی رقم باقی بچی ہے‘ تیسرے دن مجھ سے برداشت نہ ہوسکا اور میں نے کہا کہ اب اگر اس نے رقم کا ذکر کیا تو میں اسے اٹھا کر پانی میں پھینک دوں گا۔

لیکن اس سے مسئلہ حل نہیں ہوسکتا تھا‘ ہم واقعی بڑی مصیبت میں پھنس گئے تھے‘ ہمیں ایک طویل سفر طے کرنا تھا‘ کلکتہ سے بمبئی تک ٹرین کا کرایہ بھی کافی تھا‘ اس کے علاوہ دیگر اخراجات اور پھر ایک عدد موٹر بوٹ کرائے پر حاصل کرنے کا مسئلہ بھی تھا‘ میں نے حوصلہ چھوڑ دیا۔ اب

کچھ نہیں ہو سکتا تھا' میں بھی نوپاہ کی طرح خاموش بیٹھ کر دریا کے گدلے پانی کو گھورنے لگا' جب بھی کوئی چیک پوسٹ آتی کپتان آکر ہمیں سب سے نیچے ایک خفیہ تہہ خانے میں پہنچا دیتا جہاں ہم چند گھنٹے لڑتے رہتے' جب پاکستانی یا ہندوستانی پولیس چیکنگ کر کے چلی جاتی تو ہمیں اس منحوس کال کوٹھری سے رہائی ملتی۔

آخر میں اس مصیبت کا حل بھی نوپاہ کو ہی سوجھا۔ ایک دن ہم دونوں مہاتما بدھ کی طرح خاموش اور ساکت بیٹھے اپنی مصیبت پر غور کر رہے تھے کہ اچانک نوپاہ نے خاموشی توڑی۔

"میڈم.....! " وہ اچھل کر بولا۔

"یہ اچانک میڈم کیسے یاد آگئیں؟"

"ان کے پاس پیسے کی کمی نہیں۔ بہت مالدار ہیں اور ممکن ہے' کچھ رقم قرض دے دیں۔ ہم ان کو مع سود کے واپس کر دیں گے۔"

"لیکن جولی بمبئی میں ہے اور ہم کلکتہ کی طرف سفر کر رہے ہیں۔"

"اگر ہم کسی طرح ان سے رابطہ کر سکیں تو رقم ڈاک کے ذریعے فوراً آسکتی ہے۔"

اور اچانک ہی ترکیب ذہن میں آگئی۔ "شٹ اپ۔" میں نے اسے ڈانٹا۔ "مجھے سوچنے دو۔"

میں سوچتا رہا لیکن اپنی ترکیب سے مطمئن نہ ہوا۔ یہ کام آسان نہ تھا۔ بلاشبہ جولی مجھے بہت پسند کرتی تھی لیکن وہ بیوقوف نہ تھی' اس سے زبانی بات کر کے تو کوئی چکر چلایا جاسکتا تھا لیکن خط کے ذریعہ مطمئن کرنا اور بات تھی۔

"اگلا اسٹاپ کہاں ہوگا؟" اچانک میں نے پوچھا۔

"دالو۔" اس نے بتلایا۔

"کیا وہاں سے فون پر بات ہو سکتی ہے؟"

"شاید۔ کم از کم کوشش کرنے میں کیا حرج ہے' اگر وہاں سے ممکن نہ ہوا تو ڈائمنڈ ہاربر سے یقینی طور پر ہو جائے گا' ہم وہاں اگلے روز پہنچیں گے' اب چونکہ ہم سرحد سے دور نکل آئے ہیں اس لئے گھاٹ پر پولیس چیکنگ نہیں کرے گی۔"

"تمہارے پاس رقم کتنی بچی ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم کہ فون پر کتنا خرچ آئے گا لیکن ہمارے پاس صرف گیارہ روپے باقی بچے ہیں۔"

"لاؤ مجھے دو' اس کے بعد تم جہاں مرضی آئے جاسکتے ہو۔" میں نے جل کر کہا۔

ہم شام کو دالو پہنچ گئے' سندربن کے علاقے میں دوسرے مقامات کے مقابلے میں یہ ایک گمنام سی جگہ تھی۔ ایک

"تمہارا گانا سن کر مجھے حیرت ہوتی ہے۔"

"جی ہاں' میں نے فنِ موسیقی کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے اور گانا سیکھنے پر پورے پچاس ہزار روپے خرچ کئے ہیں۔"

"میں اپنے والد سے ملواؤں گی تمہیں۔"

"کیا وہ ٹی وی پروڈیوسر ہیں؟"

"نہیں تو...!"

"پھر کیا ہیں...؟"

"میرے والد اصل میں وکیل ہیں۔ ان کی کوششوں سے تمہارے ۵۰ ر ہزار روپے واپس مل جائیں گے۔"

☆☆○☆☆

گھاٹ' ایک معمولی سا بازار' پولیس اسٹیشن' کچے مکانات اور جھونپڑیوں پر مشتمل مختصر سی آبادی اور آبادی سے باہر جوٹ مل کی ایک بلند چمنی جس سے دھواں نکل رہا تھا۔ اسٹیمر گھاٹ پر لگتے ہی مسافروں کے شوروغل اور ہنگامے کے درمیان ہم بھی نیچے اتر گئے' سیڑھیوں پر جو نوٹس لگایا گیا تھا اس کے مطابق روانگی صبح دو بجے تھی اس طرح ہمیں کافی وقت مل گیا تھا۔ گھاٹ پر صرف ایک پولیس والا ڈیوٹی پر تھا جو چائے کی پٹی پر بیزار سا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ہماری طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

ٹین کی چھت والی بلڈنگ میں قائم پوسٹ آفس بازار کے آخری سرے پر واقع تھا' برآمدے میں ایک ٹیلی فون کا بوتھ تھا۔ ہم نے موقع غنیمت جانا' نوپاہ نے معلوم کیا تو بمبئی کے لئے کال آٹھ روپے میں بک ہوئی' کوئی آدھ گھنٹے کے بعد سلسلہ مل سکا اور جولی کے بٹلر کی آواز سنائی دی' میں نے اس سے کہا کہ میڈم سے کہو کہ کیپٹن جونز فوراً بات کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ دیر بعد کرنل کی بھاری آواز سنائی دی۔ "ہیلو" اس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے۔ میڈم اس وقت بہت مصروف ہیں' میں کوئی خدمت کر سکتا ہوں تو بتلایئے؟"

میں نے امریکن لہجے میں اسے سمجھایا کہ میڈم سے مجھے ضروری گفتگو کرنا ہے جو کسی اور سے نہیں کی جاسکتی' شاید میرے پُرِوقار لہجے کا اثر تھا کہ جولی فوراً لائن پر آگئی۔

پہلے میں نے اس کو خبردار کیا۔ "جولی! پہلے اس بات کا یقین کر لو کہ کوئی اور تو ہماری گفتگو نہیں سن رہا ہے۔ میں مائیک بول رہا ہوں۔"

ایک لمحہ خاموشی رہی' شاید وہ خود نہیں چاہتی تھی کہ کوئی ہماری بات سنے' غنیمت ہے کہ اس نے نام سنتے ہی سلسلہ

نہیں منقطع کیا تھا۔ ذرا دیر بعد اس کی پُرجوش آواز سنائی دی۔
"احمق، یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟"
"میں اس وقت کچھ نہیں بتلا سکتا، جب وقت ختم ہونے لگے تو تم اپنے خرچ پر بڑھوالینا کیوں کہ میں ادا نہیں کر سکتا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "مجھے کچھ رقم کی فوری ضرورت ہے جولی اور یہ تم کو منافع کے ساتھ واپس مل جائے گی۔ میں فون پر تفصیل نہیں بتا سکتا لیکن۔۔۔"
"اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے بھی خبریں مل جاتی ہیں۔ تم تو جانتے ہو۔"
"لیکن تم نے اس کے بارے میں نہیں سنا ہوگا۔ یہ بہت بڑا کام ہے، بہت بڑا۔"
"جانتی ہوں۔ میں نے سب کچھ سن لیا ہے۔ تمہاری گرفتاری کے لئے باقاعدہ انعام کا اعلان ہو چکا ہے۔"
"اوہ! وہ تو بہت معمولی سی رقم ہے۔ تم میری فکر نہ کرو۔"
"پچاس ہزار معمولی رقم نہیں ہوتی۔ لوگ ہر جگہ تمہاری تلاش میں سرگرم ہیں۔"
کس کمبخت نے پچاس ہزار کہے۔ میں نے اشتہار خود پڑھا ہے، صرف دس ہزار انعام ہے۔"
"میں پولیس کے اشتہار کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ خیر یہ بتاؤ کہ۔ تم کیا چاہتے ہو۔"
"مجھے منی آرڈر کے ذریعے پانچ ہزار روپے روانہ کردو۔"
"منی آرڈر سے پانچ سو سے زیادہ نہیں بھیجے جاسکتے۔"
"ٹھیک ہے، تو اتنی ہی رقم بھیج دو لیکن ابھی نہیں، میں تم سے بعد میں رابطہ کروں گا۔"
"یہاں نہ آنا۔ سمجھے؟ یہاں کی نگرانی ہو رہی ہے۔ رقم کس پتے پر بھیجوں؟"
"کیپٹن فریڈرک جونز، پوسٹ آفس ڈائمنڈ ہاربر کے پتے پر۔ میں وہاں سے وصول کرلوں گا۔"
"ٹھیک ہے۔"
اس سے پہلے کہ میں شکریہ ادا کرتا اس نے سلسلہ منقطع کردیا۔ مجھے معلوم تھا کہ جولی مایوس نہ کرے گی۔ مجھے اس کے جواب سے ناقابلِ بیان اطمینان محسوس ہوا تھا جو میرے چہرے سے بھی ظاہر ہو رہا تھا کیوں کہ نوپاہ کی خوشی سے باچھیں کھلی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ ہم دونوں خوشی خوشی پوسٹ آفس سے باہر نکلے تو اس نے پوچھا۔
"یہ بتلاؤ کہ رقم کہاں کے پتے پر منگوائی ہے؟"
ڈائمنڈ ہاربر کے پوسٹ آفس کی معرفت۔"
"لعنت ہو تم پر!" اس نے کہا۔ "مجھے تم کو پہلے ہی خبردار کردینا چاہئے تھا کہ پوسٹ آفس کا بابو شناخت کے بغیر رقم ادا نہیں کرے گا، پاسپورٹ یا کوئی خط جس سے شناخت ہو سکے، ضروری ہوگا۔"
"اسی لئے میں نے کلکتہ کے بجائے ڈائمنڈ ہاربر کو ترجیح دی۔" میں نے کہا۔ "مجھے وہاں کی صورتحال معلوم ہے، یہ ہگلی کا پائلٹ اسٹیشن ہے، بحری جہاز کے افسران تمام دن آتے جاتے رہتے ہیں، پوسٹ آفس والے کسی سے نہیں پوچھتے۔ میں نے خود اپنے نام ایک مرتبہ رقم بھیجی تھی۔"
"لیکن جہاز کے افسران ایسے میلے کپڑوں میں نہیں آتے۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔
"کہیں سے مجھے ایک سفید پتلون اور قمیص لاکر دو۔" میں نے کہا "افسران عموماً وردی میں نہیں آتے۔"
میں اسٹیمر پر تنہا واپس آگیا اور نوپاہ کو بازار میں گھومنے کے لئے چھوڑ دیا۔ کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر کے میں برتھ پر لیٹ گیا اور تازہ ترین صورتحال پر غور کرنے لگا۔
پچاس ہزار روپے، بھلا کون میرے لئے اتنا بھاری انعام مقرر کرے گا؟ دس ہزار تو خیر سمجھ میں آتے تھے حالانکہ یہ بھی بہت بڑی رقم تھی اور ایک عام مفرور مجرم کے لئے زیادہ تھی، ممکن ہے گوا کی حکومت نے ہندوستانی پولیس کے ذریعے ایسا کیا ہو لیکن جولی کہہ رہی تھی کہ یہ انعام پولیس کی طرف سے نہیں ہے، پھر کون ہو سکتا ہے، اور کیوں؟ کیا سونے والی بات افشا ہوگئی تھی، لیکن یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ سوائے راکھو اور نوپاہ کے اب تک یہ راز کسی کو نہیں معلوم تھا، پھر میں اس کا شریکِ راز بنا۔
کیا نوپاہ کے بچے نے کچھ چھپایا ہے؟ کیا کچھ دوسرے لوگ بھی اس راز کو جانتے ہیں؟ آخر میری گرفتاری کے لئے اتنا بھاری انعام کس لئے؟ میرا ذہن اس گتھی کو سلجھانے میں ناکام رہا۔ مجھے استعمال کیا جا رہا تھا۔ ٹھیک ہے، ان کو یہی سمجھنے دو کہ میں ان کے جال میں پھنس رہا ہوں۔ وہ خواہ کوئی بھی ہوں۔ نوپاہ یا کوئی دوسرا شخص، یہ راز صرف مجھے معلوم تھا کہ نقشہ کہاں ہے، کل مجھے پانچ سو روپے مل جائیں گے، اس کے بعد میں بمبئی کا رخ کروں گا، خطرہ بہت تھا لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ نقشہ ملتے ہی کسی طرح جولی سے ملاقات کا بندوبست کروں گا، مزید جتنی رقم درکار ہوگی اس کا بار وہ خود اٹھائے گی۔ سب کو جہنم میں ڈالو، جولی سے بہتر اس مہم میں کوئی اور مددگار نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک مرتبہ میں سونے کا سراغ لگالوں اور اسے خفیہ مقام سے نکالنے میں کامیاب ہو جاؤں پھر باقی انتظام وہ خود کرلے گی، میں تنہا یہ کام

نہیں کر سکتا تھا - ہاں ' بس اس سے بہتر اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی - جہاں تک نوپاہ کا تعلق تھا وہ اس کام میں برابر کا شریک تھا - میں اسے جیسے چاہوں استعمال کر سکتا تھا لیکن وہ میری گرفت میں تھا اس سے باہر نہیں نکل سکتا تھا - جس لمحے مجھے محسوس ہوا کہ وہ دھوکا دے رہا ہے اسے چلتا کر دوں گا ' لیکن اس پر کڑی نگاہ رکھنا ہوگی ' خصوصاً نقشہ مل جانے کے بعد اور اب مجھے ہر حال میں بمبئی پہنچنے کی کوشش کرنا تھی - میں یہ سوچتے سوچتے جانے کب سو گیا ' اسٹیمر کی روانگی کا شور بھی میری نیند میں خلل نہ ڈال سکا -

اس پورے عرصے میں ایسی میٹھی نیند کبھی نہیں آئی تھی - صبح آنکھ کھلی تو سورج طلوع ہو رہا تھا - دریچے سے دھوپ اندر آرہی تھی ' میں خود کو بڑا ہشاش بشاش محسوس کر رہا تھا - ساری تھکان دور ہو گئی تھی - دروازے پر دستک ہوئی ' میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو نوپاہ گرم گرم چائے لئے ہوئے اندر داخل ہوا - اتنی بد مزہ چائے میں نے کبھی نہیں پی تھی ' وہ بہت خوش نظر آرہا تھا اور اتنے فاخرانہ انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہو -

" بہترین چائے ہے - " اس نے کہا اور برتھ سے ایک سفید پتلون اور موزے اٹھا کر سامنے رکھ دیے - " کمشنر کے عقبی باغیچے سے اڑا کر لایا ہوں - "

لیکن میں نے دیکھ لیا تھا کہ کپڑے بالکل نئے تھے - میرے اس شبہے کو تقویت ملی کہ اس نے کچھ رقم مجھ سے چھپا کر رکھ چھوڑی تھی - اس کا یقین اس وقت ہو گیا جب اس نے ریزر ' کنگھا ' تولیا ' اور ضروریات کی دوسری اشیا میرے سامنے رکھ دیں - یہ تمام چیزیں وہ چوری کر کے نہیں لا سکتا تھا - بلاشبہ وہ بازار سے خرید کر لایا تھا - لیکن میں نے انجان بن کر اس کی تعریف کی کہ وہ بہت چالاک تھا - وہ اپنی تعریف سن کر اور پھول گیا -

ہم سہ پہر کو ڈائمنڈ ہاربر پہنچے ' مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ چھ مال بردار جہاز لنگر انداز تھے ' ڈائمنڈ ہاربر دریائے ہگلی کے مقام پر واقع ہے ' اسّی میل کا خطرناک سفر طے کرنے کے بعد بڑے جہاز کلکتہ کی گودی تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں - ریت کے جگہ بدلتے ہوئے تودے اور باڑھ کے پانی کے ساتھ بہہ کر آنیوالا ملبہ تین میل چوڑے راستے کو جہازوں کے لئے نت نئے خطروں سے دوچار کرتا رہتا ہے - ہگلی پائلٹ دنیا میں بہترین شمار کئے جاتے ہیں لیکن انکی تعداد ہمیشہ ناکافی ہوتی ہے اس لئے یہاں پائلٹ کے انتظار میں جہازوں کا ایک ہجوم رہتا ہے کیونکہ کوئی بھی کپتان پائلٹ کے بغیر آگے بڑھنے کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں ہوتا -

میں اسٹیمر سے نیچے اترا ' نوپاہ کچھ فاصلے سے میرے پیچھے تھا ' یہاں بہت سے لوگ میری طرح کا لباس پہنے ہوئے نظر آرہے تھے ' جونیئر افسران ٹہلتے ہوئے ہاربر کلب کی سمت جا رہے تھے - کچھ بازار کی سمت جا رہے تھے - مجھے ایک پائلٹ نظر آیا جو ایک مرتبہ میرا جہاز بندرگاہ تک لایا تھا ' ایک لمحے کو میں سمجھا کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہے ' میرا دل اچھلنے لگا تھا لیکن وہ برابر سے گزر گیا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا -

پوسٹ آفس بند ہونے والا تھا اور لوگوں کا ہجوم حد سے زیادہ تھا ' میں ان کے درمیان راستہ بناتا ہوا کاؤنٹر تک پہنچا اور بلند اور بارعب آواز میں بابو کو آواز دی -

" کیپٹن فریڈرک جونز کے نام ایک منی آرڈر آیا ہوگا - " میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا -

" اپنی شناخت بتلایئے پلیز - " بابو نے اچانک کہا -

میں ایک لمحے کو بدحواس ہو گیا لیکن وہ انتظار کئے بغیر مڑ گیا اور ایک رجسٹر میں دیکھنے لگا ' اس کے بعد ایک فارم نکالا اور اس پر دستخط کر کے آہنی جنگلے کے پیچھے بیٹھے ایک دوسرے بابو کو دیا جس نے کیش بکس سے روپے نکالے اور گن کر اس کو دے دیے ' اسی دوران ایک بنگالی نے مجھے دھکا دیا ' وہ تار بھیجنا چاہتا تھا لیکن تار بابو نے بتلایا کہ وقت ختم

☆☆ ازدواجیات ☆☆

میاں بیوی عدالت میں پیش ہوئے -

شوہر کی حالت اتنی غیر تھی کہ اسے دو آدمیوں نے سہارا دے کر کھڑا کیا - اس کے سر پر پٹیاں بندھی تھیں - ایک ہاتھ گلے میں پڑی ہوئی پٹی میں پڑا تھا - ایک ٹانگ پر لکڑی کی کھپچی لگی تھی اور بیساکھیوں کے سہارے کے بار جو دوسروں کا محتاج تھا -

جج نے کہا " کیا شکایات ہیں ؟ "

بیوی گرج کر بولی " جناب عالی ! میرا شوہر انتہائی ظالم شخص ہے - اس نے میری آنکھ پر گھونسا مارا ہے - "

جج نے شوہر کو دیکھا اور بولا " اس کی اپنی حالت اتنی خراب ہے - یہ بے چارہ تمہارے اوپر کیا ظلم کرے گا ؟ "

بیوی بولی " اس کی یہ حالت تو گھونسا مارنے کے بعد ہوئی ہے جج صاحب ! "

ہو چکا ہے۔ بنگالی نے پورے عملے کو صلواتیں سنانا شروع کر دیں۔ کاہل، کام چور، اور بے ایمان بنا ڈالا۔ میں نے فوراً ہی اس کو تحکمانہ لہجے میں ڈانٹا کہ سرکاری ملازمین کو گالی دینا جرم ہے۔ یہ بیچارے تو سارا دن دیانتداری اور محنت سے کام کرتے ہیں۔ بنگالی نے مجھے خونی نظروں سے دیکھا اور باہر نکل گیا، اس ستائش کے نتیجے میں بابو میری شناخت دوبارہ پوچھنا بھول گیا اور اس نے فارم میری سمت بڑھایا۔ میں نے دستخط کئے اور رقم وصول کر کے بھیڑ کو چیرتا ہوا باہر نکل گیا۔ نوپاہ منتظر کھڑا تھا، ہم دونوں اپنی کامیابی پر زیرِ لب مسکراتے اپنے اسٹیمر پر واپس پہنچ گئے۔

"اب ایک مشکل مرحلہ تو حل ہو گیا۔ لیکن قادر پور کی بندرگاہ پر پولیس بھی ہوگی اور آنے اور جانے والے مسافروں کے کاغذات کی چیکنگ بھی ہوگی۔" نوپاہ نے کہا۔

"لیکن ہم کو تو وہاں نہیں اترنا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں، لیکن احتیاط ضروری ہے۔" اس نے خبردار کیا۔

ہم صبح تین بجے قادر پور کی بندرگاہ پر پہنچے اور سورج نکلنے تک دریا میں ہی لنگر انداز رہے۔ اس کے بعد کلکتہ کی بندرگاہ آنا تھی اس لئے میں آئندہ کا پروگرام سوچنے لگا، اب ہر بات کے لئے میں نوپاہ پر بھروسا کرنے کی عادت ترک کر چکا تھا۔ اب مجھے ایک سستے لیکن اچھے سے سوٹ کی ضرورت تھی، یہ سفید کپڑے کلکتہ کی بندرگاہ تک تو ٹھیک رہیں گے لیکن ٹرین کے لمبے سفر میں میلے ہو جائیں گے، اور کسی یورپین کا میلے لباس میں نظر آنا مشکوک ہوگا۔ اس کے علاوہ بمبئی کے فیشن کے مطابق ایک ہیٹ اور رنگین عینک بھی ضروری ہوگی۔ ہم ٹرین کے سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیں گے تاکہ کفایت رہے اور تیز رفتار میل ٹرین سے روانہ ہو جائیں گے۔ میں بمبئی کے نواحی علاقوں کے کسی اسٹیشن پر اتر جاؤں گا اور روپوش ہو کر جولی سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

بندرگاہ کے شور سے میری آنکھ کھل گئی، اسٹیمر لنگر انداز ہو چکا تھا، میں کیبن سے نکل کر عرشے پر آگیا۔ کلکتہ کی روشنیاں دریا کے دونوں کناروں پر جھلملا رہی تھیں۔ قادر پور گھاٹ پر جہاز دن رات مال اتارتے رہتے ہیں، اس وقت بھی کئی مال بردار جہاز لنگر انداز تھے۔ میں ان کو للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھتا رہا، ایک ہفتے پہلے یہ میرے لئے سنہری موقع ہوتا، میں بہ آسانی کسی بھی غیر ملکی جہاز پر پہنچ سکتا تھا۔ اس کے بعد چھپ کر سفر کرنا میرے لئے دشوار نہ ہوتا۔ میں ایک تجربے کار ملاح تھا اور عام آدمی کے برخلاف آسانی سے بغیر ٹکٹ سفر کر سکتا تھا اگر ایک مرتبہ کسی جہاز پر پہنچ جاتا تو ہندوستان کی ساری پولیس بھی میرا سراغ نہیں لگا سکتی تھی لیکن اس وقت فرار کا تصور بھی ذہن میں نہیں آیا۔ اب ایک اور کشش مجھے اپنی جانب گھسیٹ رہی تھی، سونے کی کشش۔ اور اس میں اتنی قوت تھی کہ میں بے بس ہو چکا تھا۔

آہٹ سن کر میں پلٹا، ایک ملاح میری سمت آ رہا تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے کہا۔ "کشتی تیار ہے صاحب۔"

میں نے پریشانی کے عالم میں ادھر اُدھر دیکھا تو ملاح مسکرایا۔ "آپ کا بری ساتھی پہلے ہی کشتی میں پہنچ چکا ہے۔"

میں اس کے ساتھ سیڑھیوں تک آیا جو نچلے عرشے کو جاتی تھیں۔ ہم تاریکی میں چائے کی پیٹیوں کے درمیان سے گزر کر آگے بڑھے۔ کشتی تاریکی میں کھڑی تھی اور اس کا ملاح ہمارا منتظر تھا۔ اس میں پہلے ہی کئی مسافر سوار ہو چکے تھے لیکن تاریکی میں ان کو شناخت کرنا ممکن نہ تھا۔ مجھے نوپاہ پر غصہ آ رہا تھا۔ کپتان نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہمیں کسی محفوظ مقام پر کشتی کے ذریعے اتار دے گا اور یہاں کشتی میں اتنے سارے لوگ سوار تھے۔ اگر کسی پولیس والے کی نظر ساحل پر پڑ جاتی تو پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔

میں نے غصے میں کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ میرا ساتھی کہاں ہے؟"

ملاح نے ٹارچ کی روشنی کشتی پر پھینکی تو مجھے ایک لمحے کے لئے نوپاہ کا چہرہ نظر آیا۔ وہ کشتی کے اگلے تختے پر کئی مسافروں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ غصہ مجھے اب بھی آ رہا تھا لیکن بحث بیکار تھی اس لئے میں بھی اتر کر کشتی میں سوار ہو گیا۔ میرے بیٹھتے ہی کشتی روانہ ہو گئی۔ ہم ہندوؤں کے شمشان گھاٹ سے جہاں ان کے مُردے جلائے جاتے تھے، صرف چند سو گز دور تھے۔ اور میرا خیال تھا کہ کشتی والا ہم کو وہیں اتارے گا کیوں کہ وہاں گہری تاریکی تھی۔ نوپاہ اور میرے درمیان ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کو ٹھوکا دیا اور غصے میں کہا۔ "تم نے ان لوگوں کے ساتھ آنے کا خطرہ کیوں مول لیا؟ تم نے تو کہا تھا کہ ہمارے لئے علیحدہ کشتی فراہم کی جائے گی۔"

برابر بیٹھے آدمی نے پھنکار کر کہا۔ "چپ رہو بدمعاش۔"

کوئی اور وقت ہوتا تو میں اس بدتمیز کو مزہ چکھا دیتا لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا نوپاہ بول اٹھا۔ "بیکار ہے۔ ان لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم کون ہیں اور تمہاری طرف بھی پستول کی نال تنی ہوئی ہے۔"

اس دلچسپ کہانی کے باقی واقعات آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے

ظفر اعجاز

گوا، بمبئی اور مالا بار کے ساحل سے کلکتہ تک پھیلی ہوئی یہ سنسنی خیز داستان برکلے ماتھر کے ناول [THE GOLD OF MALABAR] سے لی گئی ہے۔ اس مشہور مصنف کی تحریریں پہلے بھی جاسوسی ڈائجسٹ کے ابتدائی صفحات میں جگہ پا چکی ہیں اور آپ سے داد بھی۔ اس کہانی کا مرکزی کردار جیل سے فرار ہونے والا ایک قیدی ہے جسے پورے ہندوستان میں کہیں امان نہ تھی۔ اُس کے دشمن اُس کی بُو سونگھتے پھر رہے تھے تو دوست بھی اُسے کھونا نہیں چاہتے تھے۔ وہ دُنیا میں واحد انسان تھا جو ایک پوشیدہ سونے کے ڈھیر تک پہنچنے کا آخری ذریعہ تھا۔ یہ راز اُس کے سینے میں ایک دم توڑتے ہوئے قیدی کی امانت تھا ایک راندۂ درگاہ بُدھ بھکشو اُس کا راہنما ٹھہرا۔

دولت کے پُجاریوں کے لیے عبرت آموز و نصیحت آمیز تحریر

نوباہ نے غلط نہیں کہا تھا - میرے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے ہاتھوں میں پستول تھا جس کی نال کا رخ میرے سینے کی طرف تھا - ہمارے درمیان مشکل سے اٹھارہ انچ کا فاصلہ تھا - ہم کچھ بھی نہیں کرسکتے تھے ' میں بیٹھا زیر لب گالیاں بکتا رہا - ہر کام جب ٹھیک ہوگیا تو یہ نئی مصیبت آگئی - میرے برابر بیٹھے ہوئے شخص نے دوبارہ پسلیوں میں نال گڑائی تو مجھے احساس ہوا کہ اس کے پاس بھی پستول تھا - میں نے ہلنے کی کوشش کی تو کشتی اتنی زور سے ہلی کہ ملاح چیخ اٹھا ' کشتی میں گنجائش سے زیادہ آدمی سوار تھے ' میں نے گِنا تو ملاح کے علاوہ ہم سات تھے - ذرا سی غلطی ہم سب کو دریا کے اندر پہنچاسکتی تھی -

میں نے انگریزی میں گرج کر کہا - "سنو پولیس کے کُتّو! اس بات کو نہ بھولو کہ تمہیں اپنے ملزم پر تشدد کا حق نہیں پہنچتا - "

"یہ پولیس والے نہیں ہیں - " نوباہ نے کہا - "وہ مجھے چھوڑ کر اس پر پل پڑے اور کئی تھپڑ گھونسے رسید کردیے ان میں سے ایک نے غضب ناک لہجے میں کہا - "صرف ہندوستانی میں بات کرو - انگریزی بولی تو ٹھیک نہیں ہوگا - "

کشتی اب زور زور سے ہل رہی تھی اور ملاح خوفزدہ لہجے میں ہم کو خبردار کر رہا تھا - دوسرے بھی ساکت ہوگئے تھے جس سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ ان میں سے کسی کو تیرنا نہیں آتا اور مجھے یہ بھی یاد آگیا کہ دریائے گنگا میں مگرمچھ نہیں ہوتے .... میں تیزی سے اٹھا اور دریا میں کود گیا ' اس کے ساتھ ہی پوری کشتی الٹ گئی - میں پانی میں ڈبکی لگا کر کافی دور نکلا اور پھر اندر ہی اندر تیرتا ہوا آگے بڑھا - دریا کے گدلے پانی کے اندر دیر تک رہنا آسان نہ تھا ' جب میں دوبارہ اوپر ابھرا تو صورتحال دیکھ کر کچھ مطمئن ہوگیا کیونکہ وہ سب شور مچا رہے تھے اور الٹی ہوئی کشتی پر سوار ہونے کی جدوجہد کر رہے تھے ...... میں نے اطمینان کے ساتھ کنارے کی سمت تیرنا شروع کردیا - میرا رخ گھاٹ کے تاریک حصے کی

جانب تھا- پھر مجھے احساس ہوا کہ کوئی میرے قریب ہے اور میرے ساتھ ساتھ تیر رہا ہے' دوسرے ہی لمحے ایک ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا- "تم نے تو کمال کردیا اور زیلی صاحب" اس نے لطف لیتے ہوئے کہا- "ان سب بدمعاشوں کو چت کردیا"

میں نے پوچھنا چاہا کہ وہ تھے کون لیکن منہ میں پانی بھر گیا اس لئے میں نے خاموشی سے تیرنا جاری رکھا' ایک مرتبہ پھر ہم دشمن کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے' اب بظاہر راستہ صاف تھا- ہم گھاٹ کی سیڑھیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تو میں نے اطمینان کا سانس لیا- یہ شمشان گھاٹ تھا اور یہاں رات کو عموماً کوئی آنے کی جرأت نہیں کرتا تھا- سیڑھیوں پر پھسلن تھی' ہم سر سے پیر تک پانی میں تر تھے اس لئے کچھ دیر وہیں بیٹھ کر دم لیتے رہے' جب ذرا سانس درست ہوئی تو میں نے اپنا سوال دُہرایا لیکن اس نے فوراً ہی اپنا سوال کردیا-

"رقم تو محفوظ ہے؟ پہلے اس کو دیکھ لو"

میں نے گھبرا کر اپنی پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا- خدا کا شکر تھا کہ رقم موجود تھی حالانکہ نوٹ بھیگ کر تر ہوچکے تھے-

"غنیمت ہے کہ یہ گم نہیں ہوئے" اس نے تسلی دی۔

"لیکن نور احمد اور اس کے تینوں لڑکوں سے اب بھی خبردار رہنے کی ضرورت ہے-"

"یہ نور احمد کون ہے؟" میں نے پوچھا-

لیکن اسی لمحے ان میں سے ایک سیڑھیوں کے نیچے نمودار ہوا- سیڑھی کے اوپر پہنچ کر اس نے ہاتھ بڑھا کر دوسرے کو اوپر آنے میں سہارا دیا- نوپاہ نے کہنی مار کر مجھے اشارہ کیا اور ہم تاریکی میں گھاٹ کی سمت نکل بھاگے' ہم فرار ہونے میں کامیاب ہوجاتے کیونکہ تاریکی بہت گہری تھی- لیکن بدقسمتی سے ہم اسی وقت ٹارچ کی روشنی میں نہا گیا- ایک بڈھا پنڈت پوری آواز سے چیخا- "پکڑو- پکڑو- یہ شمشان گھاٹ کو نشٹ کررہے ہیں" ہم بے تحاشا بھاگنے لگے- گھاٹ کی راکھ اور جلی ہوئی لکڑیوں کے ٹکڑے راہ کی رکاوٹ بن رہے تھے لیکن ہم بھاگتے رہے- پھر پتھر کی ایک چہار دیواری کے پاس پہنچ کر رک گئے' دیوار کے ساتھ جلانے کی لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا' ہم دونوں تقریباً ایک ساتھ جست لگا کر اوپر چڑھے- خوش قسمتی سے دیوار زیادہ اونچی نہیں تھی' ہم کود کر دیوار کے پار اترے اور ایک لمحے کے لئے جان میں جان آئی لیکن اب ایک نئی مشکل سامنے تھی-

ہم نے بڑی خراب جگہ کا انتخاب کیا تھا- دونوں طرف جانے والی سڑکیں سیدھی چلی گئی تھیں- کچھ دیر سوچنے کے بعد ...... میں بائیں سمت والی سڑک پر بھاگ نکلا کیونکہ یہی میرے سامنے تھی' نوپاہ ہانپتا ہوا میرے پیچھے دوڑ رہا تھا- میں ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ شاید کوئی گلی نظر آجائے لیکن ایک سمت بڑے بڑے گوداموں کا لامتناہی سلسلہ تھا جن کے گیٹ بند تھے اس لئے ادھر سے اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی --- دوسری جانب گودی تھی اور اس کے آہنی پھاٹک پر بھی تالا لگا ہوا تھا- ہم چوہوں کی طرح جال میں پھنس گئے تھے اس لئے سیدھے ہی بھاگتے رہے- کچھ پتا نہ تھا کہ یہ سڑک کہاں جاکر ختم ہوگی- میں نے ایک مرتبہ رکے بغیر پیچھے مڑ کر دیکھا' دو تو دیوار سے کود کر نیچے آچکے تھے اور تیسرا دیوار سے کودنے والا تھا' ہمارے درمیان کوئی سو گز کا فاصلہ رہا ہوگا- نوپاہ بری طرح ہانپ رہا تھا' شاید کوئی دعا مانگ رہا ہو- آخر کار ہم گوداموں کے آخری کنارے پر پہنچ گئے لیکن وہ بھی بلا کے جاندار تھے اور مسلسل تعاقب کررہے تھے-

گوداموں کے خاتمے پر سڑک دائیں جانب مڑتی تھی اور پھر گھوم کر میدان کو چلی جاتی تھی۔ میں نے ہانپتے ہوئے کہا-

"میدان میں سوئے ہوئے لوگوں کے درمیان چلو-" نوپاہ نے سر ہلایا- ہم نے تھکن کے باوجود رفتار اور تیز کردی اور تھوڑی دیر بعد میدان میں پہنچ گئے جہاں گھاس پر سیکڑوں آدمی پڑے ہوئے تھے' ہم نے جست لگائی اور ایک جگہ جہاں بہت سارے لوگ پڑے سو رہے تھے' ان کے درمیان لیٹ گئے' چند ہی لمحے گزرے تھے کہ ہمارے تعاقب میں آنے والے بھی کونے پر.... نمودار ہوگئے' ہم ساکت پڑے ان کو دیکھ رہے تھے' وہ میدان کے کنارے پہنچ کر رک گئے تھے اور پس وپیش میں پڑے جائزہ لے رہے تھے' اتنے بہت سارے سوئے ہوئے لوگوں کے درمیان کسی کا پتا لگانا اس تاریکی میں بہت مشکل تھا' ہم دونوں تاریکی میں آہستہ آہستہ سڑک کے کنارے سے دور کھسکتے جارہے تھے-

بہتر ہے کہ میں پہلے میدان کے بارے میں بتلا دوں- یہ کھلا ہوا ایک پارک ہے جو شہر کے پورے رقبے میں پھیلا ہوا ہے- اس کے ایک طرف وہ گودی ہے جہاں سے ہم آئے تھے اور دوسری طرف چورنگی کا رہائشی علاقہ ہے' یہ تقریباً نصف میل چوڑا ہے اور دن کو یہاں لوگ کرکٹ اور والی بال کھیلتے ہیں لیکن رات کو یہ غریب اور مزدور پیشہ لوگوں

کا واحد ٹھکانا ہوتا ہے جہاں کلکتہ کے تقریباً پانچ لاکھ بے گھر افراد نرم گھاس پر سوتے ہیں' میدان کے صرف کناروں پر یا اس سے گزرنے والی چند سڑکوں پر روشنی ہے' باقی سارا حصہ تاریکی میں رہتا ہے - ہم وہاں سونے والے ہزاروں افراد کے درمیان لیٹے ہوئے تھے -

وہاں جگہ کی کمی نہیں تھی لیکن آس پاس اتنے لوگ سو رہے تھے کہ ان کے درمیان تیزی سے سرکنا بھی دشوار تھا - سونے والوں میں بیشتر تو خستہ حال تھے جو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھے' بعض لاش کی طرح ساکت پڑے ہوئے تھے اور چند واقعی مرچکے ہوں گے کیونکہ ہر صبح پولیس وہاں سے دس بارہ لاشیں ضرور اٹھواتی تھی' ہم ان کی نیند میں خلل ڈالے بغیر احتیاط سے آگے بڑھنے کی کوشش کررہے تھے' ان بے بس اور بے سہارا لوگوں کے لئے چند گھنٹوں کی نیند بڑی قیمتی ہوتی ہے' اس لئے احتیاط کے باوجود جب سرکتے ہوئے ہم کسی سے ٹکرا جاتے اور وہ غصے میں بڑبڑاتا تو نوپاہ فوراً معافی دیجئے میرے بھائی' کہہ کر آہستہ سے معذرت کرلیتا-

اسی طرح سرکتے اور رینگتے ہوئے ہم روشنی سے تقریباً سو گز کے قریب آگے نکل آئے' اب تعاقب کرنے والوں سے بچ جانے کی آس بندھ چلی تھی' میں وہیں پر رات بسر کرنے کے لئے تیار تھا' صبح ہونے میں زیادہ دیر نہ رہ گئی تھی اور پانی اور ریت میں لتھڑے جانے کے بعد ہمارا حلیہ بھی ایسا ہوچکا تھا کہ دن کو بھی کوئی مشکل سے ہی پہچان سکتا تھا' لیکن نوپاہ نے بڑی گھبراہٹ کے عالم میں سرگوشی شروع کردی' میں نے جلدی سے مڑکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ خطرہ سر پر آچکا تھا - انہیں یقین تھا کہ ہم سونے والوں کے اسی ہجوم میں کہیں موجود تھے کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی ایسا مقام نہ تھا جہاں اتنی دیر میں ہم چھپ سکتے اس لئے اب وہ ایک قطار میں لوگوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے- راستے میں جو بھی آتا وہ بلا کسی جھجک کے اس کو ٹھوکریں مارتے کچلتے ہوئے چلے آرہے تھے' سونے والے اتنے تھکے ہوئے اور نیند سے نڈھال تھے کہ زیر لب بڑبڑا کر یا دو چار گالیاں دے کر پھر سو جاتے تھے -اور پھر اچانک انہوں نے ٹارچ جلا کر سوئے ہوئے لوگوں پر روشنی پھینکنا شروع کردی- نیند سے نڈھال لوگ روشنی میں اگر گھبرا کر نہ اٹھتے تو پسلیوں پر پڑنے والی ٹھوکریں ان کو بیدار کردیتی تھیں' وہ اس طرح بڑھ رہے تھے کہ راستے میں جو بھی آتا اسے ٹھوکر مار دیتے -- حیرت اس بات پر تھی کہ سونے والوں کی اتنی بڑی تعداد میں سے کوئی بھی ان بدمعاشوں کا مقابلہ نہیں کررہا تھا - میں سمجھ گیا تھا کہ وہ اس جارحانہ انداز میں کیوں چل رہے تھے' ان کا مقصد صرف ہم کو تلاش کرنا تھا اور اس طرح ہم وہاں مزید ٹھہرتے تو پکڑے جاتے-

وہ ہمارے قریب آتے جارہے تھے اور اب صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی تھی کہ ہم کسی ایسی سمت کھسک جائیں جہاں سونے والوں کا زیادہ جمگھٹا ہو' میں نے نوپاہ سے سرگوشی میں کہا لیکن ایسا کرتے ہوئے میرا ہاتھ برابر لیٹے ہوئے ایک شخص کے چہرے پر پڑگیا اور وہ اتنی زور سے چیخا کہ ٹارچوں کی روشنی کا رخ ایک دم ہماری سمت ہوگیا- ہم اپنی جگہ سے اچھلے اور لوگوں کو پھلانگتے اور کچلتے ہوئے بے تحاشا بھاگ نکلے - سڑک پر پہنچتے ہی ہم نے پوری رفتار سے دوڑنا شروع کردیا- یہاں بجلی کی روشنی تھی اس لئے تعاقب کرنے والے بدمعاشوں کو بڑی آسانی ہورہی تھی' لیکن ہم سڑک کے دونوں جانب پیپل اور شہتوت کے گھنے درختوں کی آڑ لے کر دوڑتے رہے یہاں تک کہ سڑک ختم ہونے کو آگئی اور ہم گورنمنٹ ہاؤس کے قریب پہنچ گئے - یہاں قدرت نے ہمیں سنہری موقع فراہم کردیا' پولیس کی ایک گشتی گاڑی اچانک سامنے سے نمودار ہوئی' ہم اس وقت درختوں کی آڑ میں تھے لیکن ہمارا... تعاقب کرنے والے عین سڑک کے درمیان - اس لئے گاڑی کی تیز روشنی سیدھی ان پر پڑی- ہم نے رکنا مناسب نہیں سمجھا لیکن دشمن نے گھبرا کر راہ فرار اختیار کی' پولیس کی تیز سیٹی فضا میں گونجی اور وہ بدمعاش واپس میدان کی سمت بھاگ نکلے- ہم دوڑتے ہوئے گریٹ ایسٹرن ہوٹل کے پاس پہنچے تو میں نے پرامید نظروں سے نوپاہ کی سمت دیکھا- نرم اور آرام دہ بستر کا تصور اس وقت بڑا سکون پرور محسوس ہوا لیکن نوپاہ نے ہنستے ہوئے کہا- "یہاں نہیں - اس مرتبہ یہ جگہ مناسب نہیں ہوگی مسٹر اوریلی-"

"تو پھر جلد کوئی محفوظ ٹھکانا تلاش کرو-" میں نے کہا- "ورنہ میں یہیں سڑک پر گر جاؤں گا-" مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میرے پھیپھڑے پھٹ جائیں گے' سانس حلق میں نہیں جارہا تھا- آنکھوں میں اندھیرا چھا رہا تھا- نوپاہ کا بھی برا حال تھا-

"بس تھوڑی دور اور-" اس نے خوشدلی کی- "یہاں

پکڑے جائیں گے۔"

"کیا مصیبت ہے۔ ان کو پولیس نے پکڑ لیا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے نہیں۔" اس نے کہا۔ "بہت چالاک لوگ ہیں، پولیس کے ہاتھ نہیں آسکتے۔"

"ہمیں اور کتنی دور چلنا ہوگا؟" میں نے کہا۔

"دریا پار، ہوڑہ میں ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔" اس نے بتلایا "وہاں کوئی پوچھ گچھ نہیں کرے گا کیونکہ میرے واقف کار ہیں۔"

ہم دوڑتے ہوئے بالآخر ہوڑہ کے پل پر پہنچ گئے، رفتار دھیمی ہونے کی وجہ سے ہانپنا کچھ کم ہوا تو میں نے پوچھا۔ "اب بتلاؤ کہ یہ بدمعاش ہیں کون؟ اور یہ ہمارے پیچھے کیوں لگ گئے ہیں؟"

"یہ نور احمد اور اس کے تینوں بیٹے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"لیکن کیوں؟ کیوں؟ کیوں؟"

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔"

"میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں خود حیران ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ صرف حیران ہی نہیں بلکہ خوفزدہ بھی نظر آرہا تھا۔

"لیکن تم ان کو تو جانتے ہو۔ آخر یہ ہیں کون لوگ؟"

"یہ عدن کے رہنے والے ہیں۔" اس نے بتلایا۔ "سب جانتے ہیں کہ عدنی کتنے چالاک ہوتے ہیں۔ احمد کے پاس ایک بڑا بادبانی جہاز ہے اور یہ اس کے ذریعے بصرہ، بمبئی، مصر، ممباسا، دارالسلام، کراچی اور عدن کے ساحلی راستے پر تجارت کرتا ہے، اس راستے پر عربی طرز کے ایسے اور بھی بادبانی جہاز سفر کرتے ہیں، ان کے پاس نہ چارٹ ہوتا ہے نہ کوئی اوزار، اور ان کا دعویٰ ہے کہ اس سمندر پر ان کے آباواجداد کی ہمیشہ حکمرانی رہی ہے۔"

"اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔"

"لیکن اب احمد خود جہاز پر سفر نہیں کرتا۔" نوپاہ نے کہا۔ "یہ مکڑی کی طرح اپنے پھیلائے ہوئے جال میں مرکز پر رہتا ہے، بمبئی میں بیٹھ کر اپنے لڑکوں کے ذریعے... سارے کاروبار کو کنٹرول کرتا ہے اور اسی لئے میں حیران ہوں۔ یہ لوگ اپنی بندرگاہوں کو چھوڑ کر بہت کم کہیں جاتے ہیں، ان کی یہاں کلکتہ میں موجودگی اور پھر خاص طور پر تم کو تلاش کرنا! بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ تم کو تلاش کر رہے ہوں۔" میں نے کہا۔ "ممکن ہے کہ ماضی میں تم نے ان کے ساتھ دھوکا کیا ہو۔"

اس نے زور سے سر ہلایا۔ "نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ سنو، ڈائمنڈ ہاربر تک صرف ہم دونوں اس منحوس اسٹیمر کے فرسٹ کلاس کیبن میں سفر کر رہے تھے، باقی سارے کیبن خالی تھے، لیکن جب ہم ڈائمنڈ ہاربر سے روانہ ہوئے تو ایک کیبن اور بھر گیا تھا، میں نے اس کیبن میں روشنی ہوتے دیکھی تھی اور لوگوں کی آوازیں بھی سنی تھیں، میں نے کپتان کے پاس جاکر پوچھا بھی تھا کہ ہمارے اترنے کے لئے کشتی کا بندوبست ہوگیا ہے کہ نہیں۔ جب میں نے کیبن کے مسافروں کے بارے میں پوچھا تو وہ ٹال گیا۔ پھر اسٹیمر کے لنگرانداز ہونے کے بعد دوبارہ جب میں اس کے پاس گیا تو وہ مجھے لے کر نچلے عرشے پر آیا، ایک کشتی وہاں پہلے سے لگی ہوئی تھی، اس نے مجھ سے کہا کہ جاکر کشتی میں بیٹھ جاؤں۔ میں نے کہا کہ اوپر جاکر اپنے ساتھی کو بلالاؤں تو وہ بگڑ گیا اور کہا کہ میں جاکر کشتی میں بیٹھ جاؤں، مجھے بھی غصہ آگیا اور میں نے جواب دیا کہ وہ جہنم میں جائے اور تم کو بلانے کے لئے واپس آنے لگا، کپتان گھبرا گیا اور میرا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔ ہم دونوں جھگڑنے لگے اور ہماری آوازیں سن کر ایک شخص کیبن سے نکل کر تیزی کے ساتھ نیچے اترا، کپتان نے اس سے سرگوشی میں کچھ کہا اور اس بدمعاش نے فوراً جیب سے پستول نکال کر مجھ پر تان لیا۔ وہ مجھے پستول کی زد پر ساتھ لئے کشتی پر آیا...... میں سمجھا کہ وہ پولیس کا آدمی ہے اس لئے شور مچانے لگا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح تم خبردار ہوجاؤ گے لیکن اس شیطان نے پھرتی کے ساتھ خنجر نکال کر میری شہ رگ پر رکھ دیا اور دھمکی دی کہ اگر آواز نکالی تو گردن کاٹ دے گا۔

اس نے خالص بمبئی کی بولی میں کہا۔ "سن رے بھکشو کے بچے۔ تیری کوئی حیثیت نہیں ہے، خاموش رہے گا تو شاید ہم تجھے زندہ چھوڑ دیں ورنہ تیری لاش ہگلی سے برآمد ہوگی۔" میں پھر بھی اس کو نہ پہچان سکا لیکن اسی وقت وہ بوڑھا شیطان باقی دونوں لڑکوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا، اور تب اچانک مجھے اندازہ ہوا کہ کن بدمعاشوں سے واسطہ پڑ گیا تھا۔ لیکن میں بے بس ہوچکا تھا۔ انہوں نے مجھے وہیں کشتی میں بٹھائے رکھا اور اسٹیمر کے ملاح کو تمہارے پاس روانہ کردیا پھر تم بھی میری طرح بے خبری میں ان کے جال میں پھنس

گئے۔"

میرے ذہن میں اچانک خیال آیا۔ "آہ۔ وہ منحوس اشتہارات۔ کپتان نے ان کے ذریعے مجھے شناخت کر کے ان بدمعاشوں کو خبر کردی۔" میں نے کہا۔ "انعام کے لالچ میں اس نے ہم سے غداری کی ہے۔"

نوپاہ نے سرہلایا۔ "اسے اتنی مصیبت اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر انعام حاصل کرنا تھا تو وہ خاموشی کے ساتھ پولیس کو مطلع کردیتا اور راستے میں کسی بھی جگہ ہم کو انکے حوالے کر کے انعام حاصل کرلیتا۔ نہیں۔ کپتان بھی ہماری طرح ان سے خوفزدہ تھا' وہ جلد از جلد ان سمیت ہم سے نجات حاصل کرلینا چاہتا تھا۔ جب اس نے کسی بات پر احتجاج کیا تھا تو ان میں سے ایک نے اس کو بھی تھپڑ رسید کر کے پستول کی زد پر لے لیا تھا۔ نہیں مسٹر اوریلی' تم اس علاقے کے لوگوں کو نہیں جانتے' یہ رقم لینے کے بعد اس طرح غداری نہیں کرتے۔ کبھی نہیں۔ کپتان بھی ہماری طرح بے بس تھا' اس سازش میں اس کا ہاتھ نہیں تھا' نوراحمد اپنے بیٹوں کے ساتھ ڈائمنڈ ہاربر میں ہمارا منتظر تھا مجھے اس بات کا یقین ہے۔"

"لیکن خدا کے لئے یہ تو بتلاؤ کہ اس کو یہ خبر کس طرح ہوئی کہ ہم وہاں پہنچنے والے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"یقیناً کسی نے ان کو خبر دی ہوگی۔" نوپاہ نے کہا۔ میں سکتے میں آگیا۔

"نہیں۔ وہ ایسا ہرگز نہیں کرسکتی۔ کبھی نہیں کرسکتی۔" میں نے غصے میں کہا۔ "تم سن رہے ہو؟"

"ہاں سن رہا ہوں مسٹر اوریلی۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے غصے میں اس کو بازو سے پکڑ کر اپنی سمت گھمایا۔ "بولو۔ بتلاؤ' تم کیا چاہتے ہو؟" میں دہاڑا۔

"میڈم کے علاوہ اور کس کو معلوم تھا کہ ہم ڈائمنڈ ہاربر جارہے ہیں؟" اس نے سوال کیا۔

"ٹھیک ہے' مان لیا کہ اسے معلوم تھا۔" میں نے کہا۔ "لیکن اسے صرف ایک دن پہلے معلوم ہوا تھا' وہ ان بدمعاشوں کو اتنی جلدی کیسے بھیج سکتی تھی؟"

"بمبئی سے یہاں کا راستہ ٹرین سے چھتیس گھنٹے کا ہے لیکن ہوائی جہاز سے صرف دو گھنٹے پینتالیس منٹ کا۔" اس نے جواب دیا۔ "ایک کیپٹن جونز کو پوسٹ آفس جاکر منی آرڈر کی رقم وصول کرنا تھی' اگر کوئی شخص اس ہجوم میں وہاں موجود تھا تو...." اس نے جملہ نامکمل چھوڑدیا۔

"لیکن آخر اسے کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی؟" میں نے غصے کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ سچ ہے تو اس نے پانچ سو روپے مجھے کیوں بھیجے؟ اسے غداری کرنی ہوتی تو رقم نہ بھیجتی۔"

اس نے شانے اچکائے۔ "میں ایک سیدھا سادا آدمی ہوں مسٹر اوریلی! مجھے افسوس ہے کہ میں اس سلسلے میں کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا کیونکہ تم ناراض ہوجاؤ گے۔"

"لیکن کیوں ناراض ہوجاؤں گا؟"

"کیا یہ پانچ سو روپے شکار پھانسنے کے لئے ایک طرح سے چارا نہیں ہوسکتے؟ میڈم نے خود ہی تو تم کو بتلادیا تھا کہ بمبئی میں کوئی تمہارے سراغ کے لئے پچاس ہزار روپے انعام دینے کو تیار تھا؟"

اور مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے سر پر ہتھوڑا ماردیا ہو۔ میں اس بات کو بالکل ہی بھول گیا تھا' سچ پوچھو تو جب جولی نے یہ بات کہی تھی تو مجھے یقین ہی نہیں آیا تھا۔ مجھے متلی سی ہونے لگی' شاید یہ دریا کے اس پانی کا اثر تھا جو پیٹ میں چلا گیا تھا۔ مجھے قے آئی اور مجبوراً وہاں رکنا پڑا۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر اوریلی۔" نوپاہ نے ہمدردی کا اظہار کیا۔ "میں نے صرف ایک امکان کی طرف اشارہ کیا تھا۔"

"شٹ اپ۔" میں نے غصے میں کہا اور ہم آگے چلنے لگے۔

ہوڑہ کا پل دنیا کا تیسرا بڑا پل ہے' دریائے ہگلی پار کرنے کے لئے گزرنے کا یہی ایک راستہ ہے' اس پر سے صرف گاڑیاں اور پیدل سواریاں گزرتی ہیں کیوں کہ ریلوے دریا کے اسی کنارے واقع ہے' اس وقت پل سے گزرنے والی سڑک بالکل سنسان پڑی ہوئی تھی' اوپر لگی ہوئی لائٹ سے ہر سمت روشنی پھیلی ہوئی تھی اور ہم دونوں اس پر سے گزرتے ہوئے بالکل نمایاں نظر آرہے تھے لیکن دوسری سمت جانے کے لئے اور کوئی راستہ نہیں تھا اس لئے یہ خطرہ مول لینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا' ابھی ہم نے آدھا ہی راستہ طے کیا تھا کہ نوپاہ اچانک لنگڑانے لگا' پھر رکا اور جھک کر اپنے پیر کو دیکھنے لگا' مجھے ہمدردی کے بجائے غصہ آنے لگا۔ سچ پوچھو تو اس وقت مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

اس خیال سے دل کو ٹھیس لگتی تھی کہ جولی نے غداری کی ہے........ میں رکے بغیر چلتا رہا۔ ذرا دیر بعد نوپاہ میرے برابر پہنچ گیا۔

"مڑ کر دیکھنا نہیں' وہ ہمارے پیچھے آرہے ہیں" اس نے آہستہ سے کہا "کم از کم ان میں سے دو تو یقیناً ہیں۔"

میں نے غصے میں اسے گھورا۔ "اس موقع پر تمہارے پیر کو بھی زخمی ہونا تھا۔"

"میرے پیر کو کچھ نہیں ہوا۔" اس نے کہا۔ "وہ تو رک کر پیچھے دیکھنے کا ایک بہانہ تھا تاکہ شبہے کی تصدیق ہو جائے۔"

"ہم جس جگہ جارہے ہیں وہ کتنی دور ہے؟"

"اسٹیشن کے عقب میں ہے۔" اس نے کہا۔ "بس زیادہ سے زیادہ نصف میل کا فاصلہ ہوگا۔"

"اور وہ کتنے فاصلے پر ہیں؟"

"پل کے ابتدائی حصے میں۔ میرا خیال ہے وہ تاریکی میں کہیں چھپ گئے ہیں۔ ممکن ہے' دوسروں کے آنے کا انتظار کر رہے ہوں۔"

ہم پل کا تین چوتھائی حصہ پار کر چکے تھے' صرف پچاس یا ساٹھ گز کا فاصلہ اور طے کرنا تھا' لیکن پل کے پار دوسرے حصے میں تیز روشنی والے بلب لگے ہوئے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم کو کم از کم تین سو گز کا فاصلہ طے کرنا تھا اس کے بعد کہیں تاریک گلیوں میں پناہ مل سکے گی۔ میں نے ہمت کر کے پیچھے کی جانب دیکھا' پیدل آنے والا تو کوئی نظر نہ آیا لیکن ایک تیز رفتار ٹیکسی ضرور آتی نظر آئی' میں نے پھرتی کے ساتھ اسے رکنے کا اشارہ دیا لیکن وہ شاید خالی نہ تھی کیونکہ رکے بغیر ہمارے پاس سے گزر گئی۔ میں نے کہا "ٹھیک ہے۔ اسی طرح چلتے رہو' پیچھے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے بائیں جانب جو پہلا موڑ آئے اس پر مڑ جاؤ اور پھر جتنی تیز ممکن ہو بھاگ نکلو' اور جب تک کوئی محفوظ ٹھکانا نہ مل جائے بھاگتے رہو۔"

ممکن ہے ہماری ترکیب کارگر ہو جاتی لیکن وہ پل کے پار تاریکی میں ہمارے منتظر تھے' خوشی یہ تھی کہ وہ صرف دو تھے لیکن ان کے پاس ایک پستول تھا اور جس شخص کے ہاتھ میں پستول تھا اس نے تاریکی سے اچھل کر حملہ آور ہونے کی کوشش میں ذرا عجلت سے کام لیا۔ نوپاہ کو یہ موقع مل گیا کہ پھرتی کے ساتھ اپنے گنجے سر کو نیچا کر کے ایک بھرپور ٹکر حملہ آور کو رسید کی' اس نے دوسری ٹکر اس کے پیٹ پر ماری جس سے اچھل کر وہ پتھر کی چہار دیواری سے ٹکرایا' میں نے اس کے دوسرے بھائی کے جبڑے پر ایک بھرپور مکا رسید کیا اور اس کا ہوا میں اٹھا ہوا ہاتھ اٹھا ہی رہ گیا... میں نے تابڑ توڑ کئی مکے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ لگا دیے' پتا نہیں یہ اس کی بدقسمتی تھی یا غصے نے مجھ میں اتنی طاقت پیدا کر دی تھی کہ آخری مکا جو اس کی ٹھوڑی پر پڑا اتنا زور دار تھا کہ اس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ پلٹ گئی' یہ احساس مجھے بعد میں ہوا کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی تھی کیونکہ وہ زمین پر گرا تو پھر نہ اٹھ سکا۔ میں ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ گاڑی کے بریک لگنے کی تیز چرچراہٹ سنائی دی' میں نے پھرتی کے ساتھ پلٹ کر دیکھا تو دوسرا حملہ آور ایک ٹیکسی کے پہیوں کے نیچے پڑا تھا اور نوپاہ حیرت سے منہ پھاڑے کھڑا تھا..... یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ اس وقت وہ صرف دو تھے اور دونوں ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے کیونکہ ٹیکسی ڈرائیور نے خوفزدہ ہو کر اچانک ٹیکسی چلادی۔ ایک چیخ فضا میں بلند ہوئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔ ٹیکسی والا رکے بغیر فرار ہو گیا تھا۔

ہم نے حیرت سے گرد و پیش دیکھا' یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ اتنی آسانی سے ہو گیا لیکن سوچنے کا وقت نہیں تھا اور یہاں سے جلد از جلد نکل جانے میں ہی عافیت تھی۔ ہم بروقت وہاں سے نکل بھاگے کیونکہ گلی میں مڑنے سے پہلے جب ہم نے پلٹ کر دیکھا تو وہ دونوں بھی بھاگتے ہوئے چلے آرہے تھے۔ نور احمد عمر کے باوجود بہت طاقتور اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس کے جسم سے قمیص کہیں غائب ہو چکی تھی۔ اس کا بیٹا بھی دونوں مرحوم بھائیوں سے زیادہ توانا تھا' اگر وہ لاشیں دیکھ کر شور مچا دیتے تو مشکل ہو جاتی لیکن وہ سکتے کے عالم میں کھڑے تھے' فاصلے کے باوجود میں ان کے غم و غصے کی آگ کی تپش محسوس کر رہا تھا۔ نو احمد اچانک جھک کر اپنے بیٹوں کی لاشیں دیکھنے لگا۔ شاید وہ ان کی موت کا یقین کر لینا چاہتا تھا۔ لیکن اسی لمحہ دور سے پولیس کی سیٹی کی آواز فضا میں گونجی' ہم فوراً ہوڑہ ریلوے اسٹیشن کے یارڈ کے عقب میں واقع گلیوں کی تاریک بھول بھلیوں میں گھس گئے' صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں رہ گئی تھی۔

"وہ جگہ کہاں ہے جس کا تم ذکر کر رہے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"اب ہم وہاں جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے -" نوپاہ نے کہا - "دو لاشوں کے ملنے کے بعد کلکتہ کی پولیس اس علاقے کا چپہ چپہ چھان مارے گی -"

وہ سچ کہہ رہا تھا' مرنے والے دونوں مسلمان تھے اور یہ بات چشم زدن میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکا سکتی تھی' کلکتہ میں ویسے بھی ہندو مسلم فسادات ایک عام بات تھی اس لئے حکام بڑی سرعت کے ساتھ کارروائی کریں گے - کوئی ہوٹل محفوظ نہ تھا - وہ پورا علاقہ چھان ماریں گے' ہوڑہ میں ہمارا ٹھہرنا اپنی تباہی کو دعوت دینے کے مترادف تھا -

"لیکن پھر ہم کریں گے کیا؟" میں نے پریشان ہو کر پوچھا -

"وہ ذرا دیر بعد ہی فرار کے ہر راستے کی ناکابندی کر دیں گے - اب ہم پل کے راستے واپس بھی تو نہیں جا سکتے -"

"اب صرف مال گاڑی ہی ہمارے کام آ سکتی ہے -" نوپاہ نے جواب دیا -

"جہنم میں جاؤ تم -" میں نے غصے میں کہا - "یہاں جان پر بنی ہے اور تم کو مذاق سوجھا ہے ؟"

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں -"

"میں مال گاڑی پر سفر کا خطرہ مول نہیں لوں گا - تم چاہو تو قسمت آزما سکتے ہو -"

"کچھ دور تو اسی کے ذریعے سفر کرنا ہو گا -" نوپاہ نے جواب دیا - "کلکتہ سے نکلنے کے بعد ہم مسافر گاڑی میں سوار ہو سکتے ہیں -" اس نے سمجھایا - "اس کے علاوہ فرار کا اور کوئی محفوظ ذریعہ نہیں ہے اور مال گاڑی پر زیادہ دور سفر کرنا محفوظ نہیں ہو گا -"

وہ درست کہہ رہا تھا' یہ جانتے ہوئے بھی مجھے اس پر غصہ آ رہا تھا - شاید اب میں اس کی برتری تسلیم کرنے کو کسی قیمت پر تیار نہیں تھا - لیکن اس کے مشورے پر عمل کرنے کے علاوہ کوئی صورت بھی نہ تھی اس لئے میں بڑبڑا کر خاموش ہو گیا - ہم تاروں کو پھلانگ کر مارشلنگ یارڈ میں داخل ہوئے' یہاں کوئی ایک درجن کے قریب مال گاڑیاں تیار کی جا رہی تھیں - شنٹنگ کرنے والے انجن ڈبوں کو جوڑ رہے تھے - ان کے شور و غل میں بات کرنا بھی دشوار تھا - لیکن یہاں بھی نا امیدی کا سامنا تھا اور صبح کا اجالا پھیلنے لگا تھا - ہم نے ڈبوں پر چاک سے لکھے ہوئے اسٹیشنوں کے نام پڑھ کر منزل کا اندازہ لگانا چاہا اور پھر ایک کھلے ہوئے ڈبے کا انتخاب کیا جس پر کوئی چیز برساتی سے ڈھکی ہوئی رکھی تھی - ریلوے کے آدمی ہر طرف مصروف نظر آ رہے تھے اس لئے بڑی احتیاط کی ضرورت تھی' ہم ڈبے پر سوار ہوئے اور ایک طرف کی رسی کھول کر برساتی کے اندر گھس گئے' اندر جوٹ لدا ہوا تھا - ہم بنڈلوں کے درمیان جگہ بنا کر خاموشی سے لیٹ گئے -

ہماری بوگی شنٹنگ کے دوران دوسری بوگیوں سے ٹکراتی رہی اور جھٹکے سے ہم بار بار بنڈلوں سے ٹکراتے رہے لیکن بالآخر ٹرین روانہ ہو گئی - سورج نکل آیا تھا اور تپش سے دم گھٹنے لگا تھا - اوپر ڈھکی ہوئی برساتی کی وجہ سے اندر ہوا بھی نہیں آ رہی تھی اور لگتا تھا' دم گھٹنے سے ہم اسی کے اندر مر جائیں گے - لیکن جان بڑی پیاری ہوتی ہے اس لئے اتنی اذیت کے باوجود ہم نے پورا دن اس قید میں گزار دیا - سب سے زیادہ تکلیف پیاس کی وجہ سے ہو رہی تھی اور میرا حلق اور زبان اتنی خشک ہو گئی تھی کہ آج تک وہ اذیت یاد ہے - لیکن ہم کم از کم ایک لحاظ سے خوش قسمت تھے - ہوڑہ سے تین مین لائنیں جاتی ہیں - ایک شمال' ایک جنوب اور ایک مغرب کی سمت اور ہم جس مال گاڑی میں بیٹھے تھے وہ مغرب کی سمت جا رہی تھی - رات ہوتے ہی ہم نیم مردہ حالت ترپال سے باہر نکلے - اس وقت مال گاڑی بلاسپور میں رکی ہوئی تھی' ہم نے ریلوے لائن کے کنارے لگے نل سے اتنا پانی پیا کہ پیٹ پھول گیا - اور تب نوپاہ ایک اسٹال سے کھانا خرید کر لایا اور ہم نے فاقہ زدہ لوگوں کی طرح کھایا اور پھر ایک نالے کے نیچے اس طرح سوئے کہ کچھ ہوش نہ رہا - نیند میں مجھے ان دونوں بدمعاشوں کی لاشیں بار بار نظر آتی رہیں جن کو ہم نے قتل کیا تھا - میرا ارادہ اسے جان سے مارنے کا ہرگز نہ تھا' سچ پوچھو تو مجھے اس کی اتفاقیہ موت پر بڑی حیرت ہوئی تھی - گو امیں پولیس والے کی موت بھی اتفاقیہ ہوئی تھی - لیکن خدایا! اگر اب میں پکڑا گیا تو سیدھا پھانسی کے پھندے تک جاؤں گا -

لیکن مجھے اپنے انجام کا اتنا دکھ نہ تھا جتنا اس بات کا کہ جولی نے مجھ سے غداری کی تھی - لیکن کیا یہ حقیقت تھی؟ صرف جولی ہی حقیقت بتلا سکتی تھی لیکن اگر یہ غلط ہے تو پھر اس کے علاوہ کون میرے بارے میں بتلا سکتا تھا؟ سوائے جولی کے کسی اور کو نہیں معلوم تھا کہ میں کہاں ہوں - اور کب ڈائمنڈ ہاربر پہنچوں گا' اور نور احمد یہاں کیسے پہنچ گیا؟ میرے' نوپاہ

اور جولی کے علاوہ کوئی ایسا شخص نہ تھا جسے یہ راز معلوم ہوتا۔ جولی نے کہا تھا کہ میرا پتا بتانے والے کے لئے کسی نے پچاس ہزار روپے کا انعام مقرر کیا تھا' اس نے یہ بات مجھے کیوں بتلائی؟ ممکن ہے اتفاقاً زبان سے نکل گئی ہو اور پھر اسے بعد میں یہ خیال آیا ہو کہ اتنی بڑی رقم کو چھوڑ دینا حماقت ہوگی' اور اس نے ہمارے بارے میں اس شخص کو مطلع کردیا ہو جس نے انعام کا وعدہ کیا تھا اور اس شخص نے ان بدمعاشوں کو ہماری تلاش میں روانہ کردیا ہو۔ لیکن وہ کون تھا جو میرے لئے پچاس ہزار کی بھاری رقم کا انعام دینے کو تیار تھا؟ اور کیوں؟ کیوں؟ کیا اسے نقشے کا راز معلوم ہوگیا تھا اور وہ اسے حاصل کرنا چاہتا تھا؟

میرا تھکا ہوا ذہن اس سے زیادہ نہ سوچ سکا۔ اٹھنے کی کوشش کی تو چکر آنے لگے اور میں ایک بار پھر لیٹ کر بے خبر سوگیا۔ کئی بار اسی طرح چونک کر اٹھا لیکن پھر نیند آگئی۔ مسلسل تکان اور پھر مال گاڑی میں قید ہوکر سفر کرنے سے میں بالکل نڈھال ہوچکا تھا۔ ہم لوگ تمام دن اسی طرح سوتے رہے۔

رات کو میرے اور نوپاہ کے درمیان بحث ہوتی رہی' نوپاہ کا خیال تھا کہ ہم اسی طرح مال گاڑی پر سفر کرتے رہیں اور راستے میں گاڑیاں تبدیل کرتے ہوئے بمبئی پہنچ جائیں' اس کے خیال میں یہی محفوظ طریقہ تھا لیکن میرا کہنا تھا کہ مال گاڑی میں ایکبار پھر سفر کیا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میں نے ضد کرکے اسے راضی کرلیا۔ اور جیب سے رقم نکال کردی کہ وہ ناگپور بمبئی میل کے ٹکٹ خریدے اور ساتھ ہی بازار جاکر میرے لئے کپڑے خرید لائے۔ اس کے جانے کے چند منٹ بعد میں بھی باہر نکلا اور اس کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔ میں اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ کہیں وہ کسی ڈاکخانے یا فون کی طرف تو نہیں جاتا' لیکن بازار کے ہجوم میں وہ غائب ہوگیا تو میں اپنی پناہ گاہ میں واپس آگیا۔

رات کو ہم تقریباً بارہ بجے ٹرین میں سوار ہوئے' ہم نے معمولی کپڑے پہن رکھے تھے اور تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا تھا تاکہ کسی کی نظروں میں نہ آسکیں۔ دوسری شب ہم بمبئی کے ایک نواحی اسٹیشن دادر پر اتر گئے۔ نوپاہ نے پوچھا۔ "اب کہاں چلنا ہے مسٹر اوریلی؟"

"مجھے ایک ٹیکسی لاکر دو۔" میں نے کہا۔ "پہلے میں جوہو جاؤں گا۔ ایک خاتون سے ملاقات کرنے۔" وہ مجھے حیرت سے منہ پھاڑے دیکھ رہا تھا۔

اسے یقین نہ آیا۔ وہ سمجھا کہ شاید میں مذاق کررہا ہوں اور جب میری سنجیدگی دیکھ کر اس کو اندازہ ہوا کہ میں سچ کہہ رہا ہوں تو خوف سے اس کا چہرہ زرد ہوگیا۔

"کوئی جان بوجھ کر شیر کے غار میں جاتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے تو پھر تم کوئی بہتر مشورہ دو۔"

"لیکن مسٹر اوریلی' تمہاری قیمت پچاس ہزار ہے اور وہ خاتون بزنس کرنے کی عادی ہے۔"

"یہی تو میں آزمانا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "اب میں اسے کچھ دکھانا چاہتا ہوں' یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ میں انعام کی رقم سے ہزار گنا زیادہ قیمتی ہوں' اگر اسے بزنس کرنا آتا ہے تو اندازہ ہوجائے گا۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس صرف تین سو روپے باقی بچے ہیں۔ تمہارے خیال میں اس سے ہم کتنے دن گزارہ کرلیں گے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ وہ ہمیں کہاں پہنچائے گی۔ بمبئی سینٹرل پولیس اسٹیشن۔ جیل میں ہر دوسری جمعرات کو پھانسی دی جاتی ہے اور ایک بھنگی یہ کام انجام دیتا ہے۔"

"تم بہت تھک گئے ہو نوپاہ۔" میں نے کہا۔ "تمہاری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی ماند پڑچکی ہے' میرے لئے پچاس ہزار کے انعام کی پیشکش پولیس نے نہیں کی ہے' یہ پیشکش کسی اور کی ہے اور میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ شخص کون ہے.... اور یہ انعام دینے کو کیوں تیار ہے۔ ویسے میں تم کو ساتھ چلنے پر مجبور نہیں کررہا ہوں' پکڑا گیا تو پھانسی مجھے لگے گی' تم کو نہیں۔ اس لئے تم چاہو تو کہیں اور جاکر میرا انتظار کرسکتے ہو۔"

"میں ساتھ چلوں گا۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "میرے بغیر وہ نقشہ تم کو کیسے ملے گا؟"

"تم کو اب بھی مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ ہے نا؟" اس نے شکوہ کیا۔ اور پھر کچھ کہے بغیر ٹیکسی لانے چلا گیا۔

جوہو تک کے طویل سفر میں اس نے ایک دو بار مجھ سے کچھ دریافت کرنے کی کوشش کی' لیکن میں نے اسے خاموش کردیا۔ اس ملاقات پر بہت کچھ منحصر تھا۔ کیونکہ مجھے خود اندازہ نہیں تھا کہ میں کس طرح جولی سے اپنے اندیشے کا اظہار کروں گا اور اگر میرا اندیشہ غلط ثابت ہوا تو وہ کیا ردِعمل

ظاہر کرے گی - ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے تعلقات ختم کردے، میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں - پہلے خیال آیا کہ اس کو فون کروں اور اس سے کہوں کہ وہ خود کسی جگہ آکر ملاقات کرے لیکن پھر فوراً ہی اس خیال کو رد کردیا - اگر میرا اندیشہ درست تھا تو اس طرح جولی کو دشمنوں کو مطلع کرنے کا وقت مل جائے گا - میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے پاس اچانک پہنچ جانا ہی مناسب ہوگا-

ہم نے اس کے بنگلے سے کافی دور اتر کر ٹیکسی چھوڑ دی اور باقی فاصلہ پیدل طے کیا- ساحل پر درختوں کی آڑ میں رہتے ہوئے ہم جولی کے بنگلے کی سمت بڑھتے رہے، نوپاہ خاموشی کے ساتھ میرے پیچھے پیچھے چل رہا تھا- بنگلے میں ہر سمت تیز روشنی ہورہی تھی اور اندر سے موسیقی کی آواز آرہی تھی - میرے دل کی دھڑکنیں خود بخود تیز ہوگئی تھیں - میں نے احتیاطاً پہلے بنگلے کے گرد ایک چکر لگا کر جائزہ لیا - قریب میں کوئی بھی کار کھڑی نظر نہ آئی - اگر جولی کا یہ کہنا صحیح تھا کہ بنگلے کی نگرانی ہورہی تھی تو نگرانی کرنے والے بہت ماہر تھے کیوں کہ ہم کو دور دور تک ایک بھی متنفس نظر نہیں آیا - میں نے نوپاہ سے کہا کہ وہ ساحل پر واپس جاکر میرا انتظار کرے، وہ اس پر تیار نہ تھا لیکن میں نے ضد کرکے اسے مجبور کیا تو وہ مجھے ملامت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا چلا گیا- میں اس وقت تک کھڑا اسے دیکھتا رہا جب تک وہ گھنی جھاڑیوں کے پیچھے روپوش نہیں ہوگیا - یا تو اسے مجھ پر بھروسہ نہیں رہا تھا یا پھر میں نے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی تھی، لیکن اس کے جانے کے بعد مجھے اطمینان ہوگیا-

وقت گزرتا رہا، ٹیکسیاں آتی رہیں اور لوگ بنگلے سے نکل کر جاتے رہے - میں تاریکی میں ایک درخت کی آڑ میں کھڑا انتظار کرتا رہا - پھر جب کرنل باہر نکلا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا - گاہکوں کے جانے کے بعد اس کا معمول تھا کہ باہر نکل کر اطمینان کرلیتا تھا کہ سب ٹھیک ہے، چوکیدار اپنی جگہ مستعد ہے - اور پھر حسبِ معمول چوکیدار کو ساتھ لے کر اس نے تمام کھڑکیوں اور دروازوں کو چیک کیا، اس کے بعد برآمدے میں رکھا فرنیچر اندر رکھوایا، مجھے معلوم تھا کہ اس کے بعد وہ بار میں جاکر اسٹاک اور اس روز کی آمدنی کا حساب کرے گا - اور پھر اسے جولی کو دکھائے گا - تمام نوکر بنگلے کے عقب میں بنے سرونٹ کوارٹروں میں رہتے تھے - کرنل کے جانے کے بعد جولی اپنے دفتر میں تنہا رہ جائے گی اور میں اسی موقع کا منتظر تھا-

میں جب مطمئن ہوگیا کہ اب جولی بالکل تنہا ہوگی تو آگے بڑھا - بنگلے کے کونے پر برگد کا ایک گھنا درخت تھا جس کی ایک شاخ برآمدے کی چھت تک پھیلی ہوئی تھی - کرنل ہمیشہ اس کو کٹوانے کے لئے مُصر رہتا تھا - اس کے ذریعے کوئی بھی چور بہ آسانی بنگلے میں داخل ہوسکتا تھا - وہ ہمیشہ اس خطرے کا جولی کو احساس دلاتا رہتا تھا، لیکن جولی کا کہنا تھا کہ اس کے سائے کی وجہ سے برآمدہ ٹھنڈا رہتا ہے، اس لئے وہ شاخ باقی رہ گئی - اور آج وہی میرے کام آرہی تھی۔ مجھے جولی کی خوابگاہ معلوم تھی جو مین گیٹ کے بالکل سامنے تھی - پورچ میں لگا ہوا بلب تمام رات روشن رہتا تھا - لیکن مجھے بہرحال خطرہ مول لینا تھا - خوابگاہ میں بہت مدّھم روشنی ہورہی تھی لیکن میں نے جھانکا تو کمرا خالی تھا - میں اندر داخل ہوا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا - مجھے چھپنے کے لئے کسی محفوظ جگہ کی تلاش تھی تاکہ اگر کوئی نوکر اچانک آجائے تو مجھے نہ دیکھ سکے - بظاہر اتنے بڑے کمرے میں یہ بہت آسان تھا لیکن ایسا نہ تھا - مسہری کے نیچے چھپنے کا ذرا سا بھی امکان نہ تھا کیونکہ یہ بہت نیچی تھی اور اس کے گرد لگے تختے فرش سے تقریباً ملے ہوئے تھے لہٰذا اس کے نیچے جانے کی کوئی صورت نہ تھی - میں نے کپڑوں کی بڑی الماری کا رخ کیا لیکن وہ بھی مقفل تھی - اس کے علاوہ کمرے میں کوئی ایسا فرنیچر بھی نہ تھا جس کی آڑ میں کوئی چھپ سکے - میں نے باتھ روم میں جھانکا - یہاں بھی چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی - اور اگر میں یہاں رہتا تو اندر داخل ہونے والے کی نظر فوراً مجھ پر پڑتی - مجبوراً میں نے دوسرے دروازے کا رخ کیا - مجھے معلوم تھا کہ یہ اس کے ذاتی کمرے میں کھلتا ہے - میں نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا، یہاں بھی دھیمی روشنی ہورہی تھی۔ کونے میں ایک بڑا صوفہ رکھا ہوا تھا - میں دبے پاؤں اس کی سمت بڑھا - میری حالت دیکھ کر کرنل نے بمشکل اپنی ہنسی روکی ہوگی کیونکہ اسے کھانسی آگئی، میں دم بخود کھڑا رہا، جیسے کوئی چور رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو-

وہ دیوار کے ساتھ کھڑا ہوا خاموش ہنسی سے دُہرا ہوا جارہا تھا لیکن اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول نے مجھے زد میں لے رکھا تھا-

"مجھے افسوس ہے اوریلی۔ لیکن تمہاری حالت اتنی مضحکہ خیز ہے کہ میں ہنسی نہ روک سکا -" اس نے ایک ہاتھ سے

آنسو صاف کرتے ہوئے کہا - " جولی ہوتی تو وہ بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہ رہتی - "

اس نے ہاتھ بڑھا کر سوئچ دبایا - وہ اب تک اپنے شام کے مخصوص سوٹ میں ملبوس تھا - اس کی عینک ریشمی ڈور میں بندھی گردن سے لٹک رہی تھی ' اور غیر معمولی بات یہ تھی کہ گلے میں ڈاکٹروں کا آلہ جسے اسٹیتھسکوپ کہتے ہیں ' لٹک رہا تھا - ہاتھوں میں باریک ربر کے دستانے تھے جو ڈاکٹر آپریشن کے وقت پہنتے ہیں - اس نے دانتوں سے ایک ہاتھ کے دستانے کو اتارنا شروع کیا - وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہا تھا -

چوں کہ وہ بہت مزاح کے موڈ میں تھا اس لئے میں نے بھی وہی انداز اختیار کیا اور اس کے گلے میں پڑے ہوئے آلے کی سمت اشارہ کرتے ہوئے بولا - " کتنے مریض مارے ڈاکٹر ؟ اس حلیے میں تم ملک الموت سے کم نظر نہیں آتے "

اس نے پستول بائیں ہاتھ میں پکڑ کر دائیں ہاتھ کے دستانے کو دانتوں سے کھینچ کر اتارنا شروع کیا اور پھر دستانے اور آلہ جیب میں رکھ کر مجھے دیکھا - لبوں سے ہنسی غائب ہو گئی تھی - " میں ذرا ایک تجربہ کر رہا تھا - " اس نے کہا -

" جولی کی تجوری کے ساتھ ؟ " میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا - " جہاں تک مجھے یاد ہے وہ تمہارے بائیں جانب ٹنگی تصویر کے پیچھے ہے - "

اس کی ہنسی بالکل غائب ہو گئی اور وہ خوفناک ناگ کی طرح پھنکارا - " اپنے کام سے کام رکھو - " اس نے پستول [illegible] کہا - " گھوم جاؤ اور خبردار ! کوئی حرکت نہ کرنا - " وہ مجھے زد میں لئے قریب آیا اور پشت سے ٹٹول کر اطمینان کرنے لگا کہ میرے پاس کوئی ہتھیار تو نہیں ہے - ہتھیار تو نہیں ملا لیکن کمینے نے میری جیب سے رقم نکال لی -

" ٹھیک ہے - اب اس سامنے والی کرسی پر بیٹھ جاؤ اور اپنے ہاتھ سامنے رکھو - " اس نے حکم دیا -

جولی کی میز کے گرد رکھی کرسی پر بیٹھ کر اس نے ٹیلی فون اپنی طرف گھسیٹ لیا اور ایک ہاتھ سے نمبر ملایا - دوسرے میں اس نے پستول تھام رکھا تھا ' کچھ دیر بعد اس نے کہا -

' ہیلو حفیظ ! تم کو پتا ہے اس وقت میرے سامنے کون بیٹھا ہوا ہے ؟ تمہارے والد کہاں ہیں ؟ کیا ... تب انہیں جگا دو - ان سے کہہ دو کہ میں نے اسے پکڑ لیا ہے - اسی کو ... جس کی تلاش تھی - احمق ... نہیں وہ دوسرا یہاں نہیں ہے - ابھی تک نہیں آیا - اب بکواس مت کرو - سنو ! میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اسے فوراً یہاں سے لے جاؤ - نہیں ابھی ' آج ہی رات - کل کی ساعت کے بعد عدالت اس رہا کر دے گی - میں چاہتا ہوں اس سے پہلے تم لوگ اس کو بنگلے سے لے جاؤ - سمجھ گئے ؟ " وہ کچھ دیر سنتا رہا پھر بولا - " ہاں ٹھیک ہے - لیکن بہت محتاط رہنا ' میرا خیال ہے کہ اب تک بنگلے کی نگرانی شروع نہیں ہوئی ہے - کم از کم اس وقت تک خطرہ نہیں ہے جب تک وہ نہیں آ جاتی ' لیکن یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا - اب سنو حفیظ ! اپنے ساتھ رقم لے کر آنا ورنہ کوئی معاملہ طے نہ ہوگا - اچھی طرح ذہن نشین کر لو ' مجھ سے کوئی چال چلنے کی کوشش کامیاب نہیں ہوگی - وعدے وعید پر ٹالنے کی کوشش کی تو میں پولیس سے دس پر معاملہ کر لوں گا - اور دیر نہ کرنا ' میں انتظار کر رہا ہوں - "

اس گفتگو کے بعد وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گیا اور پہلے کی طرح فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگا - پھر کچھ خیال آیا تو سگریٹ کا پیکٹ میری جانب پھینکا اور پھر ماچس بھی - اس کے بعد وہ پرانا کرنل نظر آنے لگا - " تم پہلے سے کچھ دبلے ہو گئے ہو اوریلی - " اس نے بڑے مشفقانہ انداز میں کہا - " شاید اتنے دن بڑی مصیبت اور پریشانی میں بسر کئے ہیں - کچھ بھی ہو ' تم نے پورے ہندوستان کی پولیس کو نچا کر رکھ دیا ہے ' وہ تمہاری دھول بھی نہ پا سکے - اس بات پر میں تم کو شاباشی دیے بغیر نہیں رہ سکتا - "

" اور اب تم مجھے ان لوگوں کے حوالے کرنے جا رہے ہو ؟ " میں نے کہا - " لیکن اس سے تم کو کوئی فائدہ نہ ہوگا - "

اس نے مجھے ملامت بھری نظروں سے دیکھا - " میں تم کو پولیس کے حوالے کر دوں گا ؟ " اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا - " یہ کبھی بھول کر بھی نہ سوچنا - میرے کچھ اپنے اصول ہیں ' تم جانتے ہو میں کبھی پولیس کا دلال نہیں بنا - نہیں مائی ڈیئر بوائے ' میں تم کو کسی اور کے حوالے کر رہا ہوں جس کا پولیس سے کوئی تعلق نہیں ہے - تم نور احمد کو جانتے ہو ؟ تم نے اس کے دو بیٹوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے - یہ تم نے اچھا نہیں کیا ' بڑی احمقانہ حرکت تھی ' یہ بڑے ظالم لوگ ہیں ' اپنے بیٹے کی موت کا انتقام بڑے عبرتناک طریقے سے لیں گے - لیکن خیر یہ تمہارا اور ان کا معاملہ ہے - "

میں نے بڑے اطمینان کے ساتھ کہا - " تم ٹھیک کہتے ہو کرنل - لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم کو اس بارے میں خبر کیسے ہوئی ؟ "

میرا اندازہ غلط نہیں تھا - کرنل اپنے کارنامے پر فخر سے پھول گیا - یہ اس کی کمزوری تھی - "میں اگر یہ بتلادوں کہ کس حد تک سب کچھ جانتا ہوں تو تم اور بھی حیران ہو گے - "

" تم نے واقعی کمال کردیا - میں تو اس وقت بھی بہت حیران ہوں - "

" کچھ مشکل کام نہ تھا - " وہ اکڑ کر بولا - " تم نے جولی کو فون کیا تھا - یاد ہے نا ؟ تم نے اس سے ڈائمنڈ ہاربر کے پتے پر رقم منگوائی تھی ؟ میں نے تمہاری ساری گفتگو ایکسٹینشن پر سن لی تھی ' یہ شخص نور احمد میرا بہت پرانا دوست ہے ' اور یہ محض اتفاق ہے کہ وہ کئی ہفتوں سے تمہاری تلاش میں سرگرداں تھا - تمہارے لئے پچاس ہزار روپے کا معاوضہ دینے کو تیار تھا لیکن وہ تم کو زندہ چاہتا تھا - ظاہر ہے کہ میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور اسے خبر کردی - بس اتنی آسان سی بات ہے - بہرحال وہ دو روز قبل بمبئی واپس آگیا - تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا تھا - اس نے بتلایا کہ تم اس کے دو بیٹوں کو قتل کرکے فرار ہوگئے ہو - سور کے بچے نے مجھے وعدے کے مطابق رقم بھی ادا نہیں کی لیکن دس ہزار مزید دینے کا وعدہ کیا بشرطیکہ تم کو زندہ اس کے حوالے کردوں - " اس نے زوردار قہقہہ لگایا - " خدا کی قسم ... میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی آسانی سے میری جھولی میں آگروگے ' میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تم اتنے احمق ہو کہ اس طرح یہاں آنے کی ہمت کروگے - تم کو جب دروازے سے داخل ہوتے دیکھا تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا - " وہ ہنس ہنس کر دہرا ہوگیا - " میں اس وقت جولی کی تجوری کھولنے کی کوشش کررہا تھا - لیکن کمبخت تجوری کا کمبنیشن تبدیل کرگئی ہے - شاید تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ پولیس اس کو گرفتار کرکے لے گئی ہے - "

" جولی کو پولیس نے گرفتار کرلیا ؟ لیکن کس جرم میں ؟ " میں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا - اب حقیقت مجھ پر عیاں ہونے لگی تھی -

" فرضی الزام میں احمق آدمی - " اس نے کہا - " کسی مہذب ملک میں ایسا نہیں ہوتا - اسے غیر قانونی طور پر شراب رکھنے کے جھوٹے الزام میں پکڑا گیا ہے - بمبئی میں کون سا گھر ایسا ہے جہاں شراب نہیں ہے ؟ تم نے ایسا اندھیر کبھی دیکھا تھا - "

" کیا اسے سزا ہوگئی ؟ "

"ابھی نہیں... کل اسے عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ اور معمولی سا جرمانہ دے کر وہ چھوٹ جائے گی۔" پھر اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "کچھ پیو گے؟"

"تم پلاؤ گے تو کیوں نہ پیوں گا۔"

میرا خیال تھا کہ وہ گلاس لے کر میرے پاس آئے گا۔ لیکن وہ بہت چالاک تھا حالانکہ میرا اندازہ تھا کہ وہ خاصی پی چکا ہے گو ابھی تک مدہوش نہیں ہوا تھا لیکن اس کی زبان نشے میں بھی یوں چل رہی تھی جیسے وہ پوری طرح ہوش و حواس میں ہو، وہ بے حد خوش اور مطمئن نظر آرہا تھا اور اپنی کامیابی پر پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس نے وسکی گلاس میں انڈیلی اور گلاس میرے اور اپنے درمیانی فاصلے پر فرش کے اوپر رکھ کر واپس چلا گیا۔

"گلاس خود اٹھالو قربانی کے بکرے۔ شاید یہ تمہاری زندگی کا آخری جام ثابت ہو۔"

میں نے جاکر گلاس اٹھالیا۔ "تم کہہ رہے تھے کہ بات بڑی واضح ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھ سکا۔"

"... جولی کی گرفتاری کا سبب تم نہیں سمجھ سکتے۔ اس کی ضمانت اس لئے نہیں ہوئی کہ وہ کمینہ انسپکٹر رمیش بہت چالاک ہے۔ جب سے تمہاری تصویر اخبار میں شائع ہوئی تھی وہ کئی کئی بار بنگلے کا چکر لگا رہا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ جولی کو تمہارا پتا معلوم ہے، ہم اسے الزام بھی نہیں دے سکتے کیونکہ میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ جانتی تھی کہ تم کہاں ہو۔"

"تو وہ اسے پوچھ گچھ کے لئے گرفتار کرکے لئے گئے ہیں، تمہارا یہی مطلب ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اور میں اتنی دیر سے کیا سمجھا رہا ہوں؟" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ بدمعاش تم کو لینے آتے ہی ہوں گے تب تک ایک آخری جام اور ہوجائے۔" اس نے گلاس بھرتے ہوئے کہا۔ "جب تک وہ واپس نہیں آتی موقع سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا جائے۔"

"سنو کرنل! تم تو اس شہر کی رگ رگ سے واقف ہو۔" میں نے اسے چڑھایا۔ "یہ لوگ آخر کیوں میرے لئے پچاس ہزار روپے خرچ کرنے کو تیار ہیں؟ میں نے گوا جیل سے فرار ہونے کے علاوہ اور کونسا کارنامہ انجام دیا ہے؟"

"اب اتنے بھی معصوم نہ بنو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "رمیش شروع ہی سے راکھو کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ جب وہ آخری بار نور احمد کے ساتھ سونے کی تلاش میں گیا تب بھی انسپکٹر رمیش اس کے تعاقب میں تھا لیکن پرتگالیوں نے راکھو کو گرفتار کرلیا۔ اس سے زیادہ سونے کے بارے میں اور کوئی شخص نہیں جانتا۔ بس اس کو یہ معلوم نہیں کہ وہ پوشیدہ کس جگہ ہے۔ وہ ہر قیمت پر یہ راز معلوم کرنا چاہتا ہے اور اس کو یقین ہے کہ تم اس راز سے واقف ہو۔"

بات واضح ہوتی جارہی تھی اور مجھے پہلی مرتبہ صورتحال کا صحیح اندازہ ہورہا تھا۔

"ممکن ہے میں اس سلسلے میں واقعی مدد کرسکوں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "تم اس سلسلے میں مجھ سے سودا کرنے کو تیار ہو؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" اس نے دوٹوک جواب دیا۔ "یہ اتنا بڑا اور اس قدر خطرناک معاملہ ہے کہ میں اس میں ہاتھ نہیں ڈالوں گا۔ اب تک بہت سے لوگ اس لالچ میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ میں زیادہ کے لالچ میں تھوڑے اور یقینی منافع کو نہیں گنوا سکتا۔ نور احمد جو ساٹھ ہزار روپے لے کر آرہا ہے میرے لئے وہی کافی ہیں، اور اگر وہ نہیں آتا تو میں پولیس کے دس ہزار انعام پر ہی اکتفا کرلوں گا۔ مجھے افسوس ہے اوریلی! لیکن میری عمر کو پہنچ کر تم بھی یہی فیصلہ کرو گے۔ ٹھیک ہے نا؟"

میں نے سر ہلا کر ہامی بھری۔

"اور پھر اس بات کا یقین بھی نہیں کہ سونا اب تک وہاں موجود ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ جاپانی وہ سونا نکال کر لے گئے اور اگر یہ غلط بھی ہے تو اب اس کا سراغ لگانا بہت مشکل ہے۔ سچ پوچھو تو میں تم کو پولیس کے بجائے نور احمد کے حوالے کرتے ہوئے خوشی محسوس نہیں کررہا ہوں۔ لیکن ساٹھ ہزار کی رقم کم نہیں ہوتی۔ اور پھر تم نے ایک مرتبہ مجھے یہاں سے نکلوا کر میری جگہ خود حاصل کرنے کی جو سازش کی تھی وہ میں اب تک نہیں بھولا ہوں۔"

"لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ میں نے کبھی یہ کوشش نہیں کی۔"

"انکار سے اب کوئی فائدہ نہیں۔ ایک جام اور لو۔" اس نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔

وہ جام لے کر آگے بڑھا۔ میرا گلاس اب تک ویسے ہی بھرا رکھا تھا کیونکہ میں نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ جیسے ہی وہ گلاس رکھنے کو جھکا میں نے اپنے گلاس کی ساری شراب اس کے چہرے پر پھینک ماری۔ اور بجلی کی سی

سُرعت کے ساتھ ایک بھرپور ٹھوکر اس کے پیٹ پر رسید کی - وہ الٹ کر پیچھے گرا اور پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا - اس سے پہلے کہ وہ اٹھ سکتا، میں نے لپک کر پستول اٹھایا اور اس کے دستے کی بھرپور ضرب کرنل کی گنجی کھوپڑی پر لگائی - وہ کراہ کر ساکت ہو گیا -

میں نے جلدی سے اس کی جیب سے پرس نکالا - ارادہ صرف اپنی رقم واپس لینے کا تھا لیکن بٹوا شاید اس رات کی آمدنی سے بھرا ہوا تھا - اس نے جو کچھ میرے ساتھ کیا تھا اس کا معاوضہ یہی تھا کہ میں ساری رقم رکھ لوں - اس کام سے فارغ ہو کر میں نے کرنل کو گھسیٹ کر صوفے کے پیچھے ڈال دیا - اور پھر کھڑکی سے کود کر باہر نکل گیا - میں بے حد خوشی اور اطمینان محسوس کر رہا تھا -

میں نے ساحل پر پہنچ کر آہستہ سے سیٹی بجائی، نوپاہ سے یہی اشارہ طے ہوا تھا - مجھے اس بات کی خوشی سب سے زیادہ تھی کہ جولی نے غداری نہیں کی تھی - دل پر جو سب سے بڑا بوجھ تھا وہ ہٹ گیا تھا - مجھے پہلے بھی یقین تھا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتی لیکن حالات اور واقعات نے شبہے میں ڈال دیا تھا - اور اب ایک ناقابل بیان اطمینان کا احساس ہو رہا تھا جیسے کوئی چبھا ہوا کانٹا نکل جائے - راکجو اور نور احمد کے درمیان جو تعلق تھا اس کے معلوم ہو جانے سے اب بہت ساری باتیں صاف ہو گئی تھیں - کم از کم ایک بات یقینی تھی کہ سونا اب تک وہاں موجود ہے - نور احمد جیسے لوگ ساٹھ ہزار روپے کا جُوا نہیں کھیلتے - اسے معلوم تھا کہ سونا موجود ہے - اب تک جو چیز سمجھ میں نہیں آ رہی تھی وہ یہ تھی کہ راکجو سے میرے تعلق کا اسے کیسے علم ہوا - میں ابھی اسی بات پر غور کر رہا تھا کہ نوپاہ جھاڑیوں سے اچانک برآمد ہوا - تاریکی میں وہ ایک سائے کی طرح نظر آ رہا تھا لیکن اس کی پریشانی کا مجھے لاشعوری طور پر احساس ہو رہا تھا -

"تم یہاں کیا کر رہے تھے؟" میں نے پوچھا - "میں نے تم کو دور رہنے کے لئے کہا تھا -"

"نور احمد اور اس کے لڑکے ابھی اپنی کار میں آئے ہیں" اس نے کہا - "وہ ساحل والی سڑک پر کار کھڑی کر کے بنگلے کی طرف ....."

"ٹھیک ہے -" میں نے بے پروائی سے کہا - "مجھے نیند آ رہی ہے، تم کسی ہوٹل میں محفوظ ٹھکانا تلاش کرو -"

اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا - "میں سمجھا تھا کہ تم پکڑے گئے اور میڈم نے ان لوگوں کو اس لئے بلایا ہے کہ تمہیں ان کے حوالے کر دے، لیکن جب پولیس آئی تو ..."

میں اچھل پڑا - "کیا بک رہے ہو؟"

"میں نے جو کچھ دیکھا صرف وہ بتا رہا ہوں -" اس نے جواب دیا - "پہلے نور احمد اپنے لڑکوں کے ساتھ آیا - اس نے کار ان درختوں کے نیچے کھڑی کی جو مجھ سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھے - وہ بنگلے کے عقبی حصے کی طرف گئے، میں چند منٹ بعد ان کے تعاقب میں گیا اور تب مجھے اپنے تعاقب میں آنے والوں کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی - میں پھرتی کے ساتھ قریب کی گھنی جھاڑیوں میں چھپ گیا - وہ دو تھے، ایک کا ہاتھ جھاڑی کے کانٹے میں لگا... تو وہ چیخ اٹھا، دوسرے نے اسے ڈانٹا تو اس نے جلدی سے کہا - "معافی چاہتا ہوں رمیش جی -"

مجھے ایک اور خوشی نصیب ہوئی - "چلو ایک اور دشمن سے نجات ملی - پولیس یقیناً نور احمد کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہی ہو گی، اب اس کی گرفتاری کے بعد ان کو یہ معلوم ہو گا کہ کہیں قریب ہی ہم بھی موجود ہیں ...... اب یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں ہے - فوراً نکل چلو -"

"لیکن میڈم - کیا وہ پولیس کو بتلا دے گی؟"

"وہ انہیں کچھ نہیں بتائے گی -" میں نے یقین دلایا - "کیونکہ وہ بنگلے میں موجود نہیں ہے - چلو آؤ تم آج بہت سوال کر رہے ہو -"

جولی کے بنگلے کے پاس پام کے درختوں کے جھنڈ کے پیچھے ایک چھوٹا سا بازار ہے اور اس کے بعد ایک دلدلی سنسان پٹی ہے جو سانتا کروز کے ہوائی اڈے تک چلی گئی ہے - ہم اس سے ہوتے ہوئے بلا کسی دشواری کے سڑک تک پہنچ گئے اور وہاں سے ایک ٹیکسی لے کر شہر کی سمت روانہ ہوئے - فورٹ کے علاقے میں پہنچ کر ہم نے ٹیکسی چھوڑ دی اور وہاں قریب کی ایک غریب بستی میں پہنچ کر نوپاہ نے ایک ہوٹل کا رخ کیا -

میں ان ہوٹلوں سے عاجز آ گیا تھا جنہوں نے نام تو بڑے شاہانہ اور شاندار رکھ چھوڑے تھے لیکن جن کے بدبودار کمروں اور میلے بستروں پر ایک رات بھی بسر کرنا عذاب ہوتا ہے - بمبئی میں ایسے ہوٹلوں کی بہتات ہے - متوسط اور غریب طبقے کی بستیوں میں (اسٹار آف ایشیا) اور (انڈین پرل

پلیس) نام کے ایسے بہت سارے ہوٹل آپ کو مل جائیں گے۔ ہم جس ہوٹل میں داخل ہوئے اس کے بورڈ پر لکھا ہوا نام بھی پڑھا نہیں جاتا تھا۔ غور سے پڑھنے پر وہ "شالیمار گارڈن ہوٹل" نظر آیا۔ ہم کو دوسری منزل پر کمرا ملا۔ میں نوپاہ کو کاؤنٹر پر بحث کرتے چھوڑ کر اوپر چلا گیا۔ کمرے میں چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ کونے میں ایک صراحی رکھی ہوئی تھی، اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہ تھی۔ میں نے اپنی چارپائی گھسیٹ کر دروازے کے قریب کرلی اور نوپاہ کے آتے ہی دروازہ بند کرکے جو بستر پر گرا تو پھر ہوش نہ رہا۔

آنکھ کھلی تو دوپہر ہو چکی تھی۔ نوپاہ دوسری چارپائی پر اداس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے مسکرا کر اس کی ہمت افزائی کرنا چاہی لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ میں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور پوچھا۔ "کیا بات ہے۔ تم اتنے اداس کیوں ہو؟"

"میں بہت فکرمند ہوں مسٹر اوریلی!" اس نے جواب دیا۔

"کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جب بھی تمہاری مرضی نہیں چلتی تم پریشان رہتے ہو۔"

"میڈم جانتی ہے کہ ہم بمبئی میں ہیں۔"

"اسے اب تک یہ بات نہیں معلوم۔ اور اگر معلوم بھی ہو جائے تو اس کی طرف سے ہم کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"اس نے نور احمد کے ہاتھ تم کو بیچ دیا تھا۔"

"یہ اس کی حرکت نہیں تھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر کس نے خبر رسانی کی تھی؟"

"تم اپنے کام سے کام رکھو۔" میں نے کہا۔ "اور اب بستر سے اٹھ جاؤ۔ بازار جاکر میرے لئے ایک شیروانی، چند گز سیاہ سلک اور ایک بمبئی والی ٹوپی خرید لاؤ۔ میرے سر کا نمبر سات ہے۔ سفید موزے اور چپل بھی لے لینا۔"

"میرے خدا!" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "آخر ارادہ کیا ہے، کم از کم لباس کے بارے میں تو مجھ سے مشورہ کر لیا کرو۔"

"مجھے تمہارے یا کسی اور کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "جو کہوں اس پر عمل کرتے رہو۔ شیروانی ذرا لمبی خریدنا، جیسی بڑے ہوٹلوں کے ویٹر پہنتے ہیں۔ اور بالکل سفید۔"

میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سو کے چند نوٹ نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیے۔ وہ چند لمحے پس و پیش کے عالم میں دیکھتا رہا۔ "بس اتنے ہی باقی بچے تھے؟"

"ہاں....." میں نے روکھا سا جواب دیا۔ "احتیاط سے خرچ کرنا لیکن کپڑے اچھے کوالٹی کے خریدنا، سمجھ گئے؟"

اس نے نوٹ لے لئے لیکن شش و پنج میں پڑا رہا۔ اسے میرا رویہ پسند نہیں آیا تھا۔ میں نے چارپائی دروازے کے سامنے سے ہٹائی اور وہ زیر لب بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔ میں نے منہ ہاتھ دھو کر غسل کیا، حجامت بنوانے کی ضرورت تھی لیکن میں نے انتظار کرنا مناسب سمجھا۔ ٹوپی کے ذریعے فی الحال کام چل جائے گا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے بعد آیا اور تمام چیزیں بستر پر رکھ دیں۔ شیروانی مجھے پسند نہ آئی کیونکہ وہ ہندوانہ طرز کی تھی اور گھٹنوں کے اوپر تک آتی تھی۔ میں نے اسے صلواتیں سنائیں اور اس کو واپس کرکے دوسری لانے کے لئے دوبارہ بازار روانہ کیا۔ دوسری مرتبہ وہ قدرے غنیمت لے کر آیا۔ اس کے بعد میں نے اسے کھانا لانے کے لئے بھیجا اور فوراً ہی لباس تبدیل کرکے تیار ہو گیا۔ اب میں اپنے حلیے سے مطمئن ہو گیا تھا۔ ہندوستان میں سارے عیسائی پادری یہی لباس پہنتے ہیں اور کالے سلک کا اسکارف نما پٹکا گلے میں ڈالتے ہیں۔ اس پر بمبئی کی فلٹ ٹوپی پہن کر میں کسی گرجے کا پادری نظر آنے لگا تھا۔ آنکھوں پر گہرے رنگ کی عینک لگا کر میں نے اپنا حلیہ آئینے میں دیکھا اور مطمئن ہو کر باہر نکل گیا۔ سیاہ پٹکا میں نے شیروانی کی جیب میں رکھ لیا تھا۔

سب سے مشکل مرحلہ ہوٹل سے نکل کر ریلوے اسٹیشن پہنچنے کا تھا۔ کوشش کے باوجود میں بار بار پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ جب بھی کوئی پولیس والا نظر آتا، قدم خود بخود لڑکھڑا جاتے تھے لیکن بہرحال میں اسٹیشن تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسٹیشن کے باتھ روم میں جاکر میں نے سیاہ پٹکا گلے میں ڈالا اور مکمل پادری بن کر پوسٹ آفس کی سمت روانہ ہو گیا۔ راستے میں مجھے تین چار پادری ملے، ان کو دیکھ کر تو میں ایک لمحے کے لئے گھبرایا لیکن پھر گردن ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ اب مجھے اپنے حلیے پر اور زیادہ اطمینان ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ گوا جانے کے لئے اسی حلیے کو استعمال کیا جائے لیکن پھر خیال آیا کہ وہاں اس حلیے میں بہت نمایاں نظر آؤں گا اس لئے یہ مناسب نہ ہو گا۔

پوسٹ آفس کے اس کاؤنٹر پر بڑی بھیڑ تھی جہاں ڈاک خانے کی معرفت ڈاک منگوانے والے اپنے خطوط لیتے ہیں، بمبئی میں لاکھوں افراد ایسے رہتے ہیں جن کا اپنا کوئی گھر یا

ٹھکانا نہیں ہے - وہ روزگار کے لئے آتے ہیں اور فٹ پاتھوں اور کھولیوں میں رات بسر کر کے دن گزارتے ہیں - ایسے تمام لوگ اپنے خطوط ڈاک خانے کی معرفت منگواتے ہیں یہاں پر ڈائمنڈ ہاربر کی طرح رعب جھاڑنے سے کام چلتا نظر نہیں آتا تھا - وہ ہر آدمی سے شناختی کاغذات طلب کر رہے تھے 'بعض افراد کو انہوں نے خط دینے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ ان کی شناخت سے وہ مطمئن نہ تھے - میں نے یہ اچھا کیا تھا کہ اپنا لفافہ کسی ہندوستانی نام سے نہیں بھیجا تھا لیکن یورپین نام لکھ کر بھی میں نے کچھ اچھا نہ کیا تھا کیونکہ یہاں یورپین افراد اپنی ڈاک دفتر 'کلب یا گھر کے پتے پر منگواتے تھے البتہ پادریوں کی عزت اور احترام ہر جگہ تھا -

میں بڑے اعتماد کے ساتھ کاؤنٹر تک پہنچا - بابو ایک عورت سے الجھ رہا تھا جو ڈاکخانے والوں کو کوس رہی تھی ' مجھے دیکھتے ہی وہ عورت کو چھوڑ کر فوراً میری طرف متوجہ ہوا -

"یس فادر -" اس نے بڑے ادب سے کہا -

"شاید میرے نام کوئی خط آیا ہو گا بیٹے -" میں نے بڑے نرم لیکن باوقار لہجے میں کہا -

وہ پھرتی کے ساتھ گیا اور میرا تحریر کردہ لفافہ لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیا - "یہ رہا پادری صاحب -" اس نے احتراماً جھک کر کہا -

"خدا تم کو خوش رکھے میرے بچے -" میں نے اس کو دعا دی اور رخصت ہو گیا -

نقشہ اتنی آسانی کے ساتھ بحفاظت مجھے واپس مل گیا تھا - میں اس کامیابی پر بڑا خوش تھا - اسٹیشن جا کر پھر میں نے باتھ روم میں حلیہ تبدیل کیا اور ہوٹل واپس پہنچ گیا - نوپاہ میرا منتظر تھا ' تجسس اور اضطراب اس کے چہرے سے عیاں تھا - لیکن میں نے اسے ذرا بھی ہوا نہ لگنے دی کہ میں کہاں گیا تھا - میں نے بستر کھول کر چارپائی دریچے کے پاس کر لی اور جیب سے نقشہ نکال کر اس پر پھیلا دیا - نوپاہ کا چہرہ نقشہ دیکھتے ہی کھل اٹھا - وہ میرے قریب آ کر اس پر جھک گیا - میں نے نقشہ بند کر کے پھر جیب میں رکھ لیا اور اس کی سمت دیکھنے لگا - وہ فوراً سمجھ گیا اور اپنی چارپائی پر جا کر بیٹھ گیا تو میں نے دوبارہ نقشہ نکال کر دیکھنا شروع کیا - نوپاہ کی نظریں مجھ پر مرکوز تھیں -

اور پہلی مرتبہ مجھ پر جھنجلاہٹ اور مایوسی طاری ہونے لگی - نقشے سے کچھ بھی سمجھ میں نہ آ سکا تھا - لیکن اس کے باوجود مجھے یقین تھا کہ سونا وہاں موجود ہے - میں نے اب تک اس کے بارے میں جتنی داستانیں سنی تھیں ان کو یاد کرنے لگا ' پھر یہ غور کرنا شروع کیا کہ کہیں اس میں خفیہ الفاظ تو استعمال نہیں کئے گئے - اگر یہ الفاظ کوڈ میں تھے تو ان کو حل کیسے کیا جائے ؟ بوسیدہ ' پھٹے ہوئے اور مبہم الفاظ سے کوئی معنی نکالنا میرے بس کی بات نہ تھی - میں ان الفاظ کو گھورتا رہا - جزیروں کے نام ؟ نہیں میں اس علاقے کے تمام جزیروں کے بارے میں جانتا تھا ' یہ جہازوں کی پوزیشن بھی نہیں ہو سکتی - تو پھر کیا تھا ؟ کیا وہ بیکار منہا یونہی اوٹ پٹانگ نام چارٹ پر لکھتا رہا ؟ نہیں - اگر ایسا ہوتا تو ان کے ساتھ پوزیشن 'سمت اور اشارے نہ لکھے ہوتے - کوئی جہاز راں اپنے چارٹ پر بیکار الفاظ نہیں لکھتا -

مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ کتنی دیر تک میں نقشے کو گھورتا اور ان الفاظ پر غور کرتا رہا - پائتھا گورس - نارتھ - ایسٹ کارنر - آخر وہ کیا بتلانا چاہتا تھا - کس چیز کی سمت اشارہ کر رہا تھا - اس نام کی کون سی جگہ اس علاقے میں ہو سکتی ہے ؟ پائتھا گورس کا نام صرف جیومیٹری کے مضمون میں آتا تھا -

نوپاہ سے برداشت نہ ہو سکا - "اب اسے فی الحال چھوڑ دو " اس نے کہا - "جب ذہن الجھ جائے تو مسئلے کو چھوڑ دینا چاہئے -"

"شٹ اپ -" میں نے غصے میں کہا -

"میرا خیال ہے کہ پہلے کچھ کھا پی لو - پھر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد دماغ پر زور دینا -"

"تم اپنا منہ بند نہیں رکھ سکتے ؟" میں پھنکارا -

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا - "تم تھک گئے ہو مسٹر اوریلی - تمہیں اندازہ نہیں کہ کتنی تھکن ہے - میرا مشورہ مانو اور مہربانی کر کے تھوڑا آرام کر لو -"

اور پھر اچانک ذہن میں ایک خیال کوندا - "ٹرائی" - راکجو کے آخری الفاظ کانوں میں گونجے - "ٹرائی - ٹرائی - ٹرائی - میرے خدا !" میرے منہ سے بیساختہ نکلا - "یہ تین حروف - یہی اس کوڈ کا حل تھے - ٹی آر وائی - ٹی سے ٹریونڈی ' آر سے راموا اور وائی سے یالو میرے پاس سیٹ اسکوائر نہ تھا لیکن میں نے لفافے کے کونوں سے زاویوں کی پیمائش شروع کر دی - پنسل نہیں تھی تو ناخن سے لکیریں بنانا شروع کر دیں - کچھ دیر میں ایک تکون واضح ہو گیا - راموا کا زاویہ نوے ڈگری پر تھا ' اور ٹرینڈی اور یالو کو ملانے والی لائن سے وتر بن جاتا تھا - کسی

بھی جہاز راں کے لئے اب ان چیزوں کی نشان دہی بچوں کا کھیل تھا۔ اس تکون کا اوپری دایاں کونا نارتھ ایسٹ (شمال مشرق) کا زاویہ بناتا تھا۔ خدایا۔ میں نے معما حل کر لیا تھا۔

میں نے نقشہ تہ کر کے رکھ دیا لیکن نوپاہ نے میرے چہرے سے کامیابی کا اندازہ لگا لیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ شاید اب میں کچھ پتا لگا لوں۔ لیکن اس کے لئے جن اوزاروں کی ضرورت ہے وہ میرے پاس نہیں ہیں" میں نے اسے دھوکا دینے کی کوشش کی۔ "مجھے ایک عدد سیٹ اسکوائر کی ضرورت ہے۔ تم جانتے ہو کیا ہوتا ہے یہ؟"

"ہاں۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک۔ تو اب جا کر بازار سے خرید لاؤ' اس کے ساتھ ہی دو ڈوائیڈر اور ایک اچھا رولر بھی لے آنا اور ایک پنسل اور ربر بھی' سمجھ گئے؟ کسی اچھی اسٹیشنری کی دکان سے مل جائے گا۔"

وہ تھوڑی دیر بعد سامان لے کر آ گیا تو میں نے بے دردی کے ساتھ اسے اور چیزیں خریدنے کے بہانے پھر بازار بھیج دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کام کے دوران وہ میرے سر پہ سوار رہے ـــ جلد ہی تصدیق ہو گئی۔ راکھبو نے جزیرہ راموکی نشان دہی کی تھی۔ میں نے نقشے پر پنسل سے بنائے ہوئے تمام نشانات مٹا دیے۔ اب یہ نقشہ جس کا دل چاہے لے جا سکتا تھا' اصل مقام کا پتا صرف اور صرف مجھے معلوم تھا۔

میں نوپاہ کا انتظار کرنے لگا' اب مسئلہ صرف یہ رہ گیا تھا کہ جزیرے تک پہنچا کس طرح جائے۔ لیکن میں بہت تھک گیا تھا اور اس کا احساس اب ہو رہا تھا۔

مجھے اب تک ہائیڈ پارک کی ایک صبح یاد ہے۔ میں اسپیکر کارنر میں کھڑا تھا جہاں ہر شخص کو اپنی پسند کے موضوع پر اظہارِ خیال کی مکمل آزادی ہے۔ ایک شخص بینر لئے کھڑا تھا جس پر ایک عجیب بات تحریر تھی۔ "کیا کیڑا اس لئے بھوکا مرتا ہے کہ سیب بہت بڑا ہے؟" اس وقت مجھے یہ موضوع احمقانہ لگا تھا۔ لیکن آج میں سوچ رہا تھا کہ کیا یہ حقیقت نہیں کہ سیب بہت بڑا ہے؟ بیشک یہ سیب بہت بڑا تھا اور میں کیڑے کی طرح بہت چھوٹا' اب تک ہر لمحہ صرف ایک فکر رہتی تھی کہ پولیس کی گرفت سے بچا جائے تاکہ دوبارہ کوباسیتا کی چار دیواری کے اندر نہ جانا پڑے' نقشے کی تلاش میں اس دیوانہ وار بھاگ دوڑ کی مہم نے مجھے ایک نیا مقصد عطا کیا تھا۔ لیکن کیا مجھے سونے کی موجودگی کا واقعی یقین تھا؟ میرا خیال ہے کہ ہاں۔ جب سے نوپاہ نے سونے کی اینٹ برآمد کی تھی' مجھے یقین آ گیا تھا لیکن اس دوران کئی بار یہ دل چاہا کہ اس مصیبت سے نجات حاصل کر کے کسی اور ملک فرار کی راہ لوں۔

لیکن اب تمام شکوک و شبہات دور ہو چکے تھے' کوئی انجانی حس یہ کہہ رہی تھی کہ کامیابی قریب ہے' راکھبو کا ناقابلِ فہم معما اب حل ہو چکا تھا اور اتنا آسان لگ رہا تھا کہ میں حیران تھا' اتنی دیر میں کیوں سمجھ میں آیا۔ سونا اب تک وہاں موجود تھا اور پولیس کو یہ حقیقت معلوم تھی۔ اس کے علاوہ نور احمد بھی جانتا تھا لیکن مقام کے بارے میں انہیں کچھ پتا نہ تھا۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ جب راکھبو کو وہ جگہ معلوم تھی تو نقشہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ اسے بھی تو اس بات کا خطرہ ہو گا کہ نقشہ کسی اور کے ہاتھ لگ گیا تو وہ اس کی مدد سے سونا ہتھیا سکتا ہے۔ لیکن اب بات سمجھ میں آتی تھی۔ مجھے راکھبو کی بات یاد آئی۔ اس نے کہا تھا "مجھے معلوم ہے کہ سڈنی کہاں واقع ہے اور سان فرانسسکو کدھر ہے۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کے لئے مجھے نقشے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

اب شک و شبہ تو دور ہو چکا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ سونے کو وہاں سے نکال کر ٹھکانے کیسے لگایا جائے گا؟ یہ مسئلہ آسان نہ تھا۔ پہلے ہمیں ایک لانچ' کھدائی کے لئے ضروری سامان اور اوزاروں کی ضرورت ہو گی۔ خدایا! کاش میرے پاس ایک ایسا قابلِ اعتبار ساتھی ہوتا جس کو استعمال کر سکتا۔ لیکن کوئی بھی تو نہ تھا۔ جولی کو شریک کرنا اب محفوظ نہ رہا تھا کیونکہ پولیس اس کی نگرانی کر رہی تھی۔ نہیں۔ مجھے خود ہی کوئی بندوبست کرنا ہو گا لیکن کسی طرح ابتدائی مشکلات حل بھی ہو جائیں تو پھر کیا ہو گا؟ سونا مل جانے کے بعد کیا کریں گے؟ اسے لانچ پر لادنے کے بعد کسی بندرگاہ پر لے جا کر فروخت کر دیں گے' ایک سو پچاس ٹن سونے کی فروخت کیا اتنی آسان ہو گی اور مجھ جیسے مفرور کے لئے؟ بلاشبہ سیب بہت بڑا تھا جس کو ہضم کرنے کے لئے میری حیثیت ایک چھوٹے سے کیڑے کی تھی۔

نہیں... میں نے آخر میں فیصلہ کیا۔ راکھبو نے جو طریقہ اختیار کیا تھا وہی ایک واحد طریقہ تھا۔ ایک ایک قدم اٹھانا

ہوگا- پہلے سونے کو تلاش کرکے وہاں سے کھود کر نکالا جائے- پھر اسے ساحل پر کہیں منتقل کیا جائے اور اس میں سے صرف اتنا حصہ لانچ پر لادا جائے جسے آسانی سے فروخت کرنا ممکن ہوسکے' اسے کسی محفوظ جگہ لے جاکر تھوڑا تھوڑا فروخت کرنا ہوگا تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو- پھر اتنی رقم جمع کرلی جائے کہ اپنی لانچ خریدی جاسکے' اس کے بعد واپس آکر بقیہ سونا نکال لیا جائے-

لیکن اس کو فروخت کہاں کیا جائے؟

بمبئی واپس آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا- ایک مرتبہ یہاں سے نکلنے کے بعد زندگی میں کبھی ادھر کا رخ نہیں کرنا تھا- گوا؟ وہاں جانے کا بھی سوال نہ تھا- کیوں کہ سب سے زیادہ خطرہ اسی جگہ تھا- کولمبو؟ جگہ وہ بھی مجھے پسند نہ تھی کیونکہ وہ الگ ملک ضرور تھا' لیکن ہندوستان سے بہت قریب تھا- کراچی؟ لیکن نہیں- اول تو فاصلہ بہت تھا اور پھر وہاں سونے کی اسمگلنگ کی سزا بڑی سخت تھی- نہیں- پہلے کولمبو میں ہی قسمت آزمانا پڑے گی — اس کے بعد اگر اپنی لانچ ہو بھی گئی تو اتنا سونا لے کر کہاں ٹھکانے لگائیں گے؟

اسی پر سوچتے سوچتے دوپہر ہوگئی- نوپاہ چپ چاپ کونے میں بیٹھا پہلو بدل رہا تھا- مجھے اس کی بے چینی کا احساس تھا-

"ٹھیک ہے- پہلے ہمیں ایک لانچ کی ضرورت ہے- مچھلی پکڑنے والی بوٹ مل جائے تو زیادہ بہتر ہوگا لیکن ہو موٹر بوٹ اور صرف دو آدمیوں کا عملہ چاہئے-

میرا خیال تھا کہ وہ تکرار کرے گا- لیکن خلافِ توقع وہ خوش ہوکر بولا- "یہ کونسا مشکل کام ہے- چٹکی بجاتے ہو جائے گا-" اس نے میری سمت دیکھ کر پوچھا- "روانہ کب ہونا ہے؟"

"جتنی جلد ممکن ہو بہتر ہوگا" - میں نے جواب دیا- "اگر تم بوٹ کا انتظام کرسکو تو آج ہی رات ممکن ہے" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا- "تم باتیں تو بڑی بڑی کرتے ہو' کچھ کام بھی تو کرکے دکھاؤ" یہ میری زیادتی تھی- اگر وہ نہ ہوتا تو میں کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا اور کب کا پولیس کے ہتھے چڑھ چکا ہوتا لیکن نوپاہ نے برا نہیں مانا-

"میں انتظام کرسکتا ہوں-" اس نے اعتماد کے ساتھ کہا- "کاش راگھو نے نور احمد کے پاس جانے کے بجائے مجھ سے مدد لی ہوتی تو اس کا یہ المناک انجام نہ ہوتا- لیکن اس کے ستارے گردش میں تھے-"

"جہنم میں ڈالو ستاروں کو-" میں نے کہا- "یہ بتاؤ انتظام کیسے کروگے؟"

"بندرگاہ کے قریب مچھیروں کی بستی ہے-" اس نے بتلایا- "بہت سیدھے سادے لوگ ہیں — ہمارے بھکشوؤں نے ان کی مدد کی تھی' وہ کوئی سوال بھی نہ پوچھیں گے-"

میں نے اسے چارٹ' راستے کے لئے راشن اور دیگر ضروری اشیاء کی خریداری کے لئے روانہ کردیا- میں نے جب رقم کی کمی کا ذکر کیا تو وہ بولا کہ فکر نہ کرو' بہت سی چیزیں میں اپنے دوستوں سے لے آؤں گا- اس نے چار پانچ گھنٹے کا وقت مانگا اور چلا گیا-

لیکن اس کی واپسی نہ ہوئی — پورے چھتیس گھنٹے گزر گئے اور نوپاہ نہیں آیا- میں پریشانی اور فکر سے دیوانہ ہوگیا- ہر لمحہ ایک عذاب محسوس ہونے لگا' ان گنت اندیشے اور وسوسے ذہن میں جنم لینے لگے' صبح ہونے تک میرا برا حال ہوچکا تھا- اس کی اتنی دیر کی گمشدگی کے بارے میں مختلف وجوہات سوچتا اور رد کرتا رہا- ممکن ہے پولیس نے پکڑ لیا ہو؟ لیکن وہ اسے کیوں پکڑیں گے؟ میرے ساتھ تعلق کی بنا پر؟ وہ اس کی کھال ادھیڑ دیں گے- کیا وہ میرا پتا بتلادے گا؟ نہیں- ذاتی وفاداری کے علاوہ یہ اس کے مفاد کے بھی خلاف ہوگا- اس کے بعد کیا ہوگا؟ جلد یا بدیر وہ اسے رہا کرنے پر مجبور ہوں گے بشرطیکہ اس کے خلاف ان کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو' اس کے بعد وہ اس کے تعاقب میں آدمی لگادیں گے اور وہ جب آئے گا تو پولیس کو بھی یہاں پہنچنے میں دیر نہ لگے گی- لیکن نوپاہ کو پولیس کے یہ تمام ہتھکنڈے معلوم ہیں اس لئے وہ یہاں ہرگز نہیں آئے گا- مگر کیا اسے واقعی پولیس نے پکڑلیا؟ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نور احمد کی گرفت میں آگیا ہو- پھر کیا ہوگا؟ وہی جو پولیس کے ہاتھ لگنے کے بعد ہوتا- فرق صرف اتنا ہوگا کہ پولیس کے مقابلے میں وہ اسے زیادہ اذیت دیں گے بلکہ تشدد کریں گے- وہ کس حد تک برداشت کرسکے گا؟

مار اچھے اچھے لوگوں کی زبان کھلوا دیتی ہے- میں اس بات کا کوئی جواب نہ دے سکتا تھا- مانا کہ بدھوں میں تشدد برداشت کرنے کی..... صلاحیت زیادہ ہوتی ہے- لیکن اس کے باوجود اذیت برداشت کرنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے- اور اگر نوپاہ

پولیس کے بجائے نور احمد کے قبضے میں ہے تو وہ اس کی زبان بھی کھلوا لیں گے - اس کے بعد وہ میری تلاش میں یہاں آئیں گے - وہ دن کے اجالے میں کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے کیوں کہ پولیس خود ان کی تلاش میں ہے -

آخر کار میں نے فیصلہ کیا کہ اگر وہ رات تک نہیں آیا تو میں ہوٹل چھوڑ دوں گا - اس نے کہا تھا کہ بندرگاہ کے دوسری جانب مچھیروں کی ایک بستی ہے ' مجھے بھی ایسی کئی بستیوں کا علم تھا - لیکن یہ بھی معلوم تھا کہ وہ صرف اپنی زبان بولنا جانتے ہیں .... ممکن ہے کوئی میری ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی سمجھ لے یا ممکن ہے ان میں سے کوئی تھوڑی بہت انگریزی سمجھتا ہو - میں ان سے معاملہ طے کر لوں گا اور ایسی شرائط طے کروں گا کہ کوئی خطرہ نہ رہے - جولی سے رابطہ موجودہ حالت میں کسی طرح مناسب نہیں تھا - ایک مرتبہ پھر تنہائی کا شدید احساس مجھ پر طاری ہو گیا - کاش کوئی فرد تو اس شہر میں ایسا ہوتا جس کے پاس میں جا سکتا ' لیکن کوئی بھی نہیں تھا - سوائے نوپاہ کے . اور اب وہ بھی ساتھ نہ رہا تھا ' جانے اس پر کیا بیتی - اب میں بالکل تنہا تھا اور مجھے اب اندازہ ہوا کہ بوڑھے راکھو کا ذہنی توازن کیوں گڑ بڑ ہو گیا تھا ' سونے کا اتنا بڑا ذخیرہ پڑا ہوا تھا لیکن کوئی آدمی اسے تنہا اٹھا نہیں سکتا تھا اور کسی اور کو بھی شریکِ راز بنانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا کہ مبادا وہ دھوکا دے جائے - یہ بہت بڑا معاملہ تھا - سیب بڑا تھا اور کیڑا بھوک سے مر رہا تھا لیکن اتنے بڑے سیب کو کھا نہیں سکتا تھا . کاش میں نے اس منحوس سونے کے بارے میں کچھ نہ سنا ہوتا - اس سے بہتر تو یہی تھا کہ میں جیل میں پڑا رہتا -

لیکن وہ مغرب سے پہلے واپس آ گیا - انتظار اور فکر نے میری حالت ایسی کر دی تھی کہ کچھ دیر اور گزر جاتی تو میں انجام کی پروا کئے بغیر مچھیروں کی بستی میں پہنچ جاتا ' پھر ممکن ہے سارا کھیل بگڑ جاتا - لیکن یہاں بیٹھے رہنے سے یہ خطرہ مول لینا بہتر ہوتا - انتظار کی اذیت اتنی ناقابلِ برداشت ہو چکی تھی کہ میں اب باہر نکلنے کے لئے اٹھنے ہی والا تھا - لیکن اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی ' خوشی سے اچھل کر میں نے دروازہ کھولا اور وہ اندر آ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے اتنا شدید غصہ آیا کہ میں نے اسے گالیاں دینا شروع کر دیں -

جب بھڑاس نکل گئی تو اپنے رویے پر ندامت کا احساس ہوا - وہ چارپائی پر خاموش بیٹھا تھا - آنکھیں بند تھیں اور سر جھکا تھا -

" کیا ہو گیا تھا ؟ " میں نے پوچھا -

" تمہارا منحوس نقشہ - " اس نے بھی بڑی تلخی سے جواب دیا اور میں نے محسوس کیا کہ تھکان کے ساتھ اسے غصہ بھی شدت کے ساتھ آ رہا تھا - " تم مجھے بار بار مختلف بہانوں سے باہر بھیجنے کے بجائے کوئی حتمی فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے مسٹر اوریلی ؟ ایک مرتبہ بھی یہاں سے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن صبح سے شام تک تم نے مجھے چھ سات چکر لگوائے - اس کا یہی انجام ہونا تھا - "

" لیکن بات کیا ہوئی ؟ صاف صاف بتلا دو - " میں نے کہا - " میں نے تمہیں کسی وجہ سے اتنی بار بھیجا تھا - تم بتلاؤ کہ ہوا کیا ؟ "

" اِدھر میں اسٹیشنری کی دُکان سے باہر نکلا اُدھر کرنل سامنے واقع بینک سے نکل رہا تھا - "

" اور اس نے تم کو دیکھ لیا ؟ "

" ظاہر ہے اسے دیکھنا ہی تھا - " اس نے طنزیہ لہجے میں کہا - " کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ تم ٹوکے بغیر مجھے اپنی بات پوری کر لینے دو ؟ میں ایسے انجان بن گیا جیسے اسے دیکھا ہی نہ ہو اور آگے بڑھ گیا . مجھے معلوم تھا کہ وہ تعاقب کر رہا ہے - اگر تم نے کچھ زائد رقم دے دی ہوتی تو میں ٹیکسی کے ذریعے نکل آتا - لیکن تم نے مجھ پر اعتبار کرنا ہی چھوڑ دیا ہے - نتیجہ یہ ہوا کہ میں پیدل چلتا رہا اور فورٹ کے علاقے میں پہنچ گیا - وہاں کئی گھنٹے بے مقصد چکر کاٹتا رہا اور بالآخر اسے جُل دے کر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا ' کم از کم میرا یہی خیال تھا ، وہاں سے گیٹ وے آف انڈیا پہنچا تاکہ ایک مچھیرے کو تلاش کروں ' بہت سے مچھیرے کشتیوں کے خوب صورت ماڈل بنا کر وہاں آنے والے سیاحوں کو بیچتے ہیں لیکن جس کی مجھے تلاش تھی وہ وہاں موجود نہیں تھا - میں نے ایک دوسرے مچھیرے کو راضی کیا کہ وہ مجھے اپنی بستی لے چلے ' اور جب ہم سیڑھیوں سے اتر رہے تھے تو وہ منحوس کرنل مجھے دوبارہ نظر آیا ' اس سے اندازہ ہوا کہ وہ مکار مسلسل میرے تعاقب میں لگا ہوا تھا - وہ دیوار کے پاس کھڑا سیدھا میری طرف دیکھ رہا تھا - " نوپاہ نے تھکی ہوئی سانس لی - " اب تم کو اندازہ ہوا کہ مجھے کیوں اتنی دیر ہوئی ؟ اس کے بعد میرے لئے مچھیروں کی بستی جانا ممکن نہ رہا تھا - میں بندرگاہ سے کچھ دور جا کر کشتی سے اتر گیا اور پھر اسی علاقے میں چکر لگاتا رہا ' اس کے بعد پیدل وہاں گیا - "

"تم کو یقین ہے کہ اس مرتبہ وہ تمہارے تعاقب میں نہیں تھا؟" میں نے فکرمند لہجے میں پوچھا۔
"مجھے کسی بات کا یقین نہیں ہے۔" اس نے انتہائی تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے جو کچھ امکان میں تھا وہ کیا۔ لیکن تم نے جس طرح بداعتمادی کا رویّہ میرے ساتھ اختیار کیا ہے وہ ناقابلِ برداشت بن چکا ہے۔ تم مجھے بلاسبب مختلف بہانوں سے بھگاتے رہتے ہو مسٹر اوریلی۔ مجھ پر بالکل اعتبار نہیں کرتے اور اس طرح اب کام نہیں چلے گا۔ تمہاری یہ روش ہمیں کسی مصیبت میں ڈال دے گی۔"
"بے کار باتیں چھوڑو۔" میں نے کہا۔ "اگر تم عقل سے کام لیتے تو اتنا پریشان نہ ہوتے، میرے خیال میں اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ بس تم ہمت ہار چکے ہو؟"
"میں اس سے متفق نہیں ہوں۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔ "اس نے مجھے اسٹیشنری کی دکان سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا اس کو یہ اندازہ کرنے میں دیر نہ لگی ہوگی کہ میں وہاں کیا خریدنے گیا تھا۔ پھر اس نے مجھے ایک مچھیرے کے ساتھ بھی دیکھ لیا۔ اس کو اب یہ احساس ہو چکا ہوگا کہ ہم کس کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔"
نوباہ کا اندازہ درست تھا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ وہ اس بات کی اطلاع کس کو دے گا؟ پولیس کو یا نور احمد کو؟ دس ہزار اور ساٹھ ہزار روپوں میں کس کو ترجیح دے گا؟ لیکن میں کرنل کی فطرت سے واقف تھا۔ وہ کوئی خطرہ مول نہ لے گا۔ جو رقم محفوظ اور آسان طریقے سے مل جائے گی اسے ترجیح دے گا۔ لیکن ہمارا یہاں بیٹھ کر یہ سوچتے رہنا مناسب نہیں تھا۔ ہم پہلے ہی بہت وقت ضائع کر چکے تھے۔
"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہاری بات معقول ہے، اب یہ بتلاؤ کیا بندوبست کر کے آئے ہو۔"
"دو آدمی ہمیں لے کر چلیں گے۔" اس نے کہا۔ "میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کی روزانہ کی عام آمدنی کا دُگنا معاوضہ ان کو ادا کیا جائے گا۔ یعنی دونوں کو روزانہ کی آمدنی کا دُگنا۔ کشتی کا کرایہ الگ، اس کے علاوہ سو روپیہ بطور بخشش۔"
"شاباش۔ ہمیں کب روانہ ہونا ہے؟"
"وہ کشتی لے کر مہالکشمی کی سیڑھیوں پر ہمارے منتظر ہیں۔"

"میں وہ جگہ جانتا ہوں۔ اس کے بعد کیا کرنا ہے؟"
"وہ اس کشتی کے ذریعے ہمیں لے کر جزیرہ کرنجا چلیں گے جہاں ان کی لانچ لنگرانداز ہے۔"
"آؤ تو پھر ہم کو فوراً یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے۔" میں نے کہا۔ "لیکن اس سے پہلے چارٹ پر ایک نظر اور ڈال لیں۔"
اس نے چارٹ کو بستر پر پھیلا دیا۔ میں نے راکھبو کے نقشے والا چارٹ اس پر رکھا۔ یہ پھٹا ہوا نصف چارٹ تھا۔ اس کو چارٹ پر رکھ کر ملانے کے بعد میں نے دیکھا کہ پچاس میل کے علاقے میں سیکڑوں کھاڑیاں اور جزیرے تھے اور کاغذ پر سب یکساں لگتے تھے۔ بغیر راکھبو کے نقشے کے اس جزیرے اور مقام کو شناخت کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ خواہ وہ اس ساحل سے کتنی ہی واقفیت کیوں نہ رکھتا ہو۔

میں نے چارٹ کی مدد سے قریب ترین سرحدی نشان کو تلاش کیا جو جزیرے کے شمال میں تھا۔ یہ بھاگدیو لائٹ ہاؤس تھا اور میں اس مقام کو پہلے سے بخوبی جانتا تھا۔ رات کو اس لائٹ ہاؤس کی روشنی سمندر میں چالیس میل تک دکھائی دیتی تھی۔ مجھے اب تک اس کا سگنل یاد تھا۔ پانچ سیکنڈ کے وقفے سے تین مختصر اور دو طویل دورانیے کے روشنی کے اشارے نظر آتے تھے، پیمائش کرنے والے ڈوائیڈر کے ذریعے میں نے کھاڑی کے دہانے تک کے فاصلے کو ناپا۔ بائیس میل۔ اس بات نے مجھے فکرمند کر دیا، مکمل لاگ، فکسڈ کمپاس اور ایک زاویہ پیما کے ذریعے پیمائش کر کے فاصلے کا تعین کرنا بچوں کا کھیل ہوگا بشرطیکہ ہم ایک مرتبہ اس لائٹ ہاؤس کے سامنے پہنچ جائیں، لیکن ان چیزوں کے بغیر اور مدوجزر کے دوران یہ اندازہ کرنا بہت دشوار ہوگا..... بہرحال اب مجھے وہ جگہ معلوم ہو چکی تھی جس کی تلاش تھی۔ میں نے بڑے چارٹ کو لپیٹ کر نقشے سمیت اپنی جیب کے اندر رکھ لیا۔
اور تب مجھے نوباہ کی متجسس نگاہوں کا احساس ہوا جو مسلسل مجھے گھور رہی تھیں۔ میں نے جیب سے راکھبو کا نقشہ نکالا، ماچس جلائی اور اس بوسیدہ کاغذ کو آگ لگا دی۔ اور جب نقشہ جل کر راکھ ہو گیا تو اسے پیر سے مسل ڈالا....
اب میں نقشے کے بغیر اس جگہ کو جان چکا تھا اور جہاں تک میرا خیال تھا، میرے سوا اور کسی کو اب اس کا علم نہیں تھا۔ کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر بھی میں نوباہ کو اس حرکت کا مقصد سمجھانا چاہتا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اپنے ماتھے پر انگلی ماری۔

"اب یہ راز میرے ذہن میں محفوظ ہے۔" میں نے بتلایا۔
"اب تمہیں میری حفاظت کرنا ہوگی نوپاہ۔ کیوں کہ صرف میں اس مقام کو جانتا ہوں اور جب تک ہم اس جگہ پہنچ نہ جائیں میرا وجود بڑا قیمتی ہے۔"
اس کے لبوں پر افسردہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "کیا میں نے اب تک تمہاری حفاظت میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہے مسٹر اوریلی؟" اس نے شکوہ کیا۔
"نہیں۔ میں مانتا ہوں۔ لیکن میری زندگی تمہارے لئے قیمتی ہے اور میں یہی بات واضح کرنا چاہتا تھا۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "آؤ چلیں۔"
"میرا خیال ہے ہم الگ الگ چلیں تو مناسب ہوگا۔" اس نے مشورہ دیا۔ "اور اگر تم کچھ رقم دے دو تو ٹیکسی سے چلنا بہتر ہوگا' گودی کے بڑے پھاٹک کے بائیں جانب ٹھہر کر تم میرا انتظار کرنا۔"
میں نے اسے کچھ نوٹ دیئے' چھوٹے ہوٹلوں میں کمرے کا کرایہ ہر صبح پیشگی وصول کرلیا جاتا ہے اس لئے ہوٹل کا بل دینے کا مسئلہ نہیں تھا۔ نوپاہ پہلے چلا گیا۔ اور پانچ منٹ بعد میں نے بھی ہوٹل چھوڑ دیا۔ باہر آکر ٹیکسی لی۔ ۔ ۔ اور دس منٹ کے سفر کے بعد گودی کے سامنے پہنچ کر اتر گیا۔
نوپاہ حسبِ وعدہ مقررہ جگہ پر کھڑا ہوا تھا جو تاریکی میں تھی۔ اس نے گردن سے اشارہ کیا اور میں کچھ فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے چلنے لگا' ہم سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچے جہاں بہت سی کشتیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ یہ رات کی تاریکی میں لنگرانداز جہازوں کے عملے کے لئے بہت سی ناجائز خدمات انجام دیا کرتی تھیں۔ دو مچھیرے کچھ فاصلے پر ہمارے منتظر تھے۔ ہم ایک چھوٹی سی پرانی کشتی پر سوار ہوئے جس سے سڑی ہوئی مچھلیوں کی تیز بو آرہی تھی۔ رات کی تاریکی میں ہماری کشتی روانہ ہوگئی۔ وہ اتنی احتیاط سے چپو چلا رہے تھے کہ ذرا بھی آواز نہ ہو رہی تھی۔
جزیرہ کرنجا بمبئی کی گودی سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ایک بہت چھوٹا سا جزیرہ ہے جس کے گرد منگرود کی گھنی جھاڑیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ ساحل بہت دلدلی اور بدبودار ہے۔ اور یہاں سوائے تھوڑے سے مچھیروں کے اور کوئی نہیں رہتا۔ مچھلی کی بو ہر سمت پھیلی ہوئی تھی۔ یہ مچھیرے بمبئی کی غریب آبادی کے لئے ہر قسم کی مچھلیاں فراہم کرتے ہیں' ان کے جوان البتہ گہرے سمندر میں جا کر قیمتی پامفرٹ مچھلیاں شکار کرتے ہیں جو اچھی قیمت پر فروخت ہوجاتی ہیں۔
ہم تقریباً ایک گھنٹے میں اپنی منزل تک پہنچ گئے کیونکہ مد اتر رہا تھا۔ ان کی لانچ کنارے پر لنگرانداز تھی جو تقریباً ۲۵ فٹ لمبی تھی۔ دنبالہ بلند اور اگلا حصہ نیچا تھا' اس کا مستول موٹا لیکن کوتاہ تھا۔ یہ دیکھنے میں کسی بیٹھے ہوئے اونٹ کی طرح لگتی تھی۔ لانچ پرانی اور خستہ حال لگتی تھی لیکن شکر یہ تھا کہ اس میں ڈیزل کا انجن لگا ہوا تھا۔
انہوں نے رسی کھینچی اور بادبان ایک جھٹکے کے ساتھ کھل گیا۔ ہوا کے بھرتے ہی کشتی حرکت میں آگئی۔ جوار بھاٹا بھی اتار پر تھا اس لئے ہم تیزی کے ساتھ بمبئی کے ساحل سے دور ہونے لگے۔ میری خود اعتمادی بحال ہونے لگی۔ خوف اور وسوسے مٹنے لگے اور جیسے جیسے ساحل دور ہوتا گیا ایک نامعلوم احساسِ تحفظ دل میں جگہ پاتا گیا اور سمندری ہوا کے خنک جھونکوں نے جلد ہی مجھ کو نیند کی آغوش میں پہنچا دیا۔

*

دوسری صبح جب میں بیدار ہوا تو بالکل تازہ دم ہوچکا تھا' آسمان صاف تھا اور سمندر کی خشک ہوا کے جھونکوں کے ساتھ لہروں کی پھوار بڑی خوشگوار محسوس ہو رہی تھی۔ ہم ساحل سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر تھے اور سمندر میں کئی جہاز رواں دواں نظر آرہے تھے۔ بیشتر بمبئی کی بندرگاہ کی سمت جا رہے تھے۔ چند چھوٹے اسٹیمر کوئلے کا دھواں چھوڑتے جا رہے تھے۔ صبح کے وقت سمندر کی موجوں پر چلتے ہوئے یہ بحری سفینے بڑے بھلے لگ رہے تھے۔
میں نے اٹھ کر انگڑائی لی اور ایک گہری سانس لے کر نوپاہ کی سمت دیکھا۔ سورج ابھی پہاڑیوں کے پیچھے سے جھانک رہا تھا۔ ہوا بھی سرد اور تازہ تھی' پر جانے کیوں نوپاہ بھکشوؤں کی زرد عبا میں کسی بھیگی مرغی کی طرح سکڑا ہوا بیٹھا تھا۔ میں نے اسے کوئی چیز ساتھ لیکر آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا پھر یہ بھکشو کی عبا کہاں سے آگئی؟ دونوں مچھیرے لانچ کے پچھلے حصے میں تھے۔ مجھے بیدار دیکھ کر ان میں سے ایک نے پلیٹ میں مچھلی اور چاول لاکر میرے سامنے رکھ دیئے' میں اتنا خوش تھا کہ اس وقت یہ ناشتا بھی بڑا لذیذ محسوس ہوا' لیکن بے چارے نوپاہ نے ایک ہی لقمہ کھایا اور فوراً اگل دیا۔ اس کو شدید متلی کی شکایت ہو رہی تھی۔

میں نے اس سے ہمدردی کا اظہار کیا تو وہ مجھے گالیاں دینے لگا۔ اس نے پہلی بار میرے لئے ایسی زبان استعمال کی تھی لیکن اس کی حالت اتنی غیر تھی کہ میں نے اسے معاف کردیا اور آرام سے لیٹ گیا۔ اڑتے ہوئے بادبان بڑے دلکش لگ رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ اب پولیس، نور احمد اور... کرنل میری گرد بھی نہ پاسکیں گے۔

دوپہر کے بعد نوپاہ کی حالت کچھ سنبھل گئی اور یہ اچھا ہوا کیونکہ مجھے نیند آگئی تھی۔ سب سے پہلے اسی کی نظر ہوائی جہاز پر پڑی جو شمال کی سمت سے آرہا تھا اور اتنی نیچی پرواز کررہا تھا جیسے ابھی سمندر پر اتر جائے گا۔ اس نے نصف میل دور ایک لانچ کا چکر لگایا اور پھر سیدھا ہماری سمت بڑھا۔ نوپاہ نے لانچ کے مختصر سے کیبن کی سمت جست لگائی اور چلا کر مچھیروں سے کہا کہ میرے اوپر جال ڈال دیں۔ جال اوپر پڑتے ہی میں چیختا ہوا اٹھ بیٹھا اور اس سے نکلنے کی جدوجہد کرنے لگا لیکن جہاز کی آواز سنتے ہی پھرتی کے ساتھ پھر لیٹ گیا۔ انہوں نے دوسرا جال بھی میرے اوپر ڈال دیا۔ مچھیروں کے جسم پر تو صرف مختصر سی لنگوٹیاں تھیں لیکن نوپاہ کی زرد عبا اور میری قمیص پتلون سے وہ ہمیں فوراً پہچان لیتے۔ یہ ایک چھوٹا سا گشتی جہاز لگتا تھا اور باوجودیکہ ہم اس کے نشان کو نہیں دیکھ سکے لیکن اس میں کسی شک کی گنجائش نہ تھی کہ یا تو یہ پولیس کا جہاز تھا یا فضائیہ کا اور ہمیں ہی تلاش کررہا تھا۔ چکر کاٹ کر جہاز دوبارہ ہماری سمت آیا تو میں نے دیکھا کہ ہواباز... دوربین سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ اگر مچھیروں نے مجھ پر جال نہ ڈال دیا ہوتا تو ہم پکڑے گئے تھے۔ ہوائی جہاز چلا گیا اور کچھ دیر بعد ہم نے اس کو ساحل کے قریب جاتی ہوئی لانچوں پر چکر کاٹتے دیکھا، اس کے بعد وہ مشرق کی سمت فضا میں غائب ہوگیا۔ اب اس بات میں کوئی شبہ نہ رہا تھا کہ وہ سراغرسانی کے لئے آیا تھا۔

ایسا لگتا تھا کہ کرنل نے زیادہ کو چھوڑ کر کم لیکن یقینی انعام پر صبر کرلیا تھا اور پولیس کو ہمارے بارے میں مطلع کردیا تھا کیونکہ مجھے نور احمد سے یہ امید نہ تھی کہ وہ جہاز کرائے پر لے کر ہمیں تلاش کرے گا۔ لیکن یہ کسی کا بھی کام کیوں نہ رہا ہو، میری خوداعتمادی غائب ہوگئی تھی، اندیشے اور خوف ذہن میں پھر جنم لینے لگے تھے۔ وہ جو بھی رہے ہوں، میں ان کی حکمتِ عملی پر غور کرنے لگا۔ ہماری طرح کی سیکڑوں بلکہ ہزاروں کشتیاں سمندر میں سفر کررہی ہوں گی۔ وہ اس طرح فضا سے جائزہ لے کر کس بات کی تصدیق کرنا چاہتے تھے؟ کچھ نہیں۔ تاوقتیکہ کوئی کشتی مشکوک حرکت نہ کررہی ہو۔ جس موٹر بوٹ میں ہم سفر کررہے تھے اس میں عموماً دو آدمی ہوتے ہیں۔ مجھے نوپاہ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے جس نے بروقت خبردار کردیا ورنہ ہمارا سراغ اب تک لگ چکا ہوتا۔ لیکن اس مرتبہ تو ہم بچ گئے، دوبارہ کسی بھی وقت جہاز پھر آسکتا تھا۔ ایک غلطی ہم سے ہوگئی تھی۔ مچھلی پکڑنے والی ایسی کشتیاں عموماً ساحل کے مغربی حصے کے قریب رہتی ہیں اور پھر پکڑی ہوئی مچھلیاں مشرقی کنارے پر لے جاکر اتار دیتی ہیں۔ یہ کشتیاں عموماً جتھوں کی شکل میں چلتی ہیں اور اپنی بستیوں کے نزدیک رہتی ہیں، لیکن ہم تنہا تھے اور جنوبی سمت سفر کررہے تھے۔ کیا اس میں کوئی غیر معمولی بات تھی؟ وہ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرسکتے تھے؟ کسی بات پر ان کو شک کرنے کا موقع تو نہیں ملا تھا؟ فرض کیا وہ ایسی کشتیوں کی تصویریں لے رہے ہوں جو عام راستے سے ہٹ کر سفر کررہی تھیں؟ کیا یہ بات ان کی نظر میں مشتبہ ہوگی؟ عین ممکن ہے۔ لیکن ایسی صورت میں وہ کیا کریں گے؟ ہاں کسی تیز رفتار موٹر لانچ کو بھیج کر ہمیں چیک کرسکتے تھے، بیشک وہ

پہنچ کر یں گے - ہمیں کیا کرنا چاہئے ؟ فوری طور پر اپنی پوزیشن تبدیل کریں اور دوسری کشتیوں کی پوزیشن میں آجائیں اور دن کے وقت اسی طرح سفر کریں - میں نے نوپاہ کے پاس جاکر کہا کہ وہ مچھیروں کو فوراً ہدایت کرے کہ شمال مشرق میں سفر کرنے والی فشنگ بوٹس کے ساتھ مل کر چلیں اور اپنے بادبان اتار کر مچھلیاں پکڑنا شروع کردیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ ہم بھی مچھیروں کے گروہ میں شامل ہیں - نوپاہ نے فوراً ان کو رخ تبدیل کرنے کا حکم دیا، شاید وہ میری تشویش کا سبب سمجھ گیا تھا-

"کیا تم خطرہ محسوس کررہے ہو؟" اس نے پوچھا-

"جو کہہ رہا ہوں وہ کرو - " میں نے جھنجلا کر کہا- "جلد ہی خود اندازہ ہوجائے گا-" میرا اندیشہ درست نکلا - دوپہر بعد جہاز پھر واپس آیا اور جو اکا دکا کشتیاں الگ الگ سفر کررہی تھیں ان کے گرد نیچی پرواز کرکے چکر کاٹا، لیکن ہم جن تیس کشتیوں کے جتھے کے ساتھ سفر کررہے تھے ادھر کا رخ نہیں کیا، موٹر بوٹ کے مختصر سے شیڈ نما کیبن میں ہمارا دم گھٹ رہا تھا، دھوپ کی تپش سے جسم سلگنے لگا تھا - ہم اندر چھپے ہوئے جہاز کو چکر کاٹتے دیکھ رہے تھے - لکڑی کے تختوں کی نیچی سی چھت ہمارے سروں سے صرف چند انچ بلند تھی - مجھے سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ وقت ضائع ہورہا تھا اور ہم اپنے مطلوبہ راستے پر سفر نہیں کررہے تھے اور اس طرح منزل تک پہنچنے میں بہت دیر لگنے کا امکان تھا، لیکن اطمینان یہ تھا کہ دشمن ہمارا سراغ لگانے میں ناکام رہا تھا - نوپاہ جانے کیوں اتنا خفا بیٹھا تھا کہ میری کسی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا-

"ٹھیک ہے منحوس آدمی، تم مت جواب دو - " میں نے عاجز آکر کہا - "لیکن میں جو کچھ کررہا ہوں وہ درست ہے اور جلد ہی تم کو بھی اندازہ ہوجائے گا - "

جب تک میں اس کی ہر بات پر عمل کرتا رہا، وہ بہت خوش تھا لیکن جب سے میں نے خود فیصلے کرنے شروع کئے نوپاہ خفا رہنے لگا، لیکن اب مجھے ہر فیصلہ خود کرنا تھا - وہ خوش ہو یا ناخوش، میں آنکھ بند کرکے کسی کی ہدایت پر عمل نہیں کرسکتا تھا، اور پھر اب مجھے کسی کی رہنمائی کی ضرورت بھی نہ تھی - نوپاہ کی ضرورت بھی نہ تھی - اور یہ بات وہ بخوبی جانتا تھا-

تاریکی ہوتے ہی ہم پھر اپنے راستے پر روانہ ہوگئے - ہمارا رخ سیدھا جنوب کی سمت تھا..... ساری رات ہم نے مقررہ سمت سفر جاری رکھا - صبح کے بالکل قریب مجھے افق پر چمک سی محسوس ہوئی، ممکن ہے یہ بھاگدیو لائٹ ہاؤس کی روشنی رہی ہو لیکن اس سے پہلے کہ میں تصدیق کرتا، کہر چھا گیا - ہم ساحل کے بہت قریب سفر کررہے تھے - چٹانوں کے اس جانب بہت سی کشتیاں مچھلی پکڑنے میں مصروف تھیں - ہم بھی ان کے درمیان پہنچ گئے اور تمام دن کشتیوں کے جھنڈ میں سفر کرتے رہے-

ہم نے دوبارہ جہاز کو پھر چکر لگاتے دیکھا، لیکن وہ دور، گہرے سمندر میں ہمیں تلاش کررہا تھا - ایک مرتبہ وہ بالکل ہمارے اوپر سے گزر کر ساحل تک گیا..... اس صورتحال سے نوپاہ نے بھی میری حکمتِ عملی کی اہمیت محسوس کرلی، اس نے دوبارہ مجھ سے بحث تو نہیں کی لیکن ملامت بھری نظروں سے دیکھتا ضرور رہا، کبھی کبھی وہ دبی دبی آوازمیں مچھیروں سے بات بھی کرلیتا تھا-

لیکن اب مجھے کسی بات کی فکر نہ تھی - میں نے پوری منصوبہ بندی کرلی تھی اور میرے بغیر نوپاہ کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا-

*

دوسرے دن صبح سویرے ہم لائٹ ہاؤس کے برابر پہنچ گئے - میرے اندازے میں غلطی نہ ہوئی تھی کیوں کہ یہاں سے دن میں سفر کرنا ہمارے لئے ناگزیر تھا - یہ خطرہ مول لئے بغیر ہم اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتے تھے - یہاں سے بائیس میل تک کا ساحلی علاقہ بالکل یکساں تھا - چھوٹی سے موٹر بوٹ پر جو سمندر کی لہروں پر ہچکولے کھارہی ہو، یہ اندازہ کرنا کہ مطلوبہ جگہ کونسی ہے، بڑا دشوار مسئلہ تھا - ایک کھاڑی کے اندر دو جزیرے تھے - کاغذ پر تو ان کو پہچاننا آسان تھا لیکن سمندر کی سطح پر رہ کر یہ معلوم کرنا کہ کھاڑی کدھر تھی اور جزیرے کہاں، بہت مشکل کام تھا - سامنے سمندر کا چمکتا ہوا جھاگ تھا - اس کے بعد چمکیلی ریت کا ساحل اور پھر ہرے بھرے گھنے درختوں کے جنگل - میل در میل یہ سلسلہ پھیلا ہوا تھا-

بغیر ضروری اوزاروں اور چارٹ کے اندازہ کرنے کا صرف ایک طریقہ تھا - بھاگدیو لائٹ ہاؤس کے جنوب میں نو میل دور چٹانوں بھرا ساحل تھا - جس کی نشاندہی چارٹ پر بی ڈبلیو کے الفاظ سے کی گئی تھی - اس کا مطلب تھا چٹانوں سے پہلے جہازوں کو خبردار کرنے کے لئے ایک نشان پانی پر تیر رہا تھا جسے

بورٹے کہتے ہیں - اگر یہ نشان ٹوٹ کر تباہ نہیں ہوا تھا یا لہ وہاں
سے کہیں منتقل نہ ہوا تھا تو اس کو اب بھی نظر آنا چاہئے تھا -
ہم ساحل کے قریب سے گزرتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے -
میں نے بمبئی سے خریدی ہوئی گھڑی اور اپنی بوٹ کی رفتار
سے وقت نوٹ کر لیا تھا' اس میں کچھ اور اضافہ کر کے ہم
اب تک اٹھارہ میل کا سفر کر چکے تھے - اس کا مطلب تھا کہ
ہمیں ابھی مزید چار پانچ میل کا سفر طے کرنا تھا -

لائٹ ہاؤس پہنچنے پر میں نے وقت نوٹ کر لیا تھا -
اس وقت چھ بجکر پندرہ منٹ ہوئے تھے - سورج اب
ہمارے پیچھے تھا اور دور دور تک کسی کشتی کا بادبان نظر نہیں
آرہا تھا - جو مچھیرا بوٹ چلا رہا تھا اس نے سوالیہ نگاہوں سے
مجھے دیکھا - میں ایک لمحہ تو چپ رہا کیوں کہ میری خود سمجھ
میں نہ آرہا تھا پھر میں نے اسے اشارہ کیا کہ اسی طرح چلتے
رہو - ساحل کے بالکل متوازی چلتے ہوئے ہم تقریباً نصف
میل اور آگے گئے - نوپاہ لیٹا ہوا تھا - لیکن جب اچانک
مچھیروں نے زور زور سے کچھ بولنا شروع کیا تو وہ چونک کر اٹھ
بیٹھا -

" یہ کہہ رہے ہیں کہ پینے کا پانی بالکل ختم ہو گیا ہے -" نوپاہ نے
بتلایا - "ہمیں ساحل پر لنگر انداز ہو کر پانی لے لینا چاہئے -"

" ٹھیک ہے - لیکن کچھ دور آگے چل کر لے لیں گے -"
میں نے جواب دیا -" لائٹ ہاؤس کے ٹاور سے اگر کوئی دیکھ رہا
ہو گا تو ہمیں لنگر انداز ہوتے دیکھ کر شک کر سکتا ہے -"
میری بات سن کر وہ خاموش ہو گئے - ہم جس رفتار سے چل
رہے تھے وہ بہت دھیمی تھی کیونکہ ہوا نہ ہونے کی وجہ سے
بادبان پوری طرح کام نہیں کر رہے تھے - ہماری رفتار بمشکل
دو ناٹ ہوگی - اس لحاظ سے بورٹے تک پہنچنے میں تقریباً چار
گھنٹے لگ سکتے تھے - میں نے لیٹ کر کمر سیدھی کرنی چاہی -
میری نظریں شمال کی جانب آسمان پر مرکوز تھیں کہ اچانک
مجھے ایک چھوٹی لیکن تیز رفتار لانچ نظر آئی جو بظاہر ساحل کی
طرف بڑھ رہی تھی -

دوپہر تک نوپاہ کی خاموشی قائم نہ رہ سکی اور بالآخر اس نے
پوچھا - " تمہارے خیال میں ہم کب تک وہاں پہنچ جائیں
گے ؟"

" کہاں پہنچ جائیں گے ؟" میں نے اتنی سادگی سے کہا کہ وہ
تلملا اٹھا لیکن ضبط کر گیا اور پھر نرم لہجے میں بولا -
" کیا یہ ضروری ہے کہ ہمارے درمیان لڑائی جاری رہے
مسٹر اوریلی ؟"

" کون یہ کوشش کر رہا ہے ؟ "

" ہم دونوں - اور ہم دونوں بہت سی مصیبتوں کو ایک
ساتھ برداشت کر چکے ہیں - ہم میں سے ہر ایک کو ایک
دوسرے کی ضرورت ہے - لیکن اب جبکہ منزلِ مقصود
قریب ہے بچوں کی طرح لڑ رہے ہیں -"

" تم اپنے بارے میں کہو -" میں نے کہا -" میں نے تو
صرف اتنا کیا تھا کہ گنجے کے سر پر ڈنڈا مارنے سے روک دیا تھا
اور لگتا ہے کہ میں نے درست کیا تھا -"

" چلو مان لیا کہ تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اب ختم کرو یہ
لڑائی اور بتلاؤ کہ اندازاً ہم وہاں کب تک پہنچ جائیں گے ؟"
مجھے اس کی بیتابی پر لطف آرہا تھا -

" یقین سے کچھ کہنا بہت مشکل ہے " میں نے جواب دیا -
" تم خود دیکھ لو - ساحل ہر سمت بالکل یکساں نظر آرہا ہے '

" لیکن تم کو کسی نشانی کی تلاش تو ہوگی ؟"

" بیشک -" میں نے اقرار کیا -" ساحل کے اندر کچھ بڑی
پہاڑیوں کو تلاش کرنا ہے ' دو پہاڑیاں جو تقریباً برابر بلندی کی
ہوں گی - جب وہ نظر آجائیں تو ہم سمجھیں گے کہ بس
قریب پہنچ گئے ہیں - تم ذرا غور سے دیکھتے رہنا' تمہارے لئے
بھی ان کو تلاش کرنا مشکل نہ ہوگا"

ہمارا سفر جاری تھا کہ اچانک میری نظر بورٹے پر پڑی جو
پانی کے اوپر لوہے کی ایک بڑی سی گیند کی طرح تیر رہا تھا'
لیکن لہروں پر نظر آکر پھر ڈوب جاتا تھا - پہلے تو میں سمجھا کہ
کوئی بڑی مچھلی ہے لیکن جب ہم کچھ اور آگے بڑھے تو وہ
صاف نظر آگیا - میں نے گھڑی پر نظر ڈالی - دس بجکر دس
منٹ ہوئے تھے - پورے چار گھنٹے گزر گئے تھے - میں جانتا تھا
کہ خوشی کی چمک چہرے پر آچکی ہے اور اسے کوشش کے
باوجود چھپانا ممکن نہ ہوگا - لیکن مجھے مچھیروں کی بات یاد آگئی -

" میرا خیال ہے اب ہم کنارے پر چل کر پانی لے سکتے
ہیں -" میں نے نوپاہ سے کہا -

اس نے مچھیروں کو ان کی زبان میں بتلایا تو وہ خوش ہو گئے
کیونکہ پانی بالکل ختم ہو چکا تھا - میں دن کے وقت اس جگہ پر
نہیں پہنچنا چاہتا تھا جو اب بالکل قریب تھی اور ٹھہرنے کا
ایک معقول بہانہ بھی مل گیا تھا - ساحل کا یہ حصہ بالکل ویران
تھا - لیکن مجھے کچھ اندازہ نہ تھا کہ آگے چل کر صورتحال کیا
ہوگی -

ہم کنارے پر پہنچ گئے تو مچھیروں نے کشتی کا لنگر گرا دیا- میرے جسم پر چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں' پسینے سے کپڑے بدبو دینے لگے تھے اس لئے میں نے کپڑے اتار دیے اور کنارے پر خوب جی بھر کر نہایا- اس کے بعد کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کے لئے ڈال دیا- وہ سب جزیرے میں پانی تلاش کرنے چلے گئے اور جب کوئی آدھ گھنٹے بعد واپس آئے تو پانی کے علاوہ مچھلی کے جال میں ناریل اور پکے ہوئے کیلے بھر کر لے آئے' ہم کچھ دیر بعد پھر روانہ ہو گئے-

اب ہوا تھم چکی تھی اور جوار بھاٹا مخالف سمت کا تھا- میں ساحل کی سمت دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں طیش کھاتا رہا' پھر میں نے ایک بادبان کے کپڑے کو سر پر ڈال لیا اور اس کے اندر سے درختوں کا جائزہ لینا شروع کیا- میں اس درخت کے برابر سے دیکھتا رہا جو سب سے بلند تھا- تقریباً پانچ منٹ بعد مجھے یقین ہو گیا ہم نصف ناٹ کی رفتار سے عقبی حصے کی طرف بڑھ رہے تھے اور منزل تک پہنچ گئے تھے' گو ابھی چار پانچ گھنٹے کا سفر باقی تھا- ہمیں ٹھہرنے کے لئے کسی کھاڑی کی ضرورت تھی اور نقشے کے مطابق یہاں بہت سی کھاڑیاں ہوں گی-

میں نے مچھیروں سے کہا کہ وہ بوٹ کا انجن اسٹارٹ کر دیں- وہ ایک لمحہ تک پس و پیش کے عالم میں دیکھتے رہے لیکن پھر ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر موٹر چلا دی' انجن چلا پھر رکا پھر چلا اور بالآخر اسٹارٹ ہو گیا- اس کا شور کافی تیز تھا لیکن اس سے فائدہ یہ ہوا کہ رفتار کچھ تیز ہو گئی- میں نے سوچا کہ آئندہ چند گھنٹے موٹر کو چلنے دیا جائے تاکہ فاصلہ جلد طے ہو سکے' لیکن مچھیروں نے پیٹرول کی ٹنکی کی سمت اشارہ کرنا شروع کر دیا- میں نے چیک کیا تو معلوم ہوا کہ صرف چند گیلن پیٹرول باقی تھا- میں نے غصے میں نوپاہ کی سمت دیکھا لیکن وہ خاموش رہا-

خوش قسمتی سے دس پندرہ منٹ کے سفر کے بعد ہی مجھے کھاڑی نظر آ گئی- پہلی نظر میں تو یہی لگا کہ یہ ہمارے مقصد کے لئے مناسب رہے گی- دہانہ چوڑا اور گہرا تھا اور آگے جا کر اس طرح مڑ گیا تھا کہ طوفانی ہواؤں سے پناہ مل سکتی تھی' اور سمندر سے گزرنے والوں کی نگاہ سے بھی ہم محفوظ رہ سکتے تھے- اس وقت ہم ساحل سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر تھے- میں نے کھاڑی کے دہانے کی سمت اشارہ کر کے ان کو بتلایا کہ کشتی اندر لے چلیں' اس نے کشتی کا رخ موڑ دیا' اور اسی وقت انجن کے شور کے باوجود نوپاہ کی چیخ سنائی دی- وہ انگلی کے اشارے سے دائیں جانب کچھ بتلا رہا تھا- خوف سے میں دم بخود رہ گیا-

بھورے رنگ کی ایک لمبی موٹر لانچ موڑ سے نکل کر آ رہی تھی' اس کی باڈی پر سفید پینٹ سے ایم - ۳۲ لکھا ہوا تھا اور اس کے سامنے والے ڈیک پر ایک بڑی مشین گن نصب تھی- لانچ بڑی تیز رفتاری سے آ رہی تھی- ایک لمحہ کو میں نے سوچا کہ ہمارے فرار ہونے کا موقع موجود ہے کیونکہ ہمارے درمیان تقریباً نصف میل کا فاصلہ تھا اور اس کا رخ ہماری طرف نہیں تھا- اس لئے میں جست لگا کر چھپ گیا اور نوپاہ سے بھی چلا کر یہی کہا- اس نے بھی پھرتی دکھائی' لیکن دیر ہو چکی تھی' انہوں نے یقیناً دوربین کے ذریعے دیکھ لیا ہو گا کیونکہ نوپاہ کی زرد عبا دور سے کافی نمایاں نظر آ رہی تھی- لانچ کے برج ڈیک پر کئی آدمی کھڑے نظر آ رہے تھے اور نچلے عرشے پر بھی لوگ موجود تھے- پھر اچانک لانچ کا رخ ہماری طرف ہوا اور اس کی سرچ لائٹ جلنے اور بجھنے لگی- یہ ہمارے لئے رکنے کا اشارہ تھا اور تب میری نظر اس پر لگے ہوئے جھنڈے پر پڑی' مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا کیونکہ یہ پرتگال کا پرچم تھا- مجھے معلوم تھا کہ گوا کی سرحد یہاں سے قریب تھی لیکن میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہم گوا کی سرحد میں داخل ہو گئے ہیں-

میں نے مایوس لہجے میں نوپاہ سے کہا- "مجھے افسوس ہے نوپاہ- لیکن یہ مصیبت اچانک اور بالکل غیر متوقع ہے مگر تم اپنی جان آسانی سے بچا سکتے ہو کیونکہ ان کے پاس تمہارے خلاف کچھ نہیں ہے' جہاں تک ممکن ہو ان غریب مچھیروں پر آنچ نہ آنے دینا-"

میں ان دونوں کو یہ بتلانے کے لئے آگے بڑھا کہ انجن بند کر دیں کیونکہ وہ اب تک منہ پھاڑے کھڑے تھے اور پولیس لانچ کی سمت دیکھ رہے تھے اور ہماری بوٹ بدستور کھاڑی کے دہانے کی سمت جا رہی تھی- پولیس لانچ کے دو آدمی اس پر نصب مشین گن کی طرف بڑھ رہے تھے- لیکن مچھیروں کی سمجھ میں میری بات نہ آئی- ہماری بوٹ اپنی سمت چلتی رہی-

"ان گدھوں سے کہو کہ انجن بند کر دیں-" میں نے چلا کر کہا- "وہ ہمیں مشین گن سے بھون کر رکھ دیں گے-" نوپاہ نے غصے میں ان کو رکنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے پھر

بھی انجن بند نہ کیا اور پلٹ کر اشارے سے کچھ بتلایا۔

"کہہ رہے ہیں' یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ نوپاہ نے میری سمت دیکھ کر کہا۔" سیدھے چلنا ضروری ہے ورنہ ہم چٹان سے ٹکرا جائیں گے۔" اور تب مجھے اندازہ ہوا' وہ سچ کہہ رہے تھے۔ کھاڑی کے دہانے کے بالکل سامنے نکیلی چٹانیں ایک قطار سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ کچھ پانی سے باہر نکلی ہوئی تھیں اور کچھ یقیناً نیچے رہی ہوں گی اور وہ ہمارے عقب میں خطرناک طریقے سے دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ مد تیزی سے اتر رہا تھا' میں نے دیکھا کہ نکیلی چٹانیں ہر سمت پانی سے اوپر نکلتی آرہی تھیں۔ درحقیقت اس وقت ہم بہت اتھلے سمندر میں پہنچ چکے تھے لیکن ہمارے اور ساحل کے درمیان ایک گہری پٹی تھی اور مچھیرے بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس کی سمت بڑھ رہے تھے۔ لیکن لانچ والوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اور انہوں نے مشین گن سے ایک برسٹ مارا جو ہم سے تقریبا پچاس گز آگے پانی میں گرا۔ ہمارے مچھیروں میں سے ایک نے جس کا چہرہ خوف سے سفید ہو رہا تھا' جست لگا کر رسی کا ایک گچھا اٹھایا اور ہاتھ سے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد ہمارے گرد ہر سمت پھیلی ہوئی چٹانوں کی سمت اشارہ کیا۔ لانچ والے اس کا اشارہ سمجھ گئے اور دوبارہ فائر نہیں کیا لیکن آہستہ رفتار سے ہماری سمت بڑھتے رہے۔ وہ چٹانوں کے درمیان سے بڑی احتیاط کے ساتھ بچتے ہوئے آرہے تھے اور چونکہ پانی کافی اتر چکا تھا اس لئے چٹانیں اتنی ابھر آئی تھیں کہ لانچ کو راستہ تلاش کرنے میں کوئی خاص دشواری نہیں ہو رہی تھی۔ اچانک لاؤڈ اسپیکر پر انہوں نے کچھ کہا لیکن ان کی زبان میری سمجھ میں نہ آسکی لیکن مچھیروں نے رسّی ہلا کر ان کی بات کا جواب دیا۔

"وہ کہہ رہے ہیں کہ چٹانوں سے نکل کر صاف جگہ پر لنگر ڈال دو اور پھر اس وقت تک انتظار کرو جب تک وہ نہ پہنچ جائیں' اگر ہم نے ان کا حکم نہیں مانا تو وہ بلا تامل اب ہم پر... براہ راست فائر کھول دینگے۔" نوپاہ نے مجھے بتلایا۔

اور پھر ہم کھاڑی کے اندر دریائی راستے میں داخل ہو گئے جو اندر کو چلا گیا تھا۔ اب ہم خشک ساحل سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر تھے۔ لانچ اب چار سو گز کے فاصلے پر آچکی تھی اور چٹانوں سے نکلتے ہی اس کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ میں نے ان کی طرف دیکھا اور پھر کنارے کی سمت دیکھ کر اندازہ کیا' سامنے تقریباً سو گز تک ریتلا ساحل تھا اور اس کے بعد جنگل شروع ہو جاتا تھا۔ پام کے درختوں کے جھنڈ میں بے حد گھنی جھاڑیوں کا سلسلہ حدِ نگاہ تک چلا گیا تھا۔ ایک سمت میں کٹی پٹی کھاڑی تھی۔۔

یہ لوگ مجھ پر پہلے بھی گولیاں چلا چکے تھے اور ان کی گولیوں کی بوچھاڑ سے گزر کر میں فرار ہوا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ مرتے مرتے بچا تھا۔ میں ان کی جیل کے اندر قید کا مزہ بھی چکھ چکا تھا۔ اور اب اس سلسلے میں کوئی حجت باقی نہیں بچی تھی۔ دس سال قید یا ایک گولی ذریعۂ نجات۔ ان کی اذیت ناک جیل سے موت زیادہ بہتر تھی۔ مجھے فیصلہ کرنے کی زحمت بھی نہ ہوئی' بس اس خیال کے ساتھ ہی بے ساختہ میں نے عمل کیا' دوسرے ہی لمحے میں چھلانگ لگا چکا تھا اور پانی میں اندر ہی اندر تیرنے لگا تھا۔ گرفتاری کے خوف نے جسم میں بجلی سی بھر دی تھی اور میں انجام کی پروا کئے بغیر آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

میں کنارے پر پانی سے باہر نکلا تو انہوں نے مشین گن سے برسٹ مارا لیکن ان کا نشانہ خطا گیا۔ میرے دائیں جانب کچھ فاصلے پر ریت فضا میں اڑی اور میں نے گھنی جھاڑیوں میں جست لگا دی۔ چند لمحہ میں نرم زمین پر ساکت پڑا رہا' پھر جب ذرا سانس درست ہوئی تو اٹھنے لگا' لیکن کوئی چیز میرے اوپر آکر اس طرح گری کہ میں منہ کے بل جھاڑیوں میں گرا۔ یہ نوپاہ تھا۔ اس نے اچانک مجھ پر چھلانگ لگائی تھی اور مجھے اپنے نیچے دبا لیا تھا۔ وہ اپنی زرد عبا سے آزاد ہو چکا تھا اور اسی حالت میں مجھے دبائے ہوئے تھا۔ میں نے غصے میں اسے دھکا دیا۔

"اٹھنے کی کوشش نہ کرنا۔" اس نے سرگوشی کی "لیٹے لیٹے آگے رینگتے رہو"

"جہنم میں جاؤ تم" میں نے غصے میں اسے کوسا" آخر میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟" میں نے آگے رینگتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے مشین گن نے گولیاں برسانا شروع کر دیں جو ہمارے سروں پر سے گزر کر درختوں سے ٹکرانے لگیں۔ سچ پوچھو تو مجھے نوپاہ کا شکرگزار ہونا چاہئے تھا کیوں کہ اگر میں اٹھ کھڑا ہوتا تو گولیاں مجھے چٹ کر جاتیں۔ ویسے اب یہ اطمینان تھا کہ وہ تعاقب نہیں کر رہے ہیں ورنہ اس بیدردی سے گولیاں نہ برساتے۔

ہم پیٹ کے بل رینگتے ہوئے آگے بڑھتے رہے - ان کے پاس اسلحہ یقیناً بہت زیادہ تھا کیونکہ وہ بہت دیر تک فائرنگ کر کے گولیاں ضائع کرتے رہے - کبھی ہم کو گولیوں کی آواز سنائی دیتی اور کبھی نہیں کیونکہ وہ مختلف سمتوں میں اور مختلف زاویوں سے گولیاں برسا رہے تھے لیکن ہم چونکہ زمین پر لیٹ کر رینگ رہے تھے اس لئے کوئی پروا نہیں تھی - کچھ دیر بعد ہم ایک چھوٹی چڑھائی پر آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک گولیاں ہمارے بہت قریب گرنے لگیں اور ایک مرتبہ تو سر کے بالکل اوپر سے گزریں، لیکن جلد ہی میں دوسری جانب کی ڈھلوان پر پہنچ گیا تو جان میں جان آئی ' یہاں فی الحال ہم محفوظ تھے ' میں نے نوپاہ سے کہا کہ وہ میرے پیچھے آئے لیکن کمبخت نے کوئی جواب نہیں دیا ' شاید ڈر رہا تھا - بزدل کہیں کا ' کس نے کہا تھا کہ میرے پیچھے آئے - میں ڈھلوان سے نیچے پہنچ گیا ' سامنے پانی کا ایک نالہ تھا جو کھاڑی کی سمت چلا گیا تھا - میں اس میں اتر گیا اور آگے بڑھنے لگا ' اس میں جھاڑیاں نہیں تھیں اس لئے میں آسانی سے آگے بڑھتا رہا - تقریباً دس منٹ تک میں پانی میں تیزی سے چلتا رہا کیونکہ تعاقب کرنے والوں سے دور نکل جانا چاہتا تھا - فائرنگ یا تو رک گئی تھی یا فاصلے کی وجہ سے سنائی نہیں دے رہی تھی - میں تھک کر نالے کے کنارے بیٹھ گیا - یہاں بانسوں کا ایک گھنا جھنڈ تھا اس لئے دور سے دیکھے جانے کا خطرہ نہیں تھا - میں نوپاہ کے آنے کا انتظار کر رہا تھا جسے میں چڑھائی پر تنہا چھوڑ آیا تھا -

میں کافی دیر تک انتظار کرتا رہا لیکن وہ نہیں آیا تو مجھے فکر ہونے لگی - کہیں ایسا تو نہیں کہ کمبخت زخمی ہو گیا ہو؟ چوٹ آگئی ہو؟ جہنم میں جائے احمق ' میں نے اس کو اپنے ساتھ آنے کو نہیں کہا تھا - وہ کشتی میں رہتا تو اسے کوئی خطرہ نہ تھا - پرتگالیوں کے پاس اس کے خلاف کچھ نہیں تھا ' اس میں شک نہیں کہ وہ اسکی خاصی مرمت کرتے لیکن اور کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے - اگر اس کا خیال تھا کہ میں اسے تلاش کرنے واپس جاؤں گا تو اس کو مایوسی ہوگی - اور پھر اس سے فائدہ بھی کیا ہوگا؟ اس طرح ہم دونوں پکڑ لئے جائیں گے - منحوس پر سونے کا بھوت سوار ہے ' مجھ پر بھروسہ نہیں ہے - مجھے اطمینان سے فرار بھی نہیں ہونے دے گا - میرے پیچھے بلاوجہ اپنی جان خطرے میں ڈال رہا ہے - اسے یہ بھی احساس نہیں کہ اگر میں بچ گیا تب ہی سونا حاصل کرنے کی امید پوری ہو سکتی ہے - میرے ساتھ اس کی ساری امیدیں بھی مر جائیں گی - جہنم میں جائے ' اگر میں کامیاب بھی ہو گیا تو بعد میں اس کو تلاش کر کے اس کا حصہ دے دوں گا - کیا اس کو اس بات میں کوئی شک ہے؟ کیا میں اس سے بے ایمانی کروں گا؟ ایک لمحے کو میں سوچنے لگا کیا یہ ممکن ہے؟

نالے میں واپس جاتے ہوئے بھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ میں کیوں واپس جا رہا ہوں - بس قدم خود بخود واپسی کی جانب بڑھ رہے تھے - میں نوپاہ کو مصیبت میں چھوڑ کر جانے سے بالکل پریشان نہیں تھا ' نہ مجھے اس بات کی پروا تھی کہ میرے بعد اس پر کیا گزرے گی - خیالوں میں کھویا ہوا میں بے ساختہ واپس چلا جا رہا تھا ' گردوپیش اور خطرات سے بے پروا - ممکن ہے یہ احساس تنہائی ہو جو مجھے واپس لئے جا رہا تھا - یا شاید کوئی انجانی قوت مجھے گھسیٹ رہی تھی -

وہ مجھے چڑھائی کے اوپر پڑا ہوا مل گیا - اسی جگہ جہاں گولیاں سر کے اوپر سے گزری تھیں - وہ میری طرح خوش قسمت نہ تھا - منہ کے بل پڑا وہ بڑی اذیت میں نظر آیا - ہر سمت خون ہی خون پھیلا ہوا تھا -

*

نوپاہ بے ہوش پڑا ہوا تھا - لیکن جب میں اس کے زخموں کو دیکھنے لگا تو اسے ہوش آگیا ' اس کو دو جگہ گولی لگی تھی - ایک گولی پنڈلی میں پیوست ہوئی تھی اور دوسری پسلیوں کو گہرا چھیلتی ہوئی گزر گئی تھی - زخموں سے بے تحاشہ خون بہہ رہا تھا - ہڈی کوئی بھی نہ ٹوٹی تھی لیکن خون زیادہ بہہ جانے سے وہ بہت کمزور ہو گیا تھا -

اس نے معذرت بھرے لہجے میں کہا - " مجھے افسوس ہے مسٹر اورلی - " اس کی آواز نقاہت میں ڈوبی ہوئی تھی -

" تمہیں افسوس ہے؟ " میں نے تلخ لہجے میں کہا - " تم کو کس کمبخت نے کہا تھا کہ میرے پیچھے آؤ - آخر تم کشتی میں کیوں نہیں رکے؟ اب مجھے بتلاؤ کہ میں کیا کروں؟ "

" میرا خیال ہے تم نکل جاؤ - " اس نے کمزور آواز میں کہا - " جب ذرا حالت سنبھل جائے گی تو میں کسی نہ کسی طرح ساحل تک واپس پہنچ جاؤں گا ' میرا خیال ہے کہ وہ اب تک وہاں موجود ہوں گے - "

اس کا خیال غلط نہیں تھا کیوں کہ عین اسی وقت مشین گن کی تیز آواز فضا میں گونجی اور ہر سمت گولیوں کی بارش ہونے لگی - میں پھرتی کے ساتھ زمین پر لیٹ گیا اور نوپاہ کو

گھسیٹتا ہوا دوسری جانب کی ڈھلوان پر لے آیا جہاں ہم دیر تک اسی طرح لیٹے رہے - کچھ دیر بعد لانچ کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی - لگتا تھا کہ واپسی سے قبل یہ ان کی آخری کوشش تھی کیونکہ لانچ کے انجن کی دور ہوتی ہوئی آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ واپس جارہے تھے - میں نے خطرے کی پروا نہیں کی اور رینگتا ہوا جھاڑیوں کی آڑ میں آگے بڑھا - ذرا دیر بعد میں ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے ساحل صاف نظر آرہا تھا - بلاشبہ لانچ واپس جارہی تھی - اس کا رخ سمندر کی سمت تھا اور ہماری کشتی اس کے پیچھے بندھی ہوئی تھی - میں نے دیکھا کہ لانچ پر نیلی وردیوں میں ملبوس گوا کے پولیس والے کافی مقدار میں موجود تھے - میں آہستہ چلتا ہوا نوپاہ کے پاس واپس پہنچا اور اسے صورتحال سے آگاہ کیا - وہ بہت فکر مند ہوگیا اور کہنے لگا کہ اس طرح مچھیروں کے اعتماد کو بڑی ٹھیس پہنچے گی -

"فکر نہ کرو -" میں نے جواب دیا - "اگر ہم کامیاب ہوگئے تو ان کے لئے سونے کا پتر چڑھی لانچ بنوا دیں گے ۔"

لیکن اس نے میری بات نہیں سنی کیونکہ وہ پھر بے ہوش ہوگیا تھا -

میں نے پھرتی کے ساتھ اپنی قمیص اتاری اور اس کی پٹیاں پھاڑ کر کھاڑی کے کنارے تک گیا ' کپڑے کو پانی میں بھگو کر سب سے پہلے اس کی پنڈلی کے زخم پر پٹی باندھی کیونکہ زیادہ خون اسی سے بہہ رہا تھا - اس کے بعد اس کی پسلیوں کے زخم پر بھیگا ہوا کپڑا رکھ کے مضبوطی کے ساتھ پٹی باندھ دی - اس کام سے فراغت پاکر میں نے پھر صورتحال پر غور کرنا شروع کیا - خدایا ' اب کیا کروں ؟ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا - اگر میں نوپاہ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلا جاؤں تو زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ وہ مر جائے گا - اگر میں اس کے ساتھ یہاں رہتا تو بھی کیا کرلوں گا ؟ نہ کھانے کا سامان رہ گیا تھا نہ اس کے علاج کا - اور پھر یہ بھی ممکن تھا کہ وہ دوبارہ وہاں واپس آئیں اور پورے علاقے میں باقاعدہ ہماری تلاش شروع کریں - اگر ایسا ہوا تو ہم دونوں کا پکڑا جانا یقینی تھا ' اگر یہ معلوم ہوتا کہ قرب وجوار میں کوئی بستی ہے تو میں نوپاہ کو لے جاکر کسی محفوظ جگہ پر چھوڑ دیتا - ٹھیک ہوجانے کے بعد یہ آسانی وہ واپس جاسکتا تھا - ویسے بھی اس کو کوئی خطرہ نہ تھا - نہ تو اس نے کوئی جرم کیا تھا نہ پولیس کو وہ کسی الزام میں مطلوب تھا - رات قریب آتی جارہی تھی اور بظاہر کوئی حل نہ تھا -

میں اسے اٹھا کر دریا کے کنارے لے آیا جہاں میں کم از کم اسے پانی تو پلا سکتا تھا - میں نے اسے ساحل کی نرم زمین پر احتیاط سے لٹا دیا - وہ اب تک بے ہوش تھا اور اس کا چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا - اسے وہیں چھوڑ کر میں تقریباً آدھ گھنٹے تک ناریل کے درختوں پر چڑھنے کی کوشش کرتا رہا - میں نے لوگوں کو دیکھا تھا کہ وہ بندر کی طرح اس پر چڑھتے ...... چلے جاتے تھے اور آسانی سے ناریل توڑ کر نیچے گرا دیتے تھے - لیکن اتنی کوشش کے باوجود میری کہنیاں اور گھٹنے ضرور چھل گئے .... میں اوپر چڑھنے میں کامیاب نہ ہوسکا - میں ناریل کے درختوں کے نیچے گھومتا رہا کہ شاید گرے ہوئے ناریل مل جائیں لیکن کیکڑے پہلے ہی ان کا صفایا کر گئے تھے البتہ ناریل کے دو خالی خول ضرور مل گئے جن میں پانی بھر کے نوپاہ کو پلایا جاسکتا تھا - کچھ دیر مزید تلاش کرنے کے بعد میں مایوس ہو کر جب نوپاہ کے پاس پہنچا تو خوف سے پھریری آگئی ' ایسا لگتا تھا کہ اس کے گرد وپیش کی تمام زمین حرکت کر رہی ہے - زرد رنگ کے کیکڑے اتنی بڑی تعداد میں اس کے گرد پھیلے ہوئے تھے کہ قدم رکھنے کی جگہ نہ تھی - وہ نوپاہ کو چٹ کرنے کی فکر میں تھے - شاید خون کی بو پاکر وہ اتنی تعداد میں نکل آئے ہوں - آدمی کی ہتھیلیوں کے برابر.... ان کیکڑوں کے بھیانک اور تیز دھار پنجے نوپاہ پر حملہ کر رہے تھے - ایسا لگتا تھا کہ نشتر کی طرح تیز اور نوکیلے پنجے اس کا گوشت چند لمحوں میں صاف کر دیں گے - ایک لمحہ تو میں دہشت اور خوف کے عالم میں دم بخود کھڑا رہا اور پھر دیوانوں کی طرح چیختا ہوا جھپٹا ' میں نے دونوں پیروں سے ان کو پوری قوت سے کچلنا شروع کیا ' میں بری طرح چیخ رہا تھا - چند منٹ کے اندر وہ اپنے سوراخوں میں غائب ہوگئے اور میں نے اطمینان کا سانس لیا - لیکن میری اچھل کود بند ہوتے ہی انہوں نے پھر اپنے بلوں سے نکلنا شروع کر دیا - تاریکی اب پھیل چکی تھی اور اس میں کیکڑوں کے جسم چمک رہے تھے - مجھے یاد آیا کہ ان کے جسم پر فاسفورس ہوتی ہے ' ان کے بولنے کی آواز سے جیسے پورا ساحل گونجنے لگا تھا - بڑا دہشتناک منظر تھا - میں بے حد خوفزدہ ہوگیا تھا - وہ اپنے بلوں سے نکل کر پھر نوپاہ کی سمت رینگنے لگے تھے -

زندگی میں اتنی بھیانک رات میں نے کبھی نہیں بسر کی تھی ' میں سونے کی ہمت نہ کرسکتا تھا لیکن جاگتے رہنا بھی میرے بس میں نہ تھا - مجھے پرانے زمانے کی وہ کہانیاں یاد

آرہی تھیں جب سمندری ڈاکو لوگوں کو ساحل پر اسی قسم کی
بھیانک سزائیں دیا کرتے تھے - وہ ان کو قتل کرنے کے
بجائے دلدلی کناروں پر باندھ کے چھوڑ دیا کرتے تھے - اس
سے پہلے وہ ان کو چند زوردار کوڑے مار دیتے تھے تاکہ جسم
سے خون رسنے لگے' صبح تک ان کا جسم یہ کیکڑے ہضم
کر جاتے تھے اور صرف ڈھانچہ ساحل پر باقی رہ جاتا تھا - لیکن
یہ دہشتناک کہانیاں بھی میری آنکھوں سے نیند کو نہ اڑا
سکیں - مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ پھانسی کے پھندے پر بھی
نیند آجانے کی کہاوت کس حد تک درست تھی - اسی اذیت
کے عالم میں سوتے جاگتے رات گزر گئی -

صبح اپنے دامن میں کہر لئے نمودار ہوئی' ایسا لگتا تھا کہ ہر
سمت بھاپ ہی بھاپ اڑ رہی ہے - حبس سے دم گھٹنے لگا تھا -
نوپاہ پر ایک قسم کی غشی طاری تھی - وہ بالکل بیہوش نہیں تھا -
کبھی کبھی کرب سے کراہ اٹھتا تھا' وہ اپنے گردوپیش سے بالکل
بے نیاز نظر آتا تھا - مجھے معلوم تھا کہ یہ حد سے زیادہ نقاہت کے
باعث ہے کیوں کہ اس کا خون بہت بہہ چکا تھا - باوجود اس
کے کہ اب خون بہنا بند ہو گیا تھا لیکن اس کا رنگ اتنا زرد
پڑ چکا تھا جیسے برسوں کا بیمار ہو - چہرہ بالکل سفید پڑ چکا تھا - ایسا
لگتا تھا کہ بس وہ تھوڑی دیر کا مہمان ہے - میں دیر تک بیٹھا
اس کی سمت گھورتا رہا - ناریل کی ایک ٹہنی سے میں تمام
رات اس کو ہوا کرتا رہا اور اسی کے ذریعے قریب آنے والے
کیکڑوں کو بھی بھگاتا رہا - میرے بازو اس قدر شل ہو گئے تھے
کہ لگتا تھا ٹوٹ کر گر پڑیں گے - کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ
کیا کروں - کیا تمام رات بیٹھ کر اس کی موت کا انتظار کروں؟
لیکن یوں تو اس کی موت کا بار میری گردن پر رہے گا - لیکن
میں یہاں اس کی موت کے انتظار میں بیٹھ بھی تو نہیں سکتا تھا -
اب میرے لئے مزید ایک رات اس طرح بسر کرنا ممکن نہ
تھا - اور رات کو کیکڑے پھر حملہ آور ہوں گے' خدایا کس
مصیبت میں پھنس گیا ہوں - نوپاہ کو یہیں چھوڑ کر چلا جاؤں؟
یہ بڑا ہولناک عمل ہوگا - ویسے نوپاہ کو تو احساس بھی نہ ہوگا -
رات بھر میں کیکڑے اس کو چٹ کر جائیں گے اور میرا یہ
عمل قتل کے برابر ہوگا - نیند سے آنکھیں بند ہوئی جا رہی
تھیں - کچھ بھی سمجھ میں نہ آرہا تھا - ذہن ماؤف ہو چکا تھا -

عین اسی لمحے مجھے وہ کشتی نظر آئی - کہر اب چھٹ رہا تھا -
ہلکے سے دھندلکے میں یوں لگا جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں -
کشتی دریا کے دوسرے کنارے پر لکڑی کے ایک کھونٹے
سے بندھی ہوئی تھی - بلاشبہ وہ رات کو بھی یہیں رہی ہوگی
لیکن تاریکی میں نظر نہ آسکی' میں نے آنکھیں مل کے دیکھا'
لکڑی کے کھونٹوں کی ایک قطار کیچڑ میں دور تک چلی گئی تھی -
میں نے فوراً پہچان لیا - مچھلیوں کے لئے جال بچھایا گیا تھا -
ساحل کے قریب رہنے والے لوگ عموماً اسی طرح پانی میں
جال باندھ دیا کرتے ہیں اور دھارے میں بہنے والی مچھلیاں
اس میں پھنس جاتی ہیں - اس کا مطلب تھا کہ قریب کوئی
بستی موجود ہے یا کم از کم کسی مچھیرے کا ٹھکانہ ضرور ہے جو یہ
جال لگا کر گیا ہے - اور وہ یقیناً یہ دیکھنے ضرور آئے گا کہ رات
بھر میں کتنی مچھلیاں جال میں آئی ہیں' اس کا مطلب یہ تھا کہ
کسی کے گھر میں ایک مہمان کا اضافہ ہونے والا تھا - خوشی اور
اطمینان کا ایک ناقابلِ بیان احساس ہوا - خدا نے میری دعا
سن لی تھی -

میں ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا آگے بڑھا تاکہ یہ
اندازہ کر سکوں کہ دوسرے کنارے پر کوئی بستی ہے یا نہیں'
لیکن جنگل بہت گھنا تھا اور اگر کسی گھر سے دھواں اٹھ بھی
رہا تھا تو اس طرف نظر نہیں آرہا تھا - ممکن ہے کہر کی وجہ
سے ایسا ہو - اس لئے میں نے دریا پار کرنے کا فیصلہ کیا - کم از کم
یہ تو تھا کہ نوپاہ کو اس میں لٹا سکتا تھا جہاں کیکڑے اس کی
جان کا خطرہ نہیں بنیں گے - میں پانی میں چلتا ہوا دوسرے
کنارے کی سمت آگے بڑھا - دلدل سے نکل کر جب صاف
پانی میں پہنچا تو تیرنے لگا اور ذرا دیر بعد میں کشتی کے پاس پہنچ
گیا لیکن اس کے اندر نظر ڈالتے ہی تمام امیدوں پر اوس پڑ
گئی - یہ پتلی اور لانبی سی پرانی کشتی تھی اور جانے کب سے
وہاں پڑی سڑ رہی تھی' اس کے اندر پانی بھرا ہوا تھا - اس میں
کوئی چپو بھی نہ تھا' لیکن کم از کم یہ اب تک تیر تو رہی تھی -
میں نے اس کی رسی کھولی اور اسے واپس دوسرے کنارے
کی سمت لے چلا -

کیکڑے موقع پاتے ہی پھر نکل آئے تھے اور نوپاہ پر حملہ
کر رہے تھے - وہ کراہ کراہ کر تڑپ رہا تھا - میں نے کشتی کو الٹا
کر کے اس کا پانی نکالا - اس کے بعد نوپاہ کے پاس پہنچ کر ان
منحوس کیکڑوں کو مار بھگایا - اس کے بعد نوپاہ کو اٹھا کر لایا اور
کشتی کے اندر لٹا دیا - اٹھانے سے خون بہنے لگا تھا لیکن پہلے کی
طرح نہیں' میں نے اس کی پٹیاں ٹھیک کیں اور پھر تلاش
کر کے ایک لمبی سی لکڑی لایا جس کو چپو کی جگہ استعمال کر کے
کشتی کھینا شروع کی - سفر چونکہ مخالف سمت تھا اس لئے

ابتدا میں بڑی دشواری ہوئی لیکن آہستہ آہستہ میں کیکڑوں کی اس منحوس جگہ سے دور نکل گیا۔

تقریباً ایک میل آگے جاکر دریا کافی چوڑا ہوگیا تھا، اور کچھ مزید آگے جاکر اس میں سے پانچ چھ چھوٹی چھوٹی شاخیں نکل کر مختلف سمتوں میں چلی گئی تھیں۔ مجھے یہ اندازہ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ میں ایک ڈیلٹا میں پہنچ گیا تھا۔ میں نے آگے بڑھنے کے لئے ایک چھوٹی شاخ کا انتخاب کیا، محض اس لئے کہ مخالف دھارے کا بہاؤ اس میں نسبتاً دھیما تھا۔ میں بہت دیر تک آگے کی سمت اپنی کشتی کو کھیتا رہا، یہاں تک کہ کنارے کے پانی میں گرے ہوئے ایک درخت پر میری نظر پڑی جسے میں نے فوراً پہچان لیا۔ مجھے احساس ہوا کہ یں کسی جزیرے کے گرد چکر لگاتا ہوا وہیں پر واپس آگیا ہوں جہاں سے روانہ ہوا تھا۔ میں نے مایوسی اور غصے کے عالم میں اتنی زور زور سے چیخنا چلّانا شروع کیا کہ نوپاہ کو ہوش آگیا۔ اس نے میری سمت دیکھا اور پھر اس کے خشک لبوں کو جنبش ہوئی۔ میں نے ناریل کے خول میں پانی بھر کر اسے پلایا۔ اس میں بولنے کی سکت نہ تھی۔ میں کچھ دیر احمقوں کی طرح اسے گھورتا رہا پھر دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہوگیا۔ اس مرتبہ میں نے کسی شاخ کی سمت جانے کے بجائے اپنا سفر سیدھے دریا کے اوپر جاری رکھا۔ اور مجھے اندازہ ہوا کہ بیچ دھارے کے بجائے کنارے کنارے جھاڑیوں کے قریب سفر کرنے میں زیادہ آسانی ہوتی تھی کیونکہ یہاں پانی کا بہاؤ بھی تیز نہ تھا اور پھر میں لٹکتی ہوئی شاخوں کو پکڑ کر کھینچتا تو کشتی آرام سے آگے بڑھ جاتی تھی۔ اور یوں میری رفتار بھی کچھ تیز ہوگئی تھی۔ میری یہی حکمتِ عملی کام آگئی اور اس مرتبہ اسی کی وجہ سے میں بچ گیا۔ مجھے لانچ کے انجن کی چھک چھک کی آواز اس کی آمد سے بہت پہلے سنائی دے گئی اور اس سے پہلے کہ وہ مجھے دیکھ سکتے، مجھے اپنی چھوٹی سی کشتی کو جھاڑیوں کے اندر گھسیٹ کر چھپانے کا موقع مل گیا۔ میں ابھی جھاڑیوں کے اندر چھپ کر بیٹھا ہی تھا کہ اگلے موڑ سے پولیس کی لانچ نمودار ہوئی۔

لیکن یہ وہ لانچ نہیں تھی جس نے گزشتہ دن ہمارا تعاقب کیا تھا۔ یہ اس سے چھوٹی تھی۔ اس پر بھی بالکل وہی نشانات بنے ہوئے تھے اور پرتگالی پرچم لہرا رہا تھا۔ اس پر چار آدمی سوار تھے۔ انہوں نے نیلے رنگ کی بحری پولیس کی یونیفارم پہن رکھی تھی اور وہ معمول کے مطابق گشت پر نہیں نکلے تھے بلکہ کسی خاص مقصد کے لئے کہیں جا رہے تھے۔ ہر آدمی چوکنا اور مستعد تھا اور عقابی نگاہوں سے ہر سمت کا جائزہ لے رہا تھا۔ ان میں دو کے ہاتھوں میں دوربین تھی جس سے وہ دونوں کناروں کو غور سے دیکھتے ہوئے جا رہے تھے۔ لانچ ہم سے بمشکل پانچ گز کے فاصلے سے گزری۔ اس کی وجہ سے جو لہریں اٹھیں وہ تقریباً ہمارے اوپر سے ہوکر گزر گئیں، اور آج تک میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہم کس طرح ان کی نظروں میں آنے سے بچ گئے کیونکہ جھاڑیاں زیادہ گھنی نہیں تھیں اور ناؤ کا ایک کونا جھاڑیوں سے باہر نکلا ہوا تھا۔ ذرا سا غور کرنے پر وہ ان کو صاف نظر آسکتا تھا۔ لیکن اگر ہم نے دریا کے بیچ میں سفر کیا ہوتا تو پھر کسی صورت بھی نہیں بچ سکتے تھے۔

میں ان جھاڑیوں میں تمام دن چھپا رہا۔ اس دوران لانچ کی آواز کئی بار سنائی دی۔ وہ پیچ و خم کھائی ہوئی دریائی شاخوں کے چپے چپے کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کے بعد وہ غروبِ آفتاب سے قبل واپس آئی تو رفتار کافی تیز تھی۔ اور مجھے یہ فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تامل نہ تھا کہ وہ ہماری تلاش میں تمام دن سرگرداں رہے تھے۔ گزشتہ روز ان کے ساتھ اچانک مڈبھیڑ ہماری بدقسمتی تھی۔ لیکن ممکن ہے، ان دونوں مچھیروں

ایک امریکی اداکارہ بحری جہاز میں سفر کر رہی تھی۔ اس نے اپنے قریب عرشے پر ایک شخص کو دیکھا جو زکام میں مبتلا تھا اور بار بار چھینک رہا تھا۔

اداکارہ نے پوچھا "جناب! کیا آپ کو زیادہ تکلیف ہے؟"

اس شخص نے اثبات میں سر ہلادیا۔ اداکارہ نے مسکرا کر کہا "مجھے زکام کا علاج آتا ہے۔ آپ اپنے کمرے میں جائیں، گرم چائے میں لیموں کا رس ملاکر پئیں۔ اسپرین کی دو ٹکیاں کھائیں اور پھر بہت سے کمبل اوڑھ کر سوجائیں۔ پسینہ آنے کے بعد زکام جاتا رہے گا۔ مجھے اس بات کا خوب تجربہ ہے۔ میں ہالی ووڈ کی اداکارہ بلی بر ہوں۔"

"شکریہ خاتون" اس شخص نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میرا نام ڈاکٹر میو ہے اور میں نیو یارک کے سرکاری اسپتال کا انچارج ہوں۔"

سے انہوں نے سب کچھ اگلوالیا ہو' انہوں نے بتلادیا ہو گا کہ ان کی موٹر بوٹ میں ایک یورپین اور ایک برمی بھکشو سوار تھے اور انہوں نے رات کو بمبئی سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا- بلاشبہ وہ فرار ہورہے تھے' اور گوا پولیس کے لئے یہ اطلاع بہت کافی تھی' یہاں پر میں ہندوستان کی سرحد سے کہیں زیادہ خطرے میں تھا- گوا کے حکام کے پاس میری گرفتاری کا معقول قانونی جواز موجود تھا- اور انہوں نے اگر یہ اندازہ کرلیا کہ میرا تعلق سونے کی تلاش کرنے والوں سے ہے تو پھر خدا ہی حافظ تھا-

وہ دن بدترین تھا- تمام دن میں اس طرح چھپا بیٹھا رہا جیسے کوئی جانور شکاری سے چھپ کر پناہ لیتا ہے' میں دیانت داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر وہ لانچ دوپہر میں کسی وقت آگئی ہوتی تو میں نے خود کو ان کے حوالے کردیا ہوتا- سچ پوچھو تو میں بہت دیر تک یہ ارادہ کرتا رہا کہ ان کی تلاش میں جاؤں اور وہ مل جائیں تو سونے کے سلسلے میں ان سے کوئی سودے بازی کرلوں' کم از کم یہ تو آسانی سے ممکن تھا کہ سونے کا پتا بتانے کے عوض انڈیا کے علاوہ اور کہیں جانے کے لئے ٹکٹ اور آزادی حاصل کرلوں' اگر وہ مجھے بحفاظت نکل جانے کا موقع دیتے تو میں شاید بلا تامل یہ سودا کرلیتا- لیکن مجھے بدقسمتی سے یقین تھا کہ وہ ایسا نہ کریں گے' اور کیوں کرتے؟ میں ایک مفرور قیدی تھا جسے ابھی دس سال قید کاٹنی تھی اور جیل سے فرار کے جرم میں وہ سزا میں مزید اضافہ کرسکتے تھے' گرفتاری کے بعد مجھ سے سونے کا راز اگلوانے کے لئے ان کے پاس بہت وقت تھا بشرطیکہ میں یہ اقرار کرلیتا یا ان کو یقین ہوجاتا کہ مجھے وہ جگہ معلوم ہے جہاں سونا پوشیدہ ہے- اگر ان کو یہ شبہ بھی ہوگا تو وہ مجھے ہرگز اس بات کی اجازت نہ دیں گے کہ میں وہاں سے کہیں اور چلا جاؤں اور اس راز کو افشاں کردوں- اس کے بڑے پیچیدہ نتائج نکل سکتے تھے' پرتگالی حکومت کوئی مصیبت کھڑی کردیتی یا نئی انڈونیشی حکومت کوئی جھگڑا کھڑا کردیتی' یا اس سونے کے حقیقی مالکان کوئی مسئلہ پیدا کردیتے جو گوا کی حکومت کو پریشانی میں مبتلا کرسکتا تھا- اگر گوا والے خاموشی سے یہ دولت ہضم کرنا چاہتے تھے تو اسے ہندوستان سے چھپا کر پرتگال لے جانے کی کوشش کریں گے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جلد یا بدیر گوا پر ہندوستان کا قبضہ ہونے والا ہے- اور پھر یہ سوچ کر کہ اگر تمام تر امیدوں کے باوجود سونا وہاں موجود ہی نہ تھا تو اس صورت میں وہ میرا جو حشر کرتے اس کا تصور بھی ہولناک تھا- ایسے میں گوا والوں سے کوئی سودے بازی ممکن نہ تھی- میں کسی سے بھی سودے بازی نہیں کرسکتا تھا-

سہ پہر کے بعد میں نے سونے کے بارے میں سوچنا ترک کردیا- کیونکہ بھوک کی شدت سے پیٹ میں درد ہونے لگا تھا اور جب آدمی بھوکا ہو تو کھانے کے علاوہ اور کوئی فکر اسے پریشان نہیں کرتی' اس وقت پیٹ بھر کھانے کے عوض کوئی بھی مجھ سے ہر شرط منوا سکتا تھا- لیکن فکر کرنے سے پیٹ نہیں بھرتا اس لئے میں سوچنے لگا کہ کچھ کرنا چاہئے' شاید تلاش کرنے سے کیلا مل جائے ورنہ پھر کسی نہ کسی طرح.... مچھلی پکڑنے کی کوشش کروں گا' میں نے نوپاہ کی سمت دیکھا اور سوچنے لگا کہ یہ اب تک مرکیوں نہیں گیا' اس کے زندہ رہنے سے بھی اب کیا فائدہ تھا' سارے سنہرے خواب بکھر چکے تھے اور میرے یا اس کے لئے اب کوئی اور مستقبل نہ تھا- سونے کی چمک اب سراب کی طرح تھی اور قریب آتے ہی ماند پڑ چکی تھی- لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ اب تک زندہ تھا' میں نے دریا سے پانی بھر کے..... اس کو پلایا اور کشتی سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہوگیا- میں جیسے ہی جنگل میں داخل ہوا' بندروں کا ایک غول اتنی زور سے چیخا کہ میں دہشت سے اچھل پڑا' وہ شاخوں پر کود کود کر شور مچانے لگے- میں چند لمحے رک کر اپنے حواس درست کرنے لگا' پھر میں نے دیکھا کہ وہ نیچے لگی جھاڑیوں میں سے بیر کی طرح کے چھوٹے چھوٹے پھل توڑ کر کھا رہے تھے اور اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ پھل زہریلے نہیں تھے اس لئے میں بھی کھا سکتا تھا- لیکن میں نے چکھ کر دیکھا تو... پھٹکری کی طرح بدمزہ تھے.... میں نے فوراً ہی ان کو تھوک دیا- سارا منہ کسیلا ہوگیا تھا' میں جنگل میں آگے بڑھتا رہا- یہاں تک کہ ایک پگڈنڈی مل گئی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ اب تک استعمال میں رہی ہے' اس پر چلتا ہوا میں اس جنگل سے نکل کر ایسی جگہ پر پہنچا جہاں دریا کا کنارا تھا- یہاں دریا کئی فرلانگ چوڑا تھا' میں حیرت سے کھڑا گردوپیش دیکھ رہا تھا کہ ایک جھونپڑی پر نظر پڑی' خوشی سے میرا دل زور زور سے اچھلنے لگا-

یہ کھجور کے درخت کی لکڑیوں اور مٹی کے گارے سے بنی ہوئی ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی' دریا کے کنارے رہنے والے مچھیرے عموماً ایسی جھونپڑیاں بنا کر رہتے تھے-

اور اس جگہ یہ واحد جھونپڑی تھی' میں کچھ اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ سامنے جلتی ہوئی آگ سے دھواں اٹھ رہا تھا' میں بھاگتا ہوا کشتی تک واپس آیا اور اسے تیزی کے ساتھ کھیتا ہوا جھونپڑی کے سامنے والے کنارے تک لے آیا- فاصلہ کافی تھا اور مسلسل چپو چلانے سے میں بری طرح ہانپنے لگا تھا' لیکن کسی انسان کی مدد مل جانے کے امکان سے اتنی بے پایاں خوشی محسوس ہوری تھی کہ میں سب کچھ برداشت کر سکتا تھا-

پہلے تو مجھے کوئی بھی نظر نہ آیا لیکن جب میں آگے بڑھ کر جھونپڑی کے دوسری جانب پہنچا تو ایک عورت باہر نکلی اور دور کھڑی ہو کر خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی- جھونپڑی کے اندر سے کسی بچے کے رونے کی آواز آرہی تھی- میں نے اسے اشارے سے اطمینان دلایا لیکن وہ کچھ نہ سمجھ سکی' بس خاموش کھڑی مجھے گھورتی رہی' اسی لمحے میں نے پیچھے آہٹ سنی اور پھرتی کے ساتھ مڑا- جھاڑیوں کے پیچھے سے ایک مرد برآمد ہوا جس کے جسم پر صرف لنگوٹی تھی' یہ جھونپڑی کا مالک معلوم ہوتا تھا- ادھیڑ عمر' پستہ قد اور مضبوط جسم کے مالک اس شخص کے ہاتھ میں ایک تیز دھار بغدا تھا جسے اس نے وار کرنے کے انداز میں مضبوطی کے ساتھ پکڑا ہوا تھا' میں نے اس کو بھی اشارے سے اطمینان دلایا اور پھر ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے بتلایا کہ میں بھوکا ہوں' وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر نامعلوم زبان میں عورت سے کچھ کہا- وہ جھونپڑی کے پیچھے گئی اور [illegible] بالکل سیاہ پڑا ہوا ایک برتن اٹھا کر لائی جسے اس [illegible] میرے سامنے لا کر زمین پر رکھ دیا اور پھر جلدی سے کئی قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوگئی' برتن میں ابلے ہوئے چاول اور مچھلی تھی' میں اتنا بھوکا تھا کہ بلا انتظار کئے اس پر جھپٹ پڑا لیکن ہانڈی میں چاول اتنے گرم تھے کہ میرے ہاتھ جل گئے' عورت کھلکھلا کر ہنس پڑی' مرد نے پھر تحکمانہ لہجے میں کچھ کہا تو وہ جا کر تانبے کی ایک پلیٹ لے آئی' میں نے گرم گرم چاول اور مچھلی پلیٹ میں نکال کر کھانا شروع کیا' میرا انداز کسی فاقہ زدہ انسان کا تھا- میں اتنا بھوکا تھا کہ کھانا ہمیشہ سے زیادہ لذیز لگ رہا تھا-

جب کچھ پیٹ بھر گیا تو مجھے نوپاہ کا خیال آیا- میں نے پلیٹ میں اور کھانا نکالا- پھر کشتی کے قریب جا کر اسے خشکی پر گھسیٹ لایا اور پھر نوپاہ کو کھانا کھلانے کی کوشش کی' لیکن اس کے منہ میں نوالہ ڈالنا بھی مشکل ہو رہا تھا- اس مرد اور عورت نے میری کوئی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ دور کھڑے دیکھتے رہے' اس رویّے نے مجھے پریشان کر دیا کیونکہ میں نے ہمیشہ ان غریب مچھیروں کو بڑا رحم دل پایا تھا اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد میں وہ پیش پیش اور بڑے فراخدل ہوتے تھے' جب میں کابو سیتا میں تھا اور مزدوری کے لئے باہر لایا جاتا تھا تو یہ لوگ موقع پاتے ہی ہم کو کچھ نہ کچھ لا کر دیا کرتے تھے اور ہم لوگ محافظوں کی نظر بچا کر ان کی امداد بڑی خوشی سے قبول کر لیا کرتے تھے' لیکن یہ پستہ قد مچھیرا دور کھڑا تماشہ دیکھتا رہا اور بغدا اس کے ہاتھوں سے ایک لمحے کو جدا نہ ہوا' میں نے اس کو خوش کرنے کے لئے جیب سے چند نوٹ نکال کر دینے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا- یہ بات میرے لئے اور بھی حیران کن تھی کیونکہ تیس روپے کی رقم ان مچھیروں کے لئے بہت بڑی تھی' میں نے اسے پھر اشارہ کیا کہ نوٹ لے لے لیکن اس نے گردن ہلا کر انکار کر دیا اور دور کھڑا مجھے گھورتا رہا-

عورت شاید میرے آنے سے پہلے کپڑے دھو رہی تھی کیونکہ جھاڑیوں کے اوپر دُھلے ہوئے کپڑے سوکھنے کے لئے پڑے تھے' میں نے آگے بڑھ کر کپڑوں کی سمت اشارہ کیا اور پھر نوٹ آگے بڑھائے' لیکن مرد نے پھر گردن ہلا کر انکار کر دیا جیسے نوٹ اس کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتے ہوں' مجبوراً میں نے سوتی کپڑے کی ایک دھوتی اٹھالی اور اس کو پھاڑ کر پٹیاں بنائیں پھر خالی برتن میں پانی گرم کر کے پٹیاں اس میں ابال لیں اور ان کو لا کر نوپاہ کی دوبارہ پٹی کی' میں نے اسے کشتی میں ہی رہنے دیا کیونکہ خطرہ تھا کہ اٹھانے سے زخم پھر نہ کھل جائے اور خون بہنے لگے حالانکہ اب اس کے جسم میں خون کا قطرہ بھی نظر نہ آتا تھا یہاں تک کہ پٹیاں بھی سرخ نہ ہو سکیں' جانے کتنا سخت جان تھا یہ بھکشو جو اب تک زندہ تھا- وہ اب تک غشی کے عالم میں تھا لیکن اسے یہ احساس تھا کہ میں اس کے پاس ہوں کیونکہ پٹیاں باندھتے وقت دو تین بار اس کی آنکھیں ذرا سی کھلیں اور لبوں پر مردہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی-

میں نے ان دونوں کو اشاروں سے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ میں نوپاہ کو ان کے پاس چھوڑ کر جانا چاہتا ہوں لیکن وہ راضی نہ ہوئے اور ان کے رویّے میں کوئی فرق نہ آیا- میں بے حد مایوس ہوا- وہ نہ ہندوستانی سمجھتے تھے اور نہ انگریزی'

میں نے ایک دو پرتگالی الفاظ بھی بولے لیکن وہ بُت کی طرح خاموش کھڑے مجھے گھورتے رہے - عاجز آکے میں نے ہار مان لی' پیٹ بھر جانے سے مجھے بہت نیند آرہی تھی' میں نے وہیں پر لیٹ جانے کا فیصلہ کیا - لیکن ان کو شاید یہ پسند نہ آیا - کیونکہ پستہ قد مرد نے عورت سے کچھ کہا پھر اس نے آگے بڑھ کر مجھے اشارہ کیا - میں اس کے ساتھ گیا تو اس نے جھونپڑی کے سائے میں بچھی ایک چارپائی کی طرف اشارہ کیا تب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اتنے سخت دل نہ تھے' بس شاید مجھ سے خوفزدہ تھے' لیکن مجھے اچھا نہ لگا کہ خود تو آرام سے چارپائی پر سوجاؤں اور غریب نوپاہ کو کشتی میں پڑا رہنے دوں - لیکن جب میں نوپاہ کو اٹھانے گیا تو دیکھا کہ انھوں نے اسے ایک چادر اُڑھا دی تھی اور وہ آرام سے لیٹا ہوا تھا - اس لئے میں نے اسے اٹھانا مناسب نہ سمجھا اور واپس آکر چارپائی پر دراز ہوگیا -

مجھے پتا نہیں کہ میری آنکھ کس چیز سے کھلی' ممکن ہے یہ خطرے کا غیر شعوری احساس ہو یا ان دونوں میں سے کسی نے آواز دی ہو' بہر کیف وجہ کچھ بھی رہی ہو' میں چونک کر اٹھ بیٹھا تھا - نیند آنکھوں سے غائب ہوچکی تھی اور میں پوری طرح چوکنا تھا' میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے - میں نے اٹھ کر گردوپیش دیکھا - پورا چاند آسمان پر چمک رہا تھا اور ہر چیز اس کی دودھیا روشنی میں نہائی ہوئی تھی' جھونپڑی میں مکمل سکوت طاری تھا اور صرف آس پاس سے جنگلی کیڑوں اور مینڈکوں کے بولنے کی آوازیں فضا میں سنائی دے رہی تھیں' کبھی کبھی جنگل میں کوئی پرندہ چیخ اٹھتا' میں نے انگڑائی لی اور سونے کے ارادے سے چارپائی پر لیٹنے ہی والا تھا کہ چھٹی حس نے پھر انجانے خطرے کا احساس دلایا - کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور تھی' اور پھر اچانک مجھے احساس ہوا کہ جھونپڑی پر موت کا سا سکوت طاری تھا - بچے تک کے رونے کی آواز نہیں آرہی تھی حالانکہ جب سے ہم یہاں آئے تھے وہ مسلسل روئے جارہا تھا - میں نے خود کو دلاسا دیا کہ وہ بے خبر سو رہا ہوگا لیکن دل نہیں مان رہا تھا - کوئی غیر معمولی بات ضرور تھی - ایسا لگتا تھا کہ جھونپڑی میں کوئی نہیں ہے' ایک عجیب سی ویرانی طاری تھی - میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور پھر آہستہ آہستہ جھونپڑی کے دروازے کی سمت بڑھا' میں نے اندر جھانک کر دیکھا' تاریکی میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا لیکن اس کے باوجود میں جانتا تھا کہ جھونپڑی بالکل خالی تھی' میں دبے پاؤں اندر داخل ہوا - ذرا دیر میں آنکھیں تاریکی سے مانوس ہوگئیں - میرا خیال صحیح تھا - وہاں کہیں بھی کسی کا نام ونشان نہ تھا - جھونپڑی کے مکین فرار ہوچکے تھے - ہم اب کسی میزبان کے بغیر جھونپڑی کے مہمان تھے -

میں نے باہر نکل کر دیکھا تو شبہے کی مزید تصدیق ہوگئی' ان کی ڈونگی غائب تھی' وہ ہمیں تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے - میں چند لمحے خاموش کھڑا سوچتا رہا - وہ آخر کیوں مجھ سے اتنے خوفزدہ تھے کہ اپنا گھر چھوڑ کر بھاگ گئے ؟ کچھ سمجھ میں نہ آسکا' میں آگے بڑھ کر نوپاہ کے پاس پہنچا' وہ چھوٹی سی کشتی میں پڑا حالات سے بے خبر تھا' ایک لمحے کو مجھے یوں لگا کہ وہ چل بسا کیوں کہ اس کا جسم بالکل ساکت تھا لیکن نبض دیکھی تو چل رہی تھی - نقاہت سے وہ ہلنے جلنے کے قابل نہ تھا -

میں وہیں پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اب کیا کروں' بدقسمتی سائے کی طرح پیچھا کر رہی تھی - اب یہ مچھیرے بھی ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے' لیکن آخر کیوں؟ یہ لوگ رات سے ہمیشہ ڈرتے تھے - عام طور پر یہ تاریکی پھیلنے کے بعد اپنی جھونپڑیوں سے باہر نہ نکلتے تھے - کیا یہ مجھ سے خوفزدہ تھے؟ لیکن کیوں؟ بظاہر تو وہ شخص خوفزدہ نہیں تھا' مقابلے کے لئے بغدا ہاتھ میں لئے کھڑا تھا - اور پھر میرے رویّے سے اس کا رہا سہا خوف بھی دور ہوجانا چاہئے تھا' میں تو خود مصیبت زدہ تھا اور ان سے مدد طلب کی تھی' میں نے کوئی ایسی حرکت بھی نہیں کی تھی جو انہیں خوفزدہ کرتی - انہیں رقم بھی دینے کی کوشش کی تھی - کہیں وہ پولیس کو مطلع کرنے تو نہیں گئے؟ لیکن وہ ایسا کیوں کریں گے؟ ان کو کیا معلوم کہ میں کوئی مفرور مجرم ہوں - لیکن ... ممکن ہے وہ یہ بات جانتے ہوں' اور پھر بجلی کی طرح ایک خیال ذہن میں کوندا - بیشک - وہ پولیس کی لانچ - خدایا! یقیناً ایسا ہوا ہوگا - انہوں نے ہر جگہ رک کر ہمیں تلاش کیا ہوگا - ہر ایک سے پوچھ گچھ کی ہوگی - ان لوگوں کو بھی ہمارے بارے میں بتلایا ہوگا - بیشک یہی بات تھی' وہ مجھ سے نہیں پولیس سے خوفزدہ ہوں گے - میں گوا کی پولیس سے بخوبی واقف تھا' ان لوگوں نے مچھیرے کو دھمکیاں دی ہوں گی - اور شاید یہ بھی بتلایا ہوگا کہ ہماری گرفتاری کے لئے انعام بھی مقرر تھا - وہ اسی لئے بھاگ گئے' غریب لوگ تھے اس لئے کوئی خطرہ مول لینے کی ہمت ان میں نہ تھی - بس یہی بات تھی -

پیٹ بھرا ہو تو آدمی میں کتنی ہمت آجاتی ہے - اگر کل

میں اسی وقت یہاں ہوتا تو شاید بیٹھ کر ان کی واپسی کا انتظار کرتا۔ لیکن اب یہاں ایک لمحہ ٹھہرنے کو تیار نہ تھا۔ میں نے جھونپڑی سے ایک پتوار بھی چوری کرلیا کیونکہ وہاں کئی اور رکھے ہوئے تھے۔ میں نے اس کے بعد بالکل انتظار نہیں کیا' کشتی میں بیٹھا اور روانہ ہوگیا جیسے ہزاروں بلائیں ہمارا تعاقب کررہی ہوں۔

میں نے اسی سمت اپنا سفر جاری رکھا جدھر پہلے جارہا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پولیس کی لانچ بھی اسی سمت گئی تھی اور میرا خیال یہ تھا کہ وہ سامنے سے آتے نظر آئے تو چھپنے کا امکان ہوگا۔ مخالف سمت گیا تو اچانک آکر وہ کسی بھی وقت مجھے پکڑ سکتے تھے' اور میری یہ حکمتِ عملی مفید ثابت ہوئی۔ صبح سے ذرا پہلے لانچ کے انجن کی آواز مجھے دور سے سنائی دی اور میں پھرتی کے ساتھ کنارے کی جھاڑیوں میں پوشیدہ ہوگیا۔

لانچ تیز رفتاری کے ساتھ میرے قریب سے ہوکر گزر گئی۔ اس کے پیچھے ایک ڈونگی بھی بندھی ہوئی تھی' میرا اندیشہ درست نکلا تھا۔ مچھیرے نے جاکر ان کو ہمارے متعلق خبر کردی تھی اور وہ ہماری تلاش میں جھونپڑی کی طرف جارہے تھے' میں پریشان ہوگیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ علاقے کا ہر مچھیرا میری تلاش میں ہوگا' اب تک سب کو ہمارے متعلق اطلاع دی جاچکی ہوگی۔ اور اب ہم صرف رات کو سفر کرسکتے تھے' دن کا وقت جھاڑیوں میں پوشیدہ رہ کر گزارنا ہوگا۔ ظاہر ہے وہ کنارے پر لگی جھاڑیوں کی تلاشی نہیں لے سکتے تھے۔ لیکن ایک مشکل مسئلہ یہ تھا کہ پیٹ بھرنے کا بندوبست کیسے کیا جائے' کھانا نہ ملا تو ہم بھوک سے مرجائیں گے۔

پھر اچانک یہ اذیت ناک خیال دل میں ابھرا کہ ہم آخر جائیں گے کہاں؟ یہ سفر سونے کی تلاش میں شروع ہوا تھا۔ کیا ہم اپنی منزل کی جانب بڑھ رہے ہیں؟ امید تو مجھے یہی تھی لیکن یقینی طور پر کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں نے جیب سے چارٹ نکالا جو اَب خشک ہوگیا تھا اور اس کو پھیلا کر دیکھنے لگا' لیکن کافی دیر اس کو دیکھنے کے بعد بھی تسلی نہ ہوسکی۔ ساحل کے قریب سفر کرتے ہوئے چلتے تو شاید کچھ اندازہ بھی ہوجاتا۔ لیکن یہاں جنگل اور ندیوں کے پھیلے ہوئے جال میں کچھ اندازہ کرنا مشکل تھا۔ چارٹ سے دریا کے دہانے کا نشان تو ملتا تھا لیکن جزیرے کے اندر کے علاقے میں رہ کر اس جگہ کا تعین کرنا دشوار تھا۔ جب ہم ساحل پر اترے تو مجھے یہ اندازہ تھا کہ ہم منزل سے بہت قریب ہیں کیونکہ لاشعوری طور پر ہم جنوب کی سمت سفر کرتے رہے تھے لیکن مجھے یہ اندازہ بالکل نہ تھا کہ ہم نے کتنا فاصلہ طے کرلیا ہے۔ اگر میں دوبارہ ساحل سمندر پر پہنچ جاؤں تو بھی اس بات کا اندازہ کرنا ممکن نہ ہوگا کیونکہ مجھے کچھ پتا نہ تھا کہ میں کہاں ہوں' اور اس بات کا تعین کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا۔ جب تک میں شمال کی طرف دوبارہ نہ جاؤں اور لائٹ ہاؤس کے ذریعے سمت اور فاصلے کا اندازہ نہ کرلوں' اور جنوب میں تیرہ میل تک واپس نہ آؤں کچھ یقینی اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بڑی دل شکن صورتِ حال تھی۔ کاش میرے پاس اس علاقے کا کوئی نقشہ ہوتا تو میں اپنے چارٹ سے ملا کر اصل جگہ کا پتا آسانی سے لگالیتا۔ لیکن نہ نقشہ ملنے کی کوئی صورت تھی اور نہ اس کے بغیر منزلِ مقصود تک پہنچنے کی۔ کیسی عجیب صورتِ حال تھی' ممکن ہے وہ جگہ یہیں کہیں قریب میں ہو لیکن جنگل کے باہر دیکھنا ممکن نہ تھا۔ کوئی لاشعوری قوت بار بار مجھے تسلی دے رہی تھی کہ وہ جگہ مجھ سے بہت قریب ہے۔ میں سمندر سے بھی بہت قریب تھا۔ اور اگر کوئی ایسا نقشہ ہوتا جس کے ذریعے جزیرے کے مختلف مقامات کے نام معلوم ہوسکتے اور سمت کا اندازہ کیا جاسکتا تو اس جگہ کو تلاش کرنا بچوں کا کھیل ہوتا۔

لیکن یہاں بیٹھ کر کسی معجزے کا انتظار کرنا بھی لاحاصل تھا۔ اب صرف ایک ہی صورت تھی کہ جس راستے سے آئے تھے اسی پر واپس سفر کیا جائے یہاں تک کہ سمندر کے ساحل پر پہنچ جاؤں اور پھر اس جگہ تک پہنچنے کی کوشش کروں جہاں سے راستے کا نشان ملا تھا' میں یہاں تک کسی نہ کسی طرح پہنچ گیا تھا اور اب بزدلی کا مظاہرہ کرکے مایوس ہوجانا مناسب نہیں تھا۔ جس مقصد کے لئے اتنی مصیبت برداشت کی تھی اس کی تکمیل کے لئے کوشش ضرور کرنا چاہیے۔ لیکن سب سے پہلے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ نوپاہ کا کیا کیا جائے؟ اگر میں اسے اپنے ساتھ لے گیا تو وہ مرجائے گا اور اسے تو اب تک مرجانا چاہئے تھا کیوں کہ پانی کے علاوہ اس کے پیٹ میں کچھ نہیں گیا تھا۔ جب بھی وہ کراہتا تھا' میں چند گھونٹ پانی پلادیتا تھا اور بہت دیر سے وہ کراہا نہیں تھا۔ اگر میں نے اسے کنارے پر کسی جگہ چھوڑ دیا تب بھی اس کا زندہ بچنا ممکن نہیں تھا۔ شاید اس اذیت سے بہتر اس کے لئے جلد

مرجاتا ہی ہو - لیکن مجھے معلوم تھا کہ ایسا کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا - میں اس کو اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جاسکتا تھا تاوقتیکہ کوئی اس کی دیکھ بھال کرنے والا نہ مل جائے - لیکن فائدہ کیا ہوگا؟ پولیس جلد یا بدیر اس کا پتا چلالے گی ـــ کم ازکم اس کے بعد اسے مناسب طبی امداد تو مل جائے گی اور ممکن ہے کہ اس طرح اس کی زندگی بھی بچ جائے ' وہ اس کے ساتھ بعد میں جو سلوک کریں گے وہ مجھے معلوم تھا لیکن وہ اس کو زیادہ دن حراست میں نہیں رکھ سکتے کیوں کہ ان کے پاس نوپاہ کے خلاف کوئی الزام نہیں تھا - گو کہ وہ بہت ظالم تھے لیکن پھر بھی قانون کے پابند تھے اور جلد یا بدیر وہ نوپاہ کو رہا کردیں گے -

میں نے فیصلہ کرلیا کہ بس یہی مناسب تھا - اسے کسی ایسی جگہ چھوڑ دوں گا جہاں سے پولیس اسے آسانی سے گرفتار کرلے ' لیکن یہ جگہ ایسی ہونی چاہیے جہاں آبادی ہو ' کسی مچھیرے کی جھونپڑی ہو - اگر میں اسے جھونپڑی کے پاس ہی چھوڑ آتا تو اب تک وہ پولیس کے ہاتھ لگ چکا ہوتا - میں نے اسے ساتھ لاکر غلطی کی تھی - اب کسی دوسری جگہ کو تلاش کرکے اسے وہاں چھوڑ دوں اور خود سمندر کا رخ کروں -

میں اس ارادے سے چپو اٹھانے ہی والا تھا کہ لانچ کی آواز پھر سنائی دی ' اس مرتبہ وہ بہت دھیمی رفتار سے واپس آرہی تھی - بہت ہی دھیمی رفتار سے - اور میں نے جب وجہ دیکھی تو سانس رکتا ہوا محسوس ہوا ' انہوں نے دونوں کناروں پر ایک آدمی چھوڑ دیا تھا جو جھاڑیوں کو ایک ڈنڈے سے پیٹتا ہوا ساتھ چل رہا تھا - پہلے مجھے سامنے والے کنارے کا آدمی نظر آیا اور پھر قریب میں دوسرے آدمی کی چاپ سنائی دی ' وہ جھاڑیوں میں ڈنڈا مارتا اور جھانکتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا - میں نے بے بسی کے عالم میں کنارے کے اوپر دیکھا ' اوپر اگی ہوئی جھاڑیاں بہت گھنی تھیں - لیکن پولیس کا آدمی اچھی طرح دیکھے گا تو میرا نظر آجانا یقینی امر تھا - پریشانی اور خوف کے عالم میں میں نے کشتی کو اور ذرا سا آگے بڑھا دیا جہاں کنارے پر جھاڑیاں زیادہ گھنی تھیں - میں جھاڑیوں کے اندر پوری طرح دبک گیا -

لیکن جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ پولیس والا بے پروائی کے ساتھ کام کررہا تھا - لوگ جب تھک جاتے ہیں تو یہی کرتے ہیں ' وہ مسلسل میری تلاش میں ناکامی سے شاید عاجز آچکے تھے اور اب کپتان نے اسے پیدل چلنے پر مجبور کردیا تھا ' خاردار جھاڑیوں میں چلتے ہوئے اس کو تکلیف بھی ہورہی ہوگی ' کپتان خود آرام سے لانچ کے اندر بیٹھا ہوا تھا اور اس کو بیگار پر لگادیا تھا ' بے چارہ تھکا ہوا تو تھا ہی ' بھوکا بھی ہوگا ' ناشتا بھی نہ ملا ہوگا ' دریائی پولیس کی ڈیوٹی میں یوں بھی آرام کرنے کا موقع کم ملتا ہے ' شاید وہ یہی کچھ سوچ رہا ہوگا کیوں کہ بیزاری کے عالم میں ادھر ادھر ڈنڈا مارنے کے علاوہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا -

وہ مجھے تلاش کرنے کی زحمت کئے بغیر اس طرح گزر گیا کہ کچھ دیر تک تو مجھے یقین نہیں آیا کہ بچ گیا ہوں ' لانچ جب دور نکل گئی تو میں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا - میرا دل زور زور سے اچھل رہا تھا اور جسم خوف کے ٹھنڈے پسینے سے تر تھا -

کم از کم یہ جگہ اب دن کے لئے محفوظ تھی ' انھوں نے اپنی دانست میں یہاں اچھی طرح مجھے تلاش کرلیا تھا ' میں دن بھر سفر میں رہوں گا اور پھر رات ہوتے ہی سمندر کی جانب سفر کا آغاز کردوں گا ' اور اب اسی مچھیرے کی جھونپڑی میں نوپاہ کو چھوڑ دوں گا جس نے ہمیں اپنا مہمان بنایا تھا -

لیکن میں نوپاہ کو اس مچھیرے کی جھونپڑی تک نہیں پہنچا سکا - میں واپسی میں یا تو خیالوں میں کھو گیا تھا یا پھر وہ نظر ہی نہ آئی کیونکہ کہر اچانک اتنا گہرا ہوگیا تھا کہ میں کشتی کے آگے کچھ نہ دیکھ سکتا تھا ' میں دیر تک اس موڑ کا انتظار کرتا رہا لیکن جھونپڑی نظر نہ آئی اور جب کہر چھٹ گیا تو میں کافی دور نکل چکا تھا - جب مجھے یقین ہوگیا کہ میں اس جگہ سے آگے نکل چکا ہوں تو میں نے واپس جانا مناسب تصور نہیں کیا - مجھے معلوم تھا کہ جھونپڑی سے لے کر دریا کے آگے تک وہ چپے چپے کو چھان چکے تھے اس لئے اب ادھر نہیں آئیں گے - یہ ممکن تھا کہ دوسرے دن وہ اس جگہ سے سمندر تک کے حصے میں مجھے تلاش کریں اس لئے میں نے کشتی کو پانی کے دھارے پر چھوڑ دیا - تمام دریا بالآخر سمندر میں جاکر گرتے ہیں اس لئے میں بہرحال سمندر تک پہنچ جاؤں گا ' کاش راستے میں کوئی بستی یا آباد جھونپڑی... مل جائے تو میں نوپاہ کو وہاں چھوڑ کر اطمینان کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھوں گا - یہ اطمینان ہوجانے کے بعد میری آنکھ لگ گئی -

کشتی کنارے اگی ہوئی گھاس میں پھنس کر رک گئی تھی اسی لئے شاید میری آنکھ کھل گئی ' کہر چھٹ چکا تھا - آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے صاف نظر آرہے تھے لیکن اور کچھ نظر نہیں آرہا تھا کیونکہ میرے ہر سمت گھنی جھاڑیاں تھیں ' کچھ

دیر میں حیران و پریشان رہا کیونکہ اس سے پہلے میں کبھی اس جگہ سے نہیں گزرا تھا' لیکن کچھ دیر بعد مجھے پھر نیند آگئی اور کچھ خبر نہ رہی لیکن صبح ہوئی تو میں واقعی پریشان ہوگیا' میں گھنی جھاڑیوں کے اندر مزید پھنس کر رہ گیا تھا' اور ہر سمت سبز جھاڑیوں اور بیلوں کی دیوار سی نظر آرہی تھی - میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس جگہ کیسے پہنچ گیا کیونکہ اس نے مجھے ہر سمت سے گھیر لیا تھا اور اب تو مجھے آسمان بھی نظر نہیں آرہا تھا' لگتا تھا کہ میں جھاڑیوں اور بیلوں کی ایک سرنگ میں پھنس گیا ہوں جس سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا- میں نے کشتی پر کھڑے ہو کر چپو ادھر اُدھر اور اوپر مارنا شروع کیا لیکن اس گھنی دیوار سے نکلنا نصیب نہیں ہوا - ایسا لگتا تھا جیسے میں اس کے اندر قید کردیا گیا ہوں- بڑا بھیانک تجربہ تھا' جنگلی جھاڑیوں اور بیلوں کے اس حصار سے خوف آنے لگا تھا' یہ بھی اندازہ نہیں ہورہا تھا کہ میں آگے جارہا ہوں یا اسی کے اندر چکر کھارہا ہوں' میں سمت کا اندازہ بھی نہیں کرسکتا تھا کیونکہ پانی کا بہاؤ بالکل نہیں تھا-

لیکن آخر کار میں اس سرنگ سے باہر نکل آیا—

اچانک تیز چمکتے سورج کی روشنی سے آنکھیں چکاچوند ہوگئیں' دوپہر کا وقت ہوچکا تھا- اس کا مطلب یہ تھا کہ میں تقریباً چھ گھنٹے تک جھاڑیوں کی اس سرنگ میں پھنسا رہا تھا-

اور حیرت یہ تھی کہ کمبخت نوپاہ اب تک زندہ تھا- دو دن سے اس نے نہ حرکت کی تھی اور نہ کراہا تھا' میں اسے تھوڑا تھوڑا پانی پلاتا رہا تھا' اس کے علاوہ اس کے پیٹ میں کچھ نہ گیا تھا- اس کی نبض میں بھی کوئی فرق نہ آیا تھا- کمزور لیکن مسلسل چل رہی تھی' کئی مرتبہ تو مجھے جھک کر اس کی سانسوں کو محسوس کرنا پڑا تب یقین آیا کہ وہ واقعی زندہ تھا- عجیب بے بسی کا عالم تھا- اسے اب تک مرجانا چاہئے تھا لیکن وہ زندہ تھا- اس کے باوجود مجھے یقین تھا کہ اگر جلد ہی اسے طبی امداد نہ ملی اور اس کا معقول علاج نہ کیا گیا تو وہ زندہ نہیں بچے گا لیکن اس جنگل اور ویرانے میں ڈاکٹر کہاں سے تلاش کروں' یہاں تو کھانا تک نصیب نہ تھا' اس میں کوئی شک نہ تھا کہ ہم گوا کی سرحد کے اندر تھے جہاں عیسائیوں کے ان گنت مشن اور چرچ واقع تھے اور بعض تو بہت دور دراز اور دشوار گزار مقامات پر تھے لیکن یہاں آبادی کا نام و نشان تک نہ تھا' پھر کسی مشن کے ہونے کا امکان کیسے ہوسکتا تھا- مجھے معلوم تھا کہ گوا کی حکومت کیتھولک عقیدے کی پابند تھی جس کے مطابق مقدس چرچ میں پناہ لینے والے کو مکمل تحفظ حاصل ہوتا تھا اور میں نے اگر نوپاہ کو کسی مقدس چرچ کے حوالے کردیا تو وہ ہرگز پولیس کو اطلاع نہیں کریں گے لیکن یہ سب خواب وخیال کی باتیں تھیں' غنیمت یہ تھا کہ میں ان منحوس جھاڑیوں اور دریائی بیلوں کی قید سے نکل آیا تھا-

اور اب مجھے اندازہ ہوا کہ میں راستہ بھی بھٹک چکا تھا-

آپ پوچھیں گے کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے- میں تو سیدھے دریا کے بہاؤ کے ساتھ سمندر کی سمت جارہا تھا' پھر اس انجانے راستے پر کیسے آگیا' اور باوجودیکہ اس دریا کی بہت سی شاخیں مختلف سمتوں میں نکلتی تھیں جن پر راستہ بھٹک سکتا تھا لیکن میں ابتدا سے ہی جنوب مغرب میں سفر کررہا تھا- اب سورج پر نظر ڈالتے ہی اندازہ ہوگیا کہ اس وقت میں شمال مشرق کی طرف جارہا تھا اور تیز بہاؤ کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے جس جانب سفر شروع کیا تھا اب اس کی مخالف سمت واپس جارہا تھا- یہ سب کیسے ہوگیا؟ عقل حیران تھی' اس بات میں کسی شک وشبہے کی گنجائش نہ تھی- بہاؤ تیز تھا اس لئے میری کشتی بھی بڑی تیز رفتاری

سے رواں تھی' آگے جا کے دریا مزید چوڑا ہو گیا اور رفتار
بہت تیز ہو گئی' کیا میں پاگل ہو گیا تھا؟ نہیں - میں واقعی شمال
مشرق کی طرف بڑی تیز رفتاری سے بڑھ رہا تھا جبکہ سمندر
مغرب کی جانب تھا' دریا کیا الٹا بہنے لگا تھا یا مسلسل بھوک اور
پریشانی سے میرا دماغ چل گیا تھا - میں ایک سند یافتہ اور تجربہ
کار جہاز راں تھا' پانی میں رہ کر سمت کا اندازہ کرنا میری فطرت
میں شامل ہو چکا تھا - اور جو کچھ میرے ساتھ پیش آرہا تھا'
عقل اس کو قبول کرنے کو تیار نہ تھی - رفتار دم بہ دم تیز ہوتی
جارہی تھی اور میرا یہ احساس بھی بڑھتا جارہا تھا کہ میں ہر لمحہ
سمندر سے دور ہوتا جارہا تھا - میں اس حقیقت سے کیسے منکر
ہو سکتا تھا کہ ہر دریا بہر حال جا کر سمندر میں گرتا ہے لیکن
مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ دریائے پاؤلی ہے جو سمندر کے بالکل
متوازی ایک وادی اور بلند پہاڑیوں کے سلسلے کے درمیان
سے ہو کر گزرتا تھا' بلاشبہ یہ سمندر ہی میں جا کر گرتا تھا - لیکن
اس جگہ سے میلوں دور جہاں سے ہم جزیرے میں داخل
ہوئے تھے' اور جس جگہ یہ سمندر میں گرتا تھا' وہاں سے
بھاگدیو لائٹ ہاؤس بہت قریب تھا' اگر میں اس سمت
مسلسل سفر کرتا رہتا تو لائٹ ہاؤس بڑی آسانی سے پہنچ جاتا
اور اس مقام کو فوراً شناخت بھی کر لیتا لیکن جب بد قسمتی
مقدر بن جائے تو کامیابی کی ہر راہ مسدود ہو جاتی ہے' میں نے
اپنے آپ کو دریا کے حوالے کر دیا ہوتا تو بلا کسی پریشانی کے
لائٹ ہاؤس پہنچ جاتا لیکن تقریباً چار گھنٹے کے بعد میں ایک
بہت بڑی جھیل میں پہنچ گیا جس میں تین اور دریا آکر گرتے
تھے - اور یہاں پہنچ کر بہاؤ بالکل ختم ہو گیا اور پھر میں تمام
دریاؤں سے آنے والے پانی کی کشمکش میں الجھ کر رہ گیا' ایک
لمحہ تو میں بالکل سکون سے رہتا اور دوسرے لمحے آنیوالے
دریا کے بہاؤ سے ٹکراتا - اس پریشانی میں مجھے کچھ اور سمجھ
میں نہ آیا' بس چپو سنبھال کر کشتی کھینا شروع کر دی لیکن
میں گھوم پھر کر پھر اسی نکتہ آغاز پر واپس آجاتا - کئی چھوٹے
جزیروں کے چکر کاٹ کر ایک بار میں پھر خود کو واپس جاتا ہوا
محسوس کر رہا تھا -

اچانک میری نظر اس عورت پر پڑی' وہ جھاڑیوں کے
درمیان ایک صاف جگہ پر کھڑی تھی' بالکل پانی کے کنارے -
وہ سفید فام تھی اور نیلے اور زرد رنگ کی پھولدار عبا پہنے ہوئے
تھی' اس کے بازو پھیلے ہوئے تھے اور وہ مجھے اشارہ کر رہی
تھی - میں اسے آنکھیں پھاڑے حیرت سے دیکھتا رہا اور پھر
اچانک میں نے اسے پہچان لیا - یہ کوئی عورت نہیں بلکہ
عورت کا قدِ آدم مجسمہ تھا' گوا کے عیسائی اپنے مقدس
مجسموں کو عجیب و غریب جگہ پر نصب کر دیتے ہیں اور ان
کے عقیدے کے مطابق پاک مریم کے ان مجسموں کو رکھنے
کا انہیں ثواب ملتا تھا - پلاسٹر کا بنا ہوا یہ مجسمہ درخت کے
سائے میں نصب تھا اور دور سے لگتا تھا کہ کوئی عورت کھڑی
اشارہ کر رہی ہے' ایک لمحہ کو میں اس فریبِ نظر پر خوشی سے
اچھل پڑا تھا - میں کشتی کو کھیتا ہوا مقدس مجسمے کے بالکل
پاس پہنچ گیا تو دیکھا کہ مقدس مریم کا مجسمہ ایک چوکور
چبوترے پر نصب تھا جس پر مقامی زبان میں کچھ کندہ تھا اور
پھر اس کا ترجمہ رومن انگریزی میں لکھا تھا "علاج بندر گاہ"
اور ایک تیر کے نشان کے ذریعے راستے کی سمت بتلائی گئی
تھی - تیر داہنی سمت اشارہ کر رہا تھا جدھر ایک نہر نما نالہ تھا'
پانی کے دونوں جانب کے کناروں پر جھاڑیاں تھیں -

مجھے یہ سب کچھ ایک معجزہ نظر آرہا تھا "علاج بندر" یقیناً
قریب میں کہیں چرچ کا قائم کردہ اسپتال تھا -

میں نے کشتی نالے میں موڑ دی' کچھ دیر سفر کرنے کے
بعد میں ایک کشادہ ندی میں پہنچ گیا جہاں ایک اور تیر کے
ذریعے رہنمائی کی گئی تھی - میں پانی کے بہاؤ کے مخالف سفر کر رہا
تھا اور مجھے یقین تھا کہ قریب میں کوئی عیسائی گرجا گھر ضرور
موجود ہے جس نے مشن اسپتال قائم کر رکھا ہے' باوجودیکہ
مجھے سمندر تک پہنچنے کی بڑی جلدی تھی لیکن میں تیر کی
سمت سفر کرتا رہا اور پھر اچانک مجھے عین سامنے سے ایک
موٹر لانچ اپنی سمت آتی ہوئی نظر آئی - وہ بھورے رنگ کی
لانبی اور پاور فل لانچ تھی اور سورج کی روشنی میں چمک رہی
تھی' اس کی خوبصورتی دیکھ کر بے ساختہ اس پر بیٹھنے کو جی
چاہتا تھا -

لیکن اس پر کوئی مشین گن نصب نہیں تھی اور پرتگال
کا پرچم بھی موجود نہیں تھا' صرف ایک سفید دائرہ بنا ہوا نظر
آرہا تھا جس کے اوپر ریڈ کراس کا نشان بنا ہوا تھا' وہ میرے
اتنے قریب سے گزری کہ وھیل پر کھڑے سفید فام آدمی
نے کشتی میں پڑے ہوئے نوپاہ کو دیکھا لیکن رکنے کی کوشش
نہیں کی میں نے چلا کر اس کی سمت اشارہ بھی کیا لیکن لانچ رکی
نہیں البتہ اس پر کھڑے چند مقامی باشندوں نے جو سفید
لباس میں ملبوس تھے' اشارے سے مجھے بتلایا کہ میں سیدھا
چلتا جاؤں -

میں نے ان کو غصے میں کوسا اور کشتی کو آگے کھیتا رہا۔ ان کے اشارے کا مطلب تھا کہ آگے کوئی اسپتال موجود تھا' لیکن میں اتنا عاجز آچکا تھا کہ اب مجھے پولیس کی پروا بھی نہیں تھی۔ نوپاہ کو اسپتال پہنچانے کے بعد اگر وہ مجھے گرفتار بھی کرلیتے تو میں شاید فکر نہ کرتا' میں تھکے ہوئے بازوؤں سے چپو چلاتا رہا اور پھر چند گھنٹوں کے بعد آخر کار وہاں پہنچ گیا۔

دریا کے کنارے پر جنگل کو صاف کر کے اسپتال کی عمارت بنائی گئی تھی ــ دوسرے کنارے پر بھی ایک چھوٹی عمارت بنی ہوئی تھی' بڑی والی عمارت کے پاس چند سفید رنگ کے صاف ستھرے اور خوبصورت بنگلے بنے ہوئے تھے' ہر ایک کے سامنے لمبے برآمدے اور ہرے بھرے باغیچے تھے' اور درمیان والی عمارت کے اوپر ایک بڑا سا ریڈ کراس بنا ہوا تھا' لان پر بھی ریڈ کراس کا پرچم لہرا رہا تھا۔ پانی کے کافی اندر تک ایک جیٹی بنی ہوئی تھی' سامنے ایک بڑے بورڈ پر سیاہ حروف میں "علاج بندر" لکھا ہوا تھا ــ مجھے یاد آیا کہ.... کراچی میں اس کو "سیلرز مشن" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ "امن کا گہوارہ۔" میں نے اس کا ترجمہ کیا اور میں اس کو کسی جنت سے کم تصور نہیں کرتا۔ کم از کم پولیس کے آنے تک تو یہاں پناہ مل سکتی تھی۔

بڑی بڑی مونچھوں والا ایک ہندوستانی جو خاکی وردی میں ملبوس تھا' بھاگا بھاگا جیٹی کے اوپر آیا۔ میں نے اپنا چپو آگے بڑھایا تاکہ وہ کشتی کو جیٹی کے برابر کھینچ لے' لیکن اس نے مجھے پانی کی سمت دھکا دیا اور حلق پھاڑ کر چلّایا۔ "دوسری طرف۔ دوسری طرف جاؤ" میں نے اوپر چڑھنے کی کوشش کی تو اس نے مجھے واپس کشتی میں دھکیلنے کی کوشش کی اور اپنی لاٹھی سے کشتی کو دھکا دینا چاہا۔ کشتی الٹتے الٹتے بچی۔
"یہ بہت بیمار ہے" میں نوپاہ کی سمت اشارہ کر کے غصے سے چلّایا۔

لیکن اتنی دیر میں کئی اور بھی چوکیدار آگئے اور چیخ کر مجھے دوسرے کنارے پر جانے کے لئے کہنے لگے' میں نے انہیں خونخوار نظروں سے دیکھا اور مجبوراً کشتی کو دوسرے کنارے کی طرف کھینا شروع کردیا۔ یہ آخری چند سو گز کا سفر مجھے سب سے زیادہ طویل محسوس ہوا۔

دوسرے کنارے پر تقریباً پچاس گز کی چوکور جگہ کو صاف کرکے دو چھوٹے بنگلے بنائے گئے تھے' ان کو بنگلوں کے بجائے ہٹ کہنا زیادہ موزوں تھا۔ میں نے کشتی کو کیچڑ بھرے کنارے سے لگایا اور اترنے کے لئے کھڑا ہوا تو پیروں میں جان باقی نہ رہی تھی۔ میں لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ کوئی میری مدد کو نہ آیا تو میں تقریباً رینگتا ہوا قریب والے ہٹ تک پہنچا۔ اس کے دروازے اور کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اندر تقریباً چھ سات صاف ستھرے' مریضوں کے بیڈ بچھے ہوئے تھے' درمیان میں ایک لانبی میز اور چند کرسیاں بچھی ہوئی تھیں' کچھ فاصلے پر ایک پارٹیشن کے بعد ایک ملحقہ کمرا تھا۔ اس میں ایک طرف تیل سے جلنے والا اسٹوو اور برتن رکھے تھے اور دوسری جانب ایک سادہ سا باتھ روم بنا ہوا تھا۔ میں چلتا ہوا دوسرے ہٹ میں پہنچا۔ اس میں بھی بالکل ویسا ہی انتظام تھا۔ سادگی کے باوجود یہ جگہ اتنی صاف ستھری اور ٹھنڈی تھی کہ بس جی چاہتا تھا فوراً لیٹ کر سو جاؤں' لیکن یہاں کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ اسی لمحے کنارے پر باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں' میں نے دیکھا تو دو خاکی وردی والے ڈونگی سے اتر رہے تھے' انہوں نے ایک بکس اتار کر کنارے پر رکھا اور پھر اس طرح بھاگ کر ڈونگی میں بیٹھ گئے جیسے شیطان پیچھا کر رہا ہو۔ ڈونگی پھر دوسرے کنارے کی سمت روانہ ہوگئی۔ میں ہٹ سے نکل کر دریا کے کنارے پر پہنچا' مجھے حیرت تھی کہ وہ اس طرح دور کیوں بھاگ رہے تھے۔ میں نے بکس کو کھول کر دیکھا۔
اس بکس کے اندر گرم کھانے کے بڑے برتن رکھے ہوئے تھے جیسے عموماً فوج کے جوانوں کو کھانا پہنچانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ ایک میں سوپ رکھا ہوا تھا اور دوسرے میں گرم گرم چاول۔ دودھ' چائے کا ڈبا' ایک بوتل لائم جوس' ماچس اور سگریٹ' غرضیکہ ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ میرے منہ سے رال ٹپکنے لگی' بھوک کا یہ عالم تھا کہ شاید میں وہیں کھڑے کھڑے کھانے لگتا لیکن دوسرے کنارے پر کھڑے لوگ میری سمت دیکھ رہے تھے اس لئے مجبوراً ضبط سے کام لیا۔ جلدی سے نوپاہ کو گھسیٹ کر کشتی سے اٹھایا اور قریبی ہٹ میں لے جاکر بستر پر لٹا دیا۔ اسکے بعد میں تقریباً بھاگتا ہوا کنارے پر آیا اور کھانے کا بکس اٹھاکر ہٹ کے اندر لے آیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اس وقت تک کھاتا رہا جب تک کہ حلق تک نہیں بھر گیا اور پھر مجھے باہر جاکر قے کرنی پڑ گئی۔ اس کے بعد بھی میں نے دوبارہ کھانے میں دیر

نہیں لگائی اور تب مجھے نوپاہ کا خیال آیا- میں نے ایک چمچے
سے اس کو تھوڑا سا سوپ اور دودھ پلایا اور کچھ دیر بعد جب
اس کی نبض دیکھی تو پہلے سے بہتر محسوس ہوئی، ممکن ہے یہ
میرا خیال رہا ہو لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس کی پلکیں
ایک دو مرتبہ پھڑکیں اور یوں لگا جیسے وہ ہوش میں آرہا ہو-
جب میں دوسرے بستر پر لیٹا تو پھر مجھے اپنا کچھ ہوش نہ رہا-

جب آنکھ کھلی تو ہر سمت تاریکی چھائی ہوئی تھی - میں
نے باہر جاکر دوسرے کنارے کی سمت دیکھا- سامنے کے
بنگلوں میں روشنی ہو رہی تھی - اسپتال کے صاف ستھرے
بستر بچھے ہوئے تھے اور سفید یونیفارم میں ملبوس نرسیں ادھر
اُدھر آجا رہی تھیں لیکن فاصلہ اتنا تھا کہ کسی کی شکل پہچاننا
ممکن نہ تھا- حیرت یہ تھی کہ اس طرف ہم دونوں کے علاوہ
اور کوئی نہ تھا اور نہ ہی اب تک ہمارا کسی نے حال پوچھنے کی
زحمت گوارا کی تھی - میں نے کچن میں رکھا ہوا لیمپ تلاش
کیا اور اس کو جلا کر کمرے میں لے آیا- باتھ روم میں سفید
پاجامہ اور قمیص رکھی ہوئی مل گئی - اس کے ساتھ تولیہ، ریزر
بلیڈ، صابن برش اور حد یہ ہے کہ کنگھا بھی موجود تھا- یہ سارا
سامان یقیناً مریضوں کے لئے ہوگا- آپ اندازہ نہیں کرسکتے
کہ ان تمام چیزوں کو پاکر مجھے اس وقت کتنی خوشی محسوس
ہوئی ہوگی -

میں نے اسٹوو جلا کر کھانا گرم کیا اور خود بھی کھایا اور نوپاہ کو
بھی کھلایا - اس مرتبہ یہ میرا شبہ نہیں تھا بلکہ حقیقتاً اس کی
نبض پہلے سے بہت بہتر ہوگئی تھی - اس کے چہرے پر جھلکنے
والی سفیدی بھی کچھ کم نظر آرہی تھی- ایک مرتبہ اس نے
آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور زیر لب کچھ کہا لیکن میں سمجھ
نہ سکا- وہ سو گیا تو میں نے پانی گرم کیا اور اچھی طرح غسل
کرکے شیو کیا اور پھر اسپتال کے صاف کپڑے پہن کر خود کو
پھر سے انسان محسوس کرنے لگا - اس کے بعد جب سویا تو
اس وقت بیدار ہوا جب سورج کی روشنی پھیل چکی تھی -
دریا کے کنارے سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے
رہی تھیں، شاید میری آنکھ اسی وجہ سے کھل گئی تھی -

اس مرتبہ بھی وہ کھانا لے کر آئے تھے - میں کنارے پر پہنچا
تو وہ بکس رکھ کر اپنی ڈونگی دور لے جاچکے تھے - میں نے ٹوٹی
پھوٹی ہندوستانی میں ان کو آواز بھی دی لیکن انہوں نے
جواب دینے کے بجائے ڈونگی کو اور تیزی سے کھینا شروع
کردیا - میں اس سلوک پر حیران تھا- میری کچھ سمجھ میں نہ
آرہا تھا کہ وہ کیوں ہم سے اس قدر خائف تھے - واپس آکر
میں نے نوپاہ کو کچھ اور کھانا کھلایا اور بیٹھ کر اطمینان سے
سگریٹ پینے لگا - اب تک تھکن نہیں اتری تھی، مسلسل
مصائب، بھوک پیاس اور خوف نے جیسے جان ہی نکال لی تھی،
لیکن اتنی دیر کے آرام اور غذا کے مل جانے سے ایک بار
پھر توانائی واپس آرہی تھی - بس اب صرف ایک پریشانی
تھی - آخر ان لوگوں نے کیوں ہم کو یہاں اچھوتوں کی طرح
ڈال دیا تھا - ویسے تو یہ اتنے مہربان تھے لیکن ہم سے اس
طرح خوفزدہ کیوں تھے -

دوپہر تک تو میں نے انتظار کیا- اس کے بعد برداشت نہ
کرسکا اور قسمت آزمانے کا فیصلہ کرلیا - میں صرف یہ چاہتا تھا کہ نوپاہ
کو کسی طرح طبی امداد مل جائے - وہ بڑی اذیت میں تھا اور
اب تک اس کی حالت اطمینان بخش نہ ہوئی تھی اور میں ہر
قیمت پر اس کے فوری علاج کا بندوبست کرنا چاہتا تھا - میں
ہٹ سے نکل کر دریا کے کنارے آیا اور ڈونگی پر بیٹھ کر دریا
کے پار روانہ ہوگیا-

لیکن اب اس بات میں کوئی شک باقی نہ رہا تھا کہ وہ ہماری
شکل سے خائف تھے - چوکیداروں کی ایک پوری فوج
لاٹھیاں لے کر کنارے پر جمع ہوگئی تھی - وہ لمبے لمبے بانس
لئے اپنی زبان میں چلا رہے تھے اور دھمکی آمیز انداز میں
مجھے واپس جانے کا اشارہ کر رہے تھے، ان میں سے بعض ٹوٹی
پھوٹی انگریزی میں بھی کچھ کہہ رہے تھے لیکن میں نے بھی
ان کی پروا کئے بغیر ان کو بتلانے کی کوشش کی کہ میرے
ساتھ ایک بیمار ساتھی بھی ہے جسے فوری طبی امداد کی
ضرورت ہے لیکن اپنی چیخ و پکار میں وہ شاید ہی میری بات سن
سکے ہوں - مگر میں بھی چیختا ہی رہا- پھر ان میں سے ایک
نے چلا کر کہا - "ڈاکٹر صاحب پیچھے واپس آئے گا" میں
کنارے سے ذرا فاصلے پر رک کر کچھ دیر انتظار کرتا رہا- پھر
مجھے یقین آگیا کہ وہ کسی قیمت پر اس جانب نہیں اترنے
دیں گے، اس لئے مجبوراً میں واپس آگیا-

مغرب کے قریب لانچ واپس آگئی، اس کے انجن کی
آواز میں نے پہچان لی تھی، وہ جیٹی کے برابر لنگر انداز ہوئی
اور کچھ لوگ اتر کر اسپتال کی سمت روانہ ہوئے، تاریکی کی
بنا پر ان کو پہچاننا ممکن نہ تھا، مجھے امید تھی کہ انہی میں سے
ایک وہ ڈاکٹر بھی ہوگا جس کا مجھے انتظار تھا کیوں کہ میں فیصلہ
کرچکا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہوجائے دوسرے دن میں یہاں سے

روانہ ہو جاؤں گا۔

اس رات نوپاہ کی طبیعت قدرے بہتر نظر آ رہی تھی' میں نے اس کی پٹیاں کھول کر زخم صاف کیا اور نئی پٹی باندھ دی' اس کا ایک زخم پک گیا تھا اور اس میں پیپ بھر گئی تھی کیوں کہ کشتی میں اس پر مسلسل پانی لگتا رہا تھا لیکن دوسرا زخم بھرنے لگا تھا۔ میں نے غسل کر کے شیو کیا اور پھر پیٹ بھر کر کھانا کھایا' میرا خیال تھا کہ اس جگہ کا یہ آخری کھانا ہو گا کیونکہ یہ کھانا ایسا نہ تھا جسے میں اپنے ساتھ لے جا سکتا' اس کے بعد میں بستر پر آرام سے لیٹ کر سو گیا اور گزشتہ رات کی طرح گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ آنکھ کھلی تو اندھیرا تھا۔ کمرے میں جلتے ہوئے لیمپ کے علاوہ اور کوئی روشنی نظر نہ آ رہی تھی اور کوئی میرے شانے پکڑ کر ہلا رہا تھا۔

"مائیک ۔ مائیک ۔ خدا کے لئے اٹھ جاؤ۔" جانی پہچانی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

شاید میں خواب دیکھ رہا تھا۔ یا یہ محض واہمہ تھا۔ ایک لمحہ تک کچھ سمجھ میں نہ آ سکا۔ کیوں کہ یہ آواز اینی کی تھی۔

*

میں نے آنکھیں پھاڑ کے دیکھا۔ نیم تاریک کمرے میں اب میں تنہا نہیں تھا۔ وہ میرے برابر کھڑی تھی' اور عجیب بات یہ تھی کہ مجھے اس کی موجودگی پر ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ جب کوئی ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کے خیالوں سے دور نہ ہوا ہو۔ جب کوئی ہر لمحہ آپ کے دل سے قریب رہے اور جب کسی کا تصور ہر لمحہ آپ کے ذہن میں بسا ہوا ہو تو اس کی موجودگی پر حیرت نہیں ہوتی' اینی کو میں ایک لمحہ کے لئے نہیں بھولا تھا' اس کی یاد میرے ذہن میں ہر لمحہ تازہ رہتی تھی' وہ ہر گھڑی میرے ذہن میں موجود رہتی تھی' اس لئے اسے پاس دیکھ کر تعجب نہیں ہونا چاہئے تھا۔

"تم نے جو کچھ مجھے بتلایا تھا وہ یاد تھا۔ میں سمجھا تھا کہ یہی تمہارا اسپتال ہے اور اب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ خیال سچ تھا لیکن اینی! میں دانستہ یا ارادتاً یہاں نہیں آیا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔ اس نے آہستہ سے کہا' اور مجھے اس کی پروا بھی نہیں ہے" اس نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "تم یہاں موجود ہو اور بہت خطرے میں ہو' میں صرف یہ بتلانے آئی تھی۔"

"اگر میں یہاں اتفاقاً نہ پہنچ جاتا تو اب تک جانے کہاں گم ہو چکا ہوتا" میں نے کہا اور پھر نوپاہ کی سمت اشارہ کیا۔ "میں صرف اس کی وجہ سے پریشان ہوں ورنہ اب تک یہاں سے جا چکا ہوتا' میں نے دریا پار آنے کی کوشش کی لیکن ان لوگوں نے نہیں آنے دیا۔ انہوں نے مجھے نوپاہ کو ڈاکٹر کے پاس بھی نہیں لے جانے دیا۔"

"وہ تو صرف حکم کی پابندی کر رہے ہیں" اینی نے کہا۔ "اس علاقے میں پلیگ کی بیماری پھیلی ہوئی ہے' بہت سی اموات ہو چکی ہیں' اس لئے ہر بیمار کو پہلے یہاں قرنطینہ میں کچھ دن علیحدہ رکھا جاتا ہے اور جب تک تصدیق نہ ہو جائے کہ وہ طاعون کا مریض نہیں ہے کوئی نہ اس کے قریب آتا ہے نہ اسے اسپتال میں رکھا جاتا ہے۔ ہم اس خطرناک بیماری کے بچوں میں پھیلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ عام طور پر ایک ڈاکٹر آ کر نئے مریضوں کو یہاں دیکھتا ہے لیکن اس وقت سب ایمرجنسی کیمپ میں گئے ہوئے ہیں۔"

"کیا تم نے یہاں آ کر خطرہ مول نہیں لیا ہے؟" میں نے پوچھا۔ "میں تو بالکل ٹھیک ہوں لیکن نوپاہ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا' وہ چار دن سے بیہوش پڑا ہے۔"

"اگر اسے طاعون ہوتا تو وہ ہوش میں نہ آتا اور اب تک مر گیا ہوتا۔" اینی نے جواب دیا۔ اس نے نوپاہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ "اب اسے بخار نہیں ہے۔" اس نے احتیاط کے ساتھ نوپاہ کی پیشانی کھول کر زخم دیکھا۔ "گولی کا زخم ہے؟"

"ہاں۔ اور خون بہت زیادہ بہہ چکا ہے۔" میں نے بتلایا۔

"میں حیران ہوں کہ اتنا خون نکل جانے کے بعد بھی یہ زندہ کیسے ہے؟"

اینی نے مجھ سے کہا کہ نوپاہ کے پاس لیمپ لے کر کھڑا ہو جاؤں ۔۔۔ اس کے بعد اس نے نوپاہ کی آنکھیں کھول کر معائنہ کیا۔ "اس کو فوراً خون چڑھانے کی ضرورت ہے۔ خوش قسمتی سے ہمارے پاس خون کا ذخیرہ موجود ہے لیکن پہلے اس کا گروپ معلوم کرنا ضروری ہو گا"۔

"سنو اینی ۔" میں نے کہا۔ "اس سے پہلے کہ تم ہمارے لئے کچھ کرو' میں یہ بتلا دوں کہ پولیس ہمارے تعاقب میں ہے۔ وہ مجھے ہر جگہ تلاش کر رہے ہیں۔"

اس نے میری بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور نوپاہ کی مرہم پٹی میں لگی رہی' اس نے دوسرا زخم کھولا تو وہ بھی خراب ہو چکا تھا' اینی نے جراثیم کش دوا سے اس کو صاف کیا اور ایک ماہر نرس کی طرح اپنے نرم و نازک ہاتھوں سے اس کی پٹی کرتی رہی' وہ نرسوں کے سفید لباس میں ملبوس تھی' سر پہ

سفید ٹوپی پہنی ہوئی تھی اور نیم تاریکی میں بھی اس کے حسن کی آب و تاب میری نظروں کا مرکز بنی ہوئی تھی، نوپاہ سے فارغ ہوکر اس نے لیمپ بند کر کے مجھے دیکھا۔
"تم تو ٹھیک ہو؟" اس نے پوچھا۔
"اب تک تو بالکل ٹھیک ہوں۔"
"لیکن مجھے تو تمہاری شکل کسی فاقہ زدہ انسان کی لگتی ہے۔ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟"
"مجھے خود پتا نہیں۔ ویسے تم میری فکر نہ کرو، مجھے اب زندگی سے کوئی پیار نہیں رہا۔۔۔۔" میں نے جواب دیا "یہ بتاؤ، اگر میں یہاں نوپاہ کو چھوڑ جاؤں تو کوئی حرج تو نہیں ہوگا؟"
"نہیں۔ لیکن پولیس کو خبر ہونے کے بعد اگر انہوں نے اسے گرفتار کرلیا تو پھر میں ذمے دار نہ ہوں گی۔"
"لیکن میں نے بتلا تو دیا کہ پولیس کو صرف میری تلاش ہے۔"
"انہوں نے نوپاہ کی گرفتاری کا وارنٹ بھی حاصل کرلیا ہے۔"
"تم کو کیسے معلوم ہوا؟"
"گزشتہ دو دن کے دوران وہ تین مرتبہ اسپتال آچکے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ تم اس علاقے میں موجود ہو اور انہیں امید تھی کہ تم یہاں آؤ گے۔"
"خدا غارت کرے ان کو۔" میں نے غصے میں کہا۔ "نوپاہ کے خلاف ان کے پاس کوئی الزام نہیں ہے، ان کی جیل سے میں فرار ہوا تھا، وہ نہیں۔"
"ہم شاید مختلف پولیس والوں کی بات کر رہے ہیں۔" اینی نے کہا۔ "یہاں بمبئی پولیس تمہاری تلاش میں آئی تھی۔"
میں نے حیرت زدہ ہوکر اسے دیکھا۔ "لیکن ہم تو گوا میں ہیں۔۔۔" میں نے کہنا چاہا۔
"اس وقت بے شک ہم گوا کی سرحد میں ہیں۔ لیکن اسپتال ہندوستان کی سرحد میں ہے، یہ دریا دراصل دونوں ممالک کی سرحد ہے۔" اس نے مجھے یہ انکشاف کر کے اور زیادہ حیران کردیا اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر کچن میں چلی گئی، اس نے برتن میں پانی ڈال کر اسٹوو پر رکھ دیا۔ میں بھی اس کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا۔
"اس وقت یہ بات شاید تم کو مضحکہ خیز لگے۔" میں نے کہا۔ "لیکن یقین جانو میں بہت شرمندہ ہوں، اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں ان کو یہاں آنے کا موقع نہ دیتا۔"

"لیکن یہ موقع تم نے نہیں دیا ان کو۔" اس نے بتلایا۔ "وہ تم سے پہلے یہاں پہنچ گئے تھے، انسپکٹر نریش کسی شکاری بلی کی طرح اس جگہ کی نگرانی کر رہا ہے۔"
"انسپکٹر نریش؟"
"ہاں۔ وہی جو دار جلنگ تمہاری تلاش میں پہنچا تھا۔ اس نے وہاں بھی مجھ سے بھرپور پوچھ گچھ کی تھی، میں نے اس کو صاف بتا دیا کہ مجھے کچھ پتا نہیں کہ تم کہاں ہو۔ باوجودیکہ اس کا رویّہ نرم تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں، اسے معلوم تھا کہ ہم نے رات ایک ساتھ بسر کی تھی، میرا خیال ہے اسے یقین تھا کہ میں نے تم کو فرار ہونے میں مدد دی تھی۔"
میں نے غصے میں پوچھا۔ "کیا وہ پھر تم کو ستا رہا تھا؟ میرا مطلب ہے کوئی دھمکی وغیرہ دی تھی؟"
"تمہارا مطلب ہے مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا تھا؟ نہیں۔ مجھے وہ اس قسم کا پولیس افسر نہیں لگتا، لیکن ساتھ ہی مجھے یقین ہے کہ وہ کسی کو تمہاری گرفتاری کی راہ میں حائل نہیں ہونے دے گا۔ وہ اس منحوس سونے کو حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے، اس کو یقین ہے کہ اگر اتنا سونا اسمگل ہوکر ہندوستان پہنچ گیا تو ملک کی معیشت تباہ ہوجائے گی۔"
"اوہ! تم کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے؟"
اس نے گھوم کر مجھے بڑے غور سے دیکھا۔ "ہاں مائیک۔ انسپکٹر نے مجھے اس بارے میں بتلادیا ہے اور اس کے بعد میرے دل میں تمہارے لئے رہی سہی ہمدردی بھی ختم ہوگئی ہے۔"
"تم سے کس کمبخت نے ہمدردی کرنے کو کہا تھا؟" میں غصے میں چیخ اٹھا۔ "تم نے جس طرح میری مدد کی اس کے لئے میں تمہارا احسان مند ہوں، اس وقت بھی تم جو کچھ کر رہی ہو اس کا شکریہ۔ شب بخیر۔ اینی۔"
لیکن دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی اس نے میرا راستہ روک لیا اور دروازے کے درمیان کھڑی ہوگئی۔ "تم اتنی آسانی سے نہیں جاسکتے، میں خود یہ چاہتی ہوں کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ جب تم جاؤ تو نوپاہ کو بھی ساتھ لے جاؤ، اگر یہ ان کو یہاں ملے گا تو انسپکٹر نریش کو یقیناً معلوم ہوجائے گا کہ تم یہاں آئے تھے اور دوسری مرتبہ جھوٹ بولا تو اس کو مطمئن

کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔"

"فکر نہ کرو۔ میں نوپاہ کو بھی ساتھ لئے جاتا ہوں۔" یہ سفید جھوٹ تھا اور میں نے صرف غصے میں اپنا بھرم رکھنے کے لئے کہا تھا ورنہ نوپاہ سفر کے قابل ہرگز نہ تھا۔

"لیکن اس حالت میں یہ سفر نہیں کر سکتا۔" اس نے کہا۔

"یہ میرا معاملہ ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ یہ صرف تمہارا معاملہ نہیں ہے۔ میں دانستہ کسی کی موت کا بار اپنے ضمیر پر نہیں لے سکتی اور....."

"اوہو۔ اب ضمیر بھی جاگ اٹھا۔"

"اس بیکار طنز سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میری بات غور سے سنو، مجھے نوپاہ کے خون کا نمونہ چاہئے تاکہ اس کا گروپ معلوم ہو جائے، پھر میں خون لاکر اسے چڑھا دوں گی، بلاشبہ چند ہفتے اس کو بڑی نقاہت رہے گی لیکن خون چڑھ جانے کے بعد اس کے زندہ رہنے کا امکان بڑھ جائے گا۔ پھر تم کشتی یا ڈونگی میں اسے لے کر جاسکتے ہو۔ اس کے بعد تم جو کچھ کروگے وہ تمہارا ذاتی معاملہ ہوگا۔" وہ مجھے چھوڑ کر کچن میں چلی گئی ۔۔ پھر میں نے شیشہ ٹوٹنے کی چھنکار سنی اور تقریباً اچھل پڑا، میں نے آگے جاکر اندر جھانکا۔ مجھے یقین تھا کہ نریش پستول تانے کھڑا ہوگا لیکن وہاں اینی کے علاوہ کوئی نہ تھا، اس نے کھڑکی کا شیشہ خود توڑا تھا اور اب اس کے ٹکڑے اٹھا رہی تھی، اس نے شیشے کے ٹکڑوں کو گرم پانی سے صاف کیا اور پھر اپنے لباس سے پونچھ کر خشک کر لیا۔

"ایک نیا بلیڈ لے کر گرم پانی میں خوب ابال لو" اس نے تحکمانہ لہجے میں مجھے ہدایت کی اور میں نے بے چون وچرا اس کی تعمیل کی۔

اس نے بلیڈ سے نوپاہ کے کان کی لو کو ذرا سا چیرا لگا کر شیشے پر اس کے خون کا نمونہ لیا اور پھر میری سمت دیکھ کر کہا۔

"میں ایک گھنٹے کے اندر واپس آؤنگی۔ تم پانی گرم کر کے رکھنا۔"

میں نے اسے اطمینان کے ساتھ چلتے ہوئے دریا کے کنارے کی سمت جاتے دیکھا۔ اس کا سفید ہیولا ترائی میں جاکر نظروں سے اوجھل ہوگیا، ذرا دیر بعد پانی میں چپو کی آواز سنائی دی اور میں کمرے میں واپس آگیا، میں ایک گھنٹے سے بھی زیادہ نوپاہ کے پاس بیٹھا اسے دیکھتا رہا جو بالکل ساکت پڑا ہوا تھا۔ میرا ذہن مسلسل سوچ رہا تھا، اس عورت کا احسان کب تک لیتا رہوں گا۔ میں کیوں نہ نوپاہ کو اٹھا کر کشتی تک لے جاؤں اور اس کی واپسی سے پہلے یہاں سے چلتا بنوں، بلاوجہ ایک عورت کو مزید کسی مصیبت میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟ میرا خیال ہے کچھ دیر اور ہوتی تو شاید میں اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا لیتا لیکن اسی لمحے مجھے اینی کی آواز سنائی دی، وہ دریا کے کنارے سے مجھے دبی آواز میں بلا رہی تھی۔ میں پھرتی کے ساتھ اس کے پاس پہنچ گیا اور ایک بڑی سی باسکٹ اٹھا کر لایا۔

اور تب مجھے یاد آیا کہ میں پانی گرم کرنا بالکل بھول گیا تھا۔ اینی کو نوپاہ کے پاس چھوڑ کر میں جلدی سے کچن میں پہنچا اور برتن میں پانی انڈیل کر اسے اسٹوو پر رکھ دیا۔ جب میں واپس کمرے میں آیا تو وہ اسٹینڈ پر خون کی بوتل لٹکا رہی تھی، اس نے نوپاہ کی کلائی میں سوئی چبھونے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں نے منہ پھیر لیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ میں کسی لڑائی میں یا چوٹ سے خون بہتے دیکھ کر بالکل نہیں ڈرتا تھا لیکن کسی کو انجکشن لگتے دیکھنا میرے بس کی بات نہیں تھی لیکن اینی جتنے اطمینان کے ساتھ اپنا کام کر رہی تھی، اس کو دیکھ کر داد نہ دینا زیادتی ہوتی، ایسا لگتا تھا کہ اس کے ہاتھوں میں جادو ہے، ایک ایسے آدمی میں زندگی کے آثار پیدا ہوتے دیکھ کر میں

حیران ہو رہا تھا جو تقریباً مر چکا تھا - جب ایک بوتل خون چڑھ چکا تو اینی نے دوسری بوتل لگادی' نوپاہ کے چہرے پر زندگی کی سرخی نمایاں ہونے لگی تھی -

دریچوں سے صبح کی سپیدی جھلکنے لگی تھی - خون کی آخری بوتل ختم ہونے کے قریب تھی ' اینی بہت تھکی ہوئی نظر آ رہی تھی - اس نے اپنے ہاتھ جھٹک کر چہرے پر بکھرے ہوئے بالوں کو ہٹایا تو ہماری نگاہیں آپس میں ٹکرائیں - ایک لمحہ کو محسوس ہوا کہ وہ مسکرا دے گی لیکن پھر اس نے نگاہیں جھکالیں' میرے دل میں کسک سی اٹھی - کیا وہ مجھ سے نفرت کرنے لگی تھی؟' میں نے دوبارہ اس کی سمت دیکھا تو وہ ایک پیشہ ور نرس کی طرح اپنے مریض کو دیکھ رہی تھی' اس نے نوپاہ کی پلکیں اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا' اس کے بعد سامان سمیٹ کر رکھنے لگی - نوپاہ اب غشی کی کیفیت سے نکل کر گہری نیند سو رہا تھا ' اس نے دوا کی شیشی اور ایک سفوف میرے حوالے کرکے مجھے ہدایات دیں کہ کس طرح ان دواؤں کو استعمال کرنا ہے اور پھر جانے کے لئے تیار ہو گئی -

" میں اسے یہاں سے کب لے جا سکتا ہوں؟ " میں نے پوچھا -

" میں آج رات تک تم کو یہ بتلا دوں گی " اینی نے سپاٹ لہجے میں کہا - " اس کو اب جلد ہی ہوش آ جانا چاہئے اس لئے تم اس کے پاس ہی رہنا - اسے تھوڑا دودھ اور سوپ پلا دینا اور بعد میں بھی تھوڑے تھوڑے وقفے سے سوپ دیتے رہنا اور ہاں ' اسے زیادہ باتیں نہ کرنے دینا - "

میں نے باسکٹ دریا کے کنارے تک پہنچائی اور پھر اسے ڈونگی میں بیٹھنے میں مدد دی - اس نے چپو سنبھالتے ہوئے میری سمت دیکھا -

" تم نے اسے تنہا چھوڑ دیا ہوتا - ہے نا؟ " اس نے پوچھا - " اس جنگل میں کہیں بھی چھوڑ کر تنہا چلے گئے ہوتے؟ "

میں نے کوئی جواب نہیں دیا - وہ مجھے چند لمحے گھورتی رہی -

" تم بھی بڑے عجیب اور پُراسرار آدمی ہو مائیک " اس نے بھر کہا - " تم اپنی دُھن میں سب کچھ کر سکتے ہو اس سونے کے لئے - خواہ اس میں کتنی ہی اذیت کیوں نہ ہو - خواہ موت ہی کیوں نہ آ جائے ' تم دونوں اس منحوس سونے کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہو - حالانکہ تم میں اور بھی بڑی صلاحیتیں ہیں - "

" یہ اب میرے اختیار میں نہیں ہے ' اگر ہم اپنی مہم میں کامیاب نہ ہوئے تو میں تباہ ہو جاؤں گا "

" تم ان سے سودا کیوں نہیں کر لیتے - اپنی آزادی کے عوض یہ بتلا دو کہ سونا کس جگہ پوشیدہ ہے - "

میں نے زور دار قہقہہ لگایا - بہت دنوں کے بعد کسی کی بات پر ہنسی آئی تھی - " کس سے سودا کر لوں؟ وہ کبھی اپنی بات پر قائم نہیں رہیں گے ' اور انہیں ضرورت بھی کیا ہے؟ میں ان کا مفرور قیدی ہوں ' ابھی دس سال کی سزا وہ مجھے اور دے سکتے ہیں ' وہ سونا بھی حاصل کر لیں گے اور مجھے .... کلوسیتا کی چہار دیواری میں اپنا مہمان بھی بنا لیں گے ' اس کے بعد میں ان کے رحم و کرم پر ہوں گا - "

" تو پھر ہندوستانی پولیس سے بات کر لو - نریش تمہاری شرط آسانی سے مان جائے گا - "

" مجھے یقین ہے کہ ابھی وہ ہر شرط مان جائے گا - لیکن یہ بھی یقین ہے کہ وہ بعد میں اپنے وعدے پر قائم نہیں رہے گا - سونا وہ حاصل نہیں کر سکتے کیوں کہ ... ان کی سرزمین پر نہیں ہے - اس لئے وہ بھی کسی نہ کسی بہانے مجھے اپنی جیل میں بند رکھیں گے تاکہ میں یہ راز کسی اور کو نہ بتلا سکوں - نہیں اینی ' میرے لئے نجات کی کوئی راہ نہیں ہے - "

" مائیک! خدا کے لئے میری بات سنو - " اس نے التجا کی - " اس دوڑ میں تم نہیں جیت سکتے ' یہ ناممکن ہے ' اگر تم نے سونے کا پتا لگا بھی لیا تو اس کو نکال کر کیسے لے جاؤ گے؟ اس طرف ہندوستانی پولیس نے ناکہ بندی کر رکھی ہے تو اس طرف گوا والوں نے ' ان کے جال سے نکل کر تم ہرگز نہ جا سکو گے - "

" میں اتنا بھی بیوقوف نہیں ہوں کہ سارا سونا بیک وقت نکال کر لے جانے کی کوشش کروں - " میں نے کہا ..... فی الحال صرف اتنا نکالوں گا کہ آسانی سے لے جا سکوں اور پھر ان کی گرفت سے نکل کر کسی محفوظ جگہ پہنچنے کے بعد ان سے اپنی شرائط پر سودا کروں گا - "

اس نے کچھ اور کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن پھر ارادہ بدل کر ایک گہری سانس لی - میں نے اس کی ڈونگی کو دھکا دے کر پانی میں آگے بڑھایا ' آہستہ آہستہ چپو چلاتی ہوئی وہ روانہ ہو گئی ' میں وہیں کھڑا اس وقت تک اسے دیکھتا رہا جب تک کہ وہ دوسرے کنارے پر نہ پہنچ گئی -

اس کے بعد میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہٹ میں واپس آگیا۔ نوپاہ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، وہ جاگ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ آہستہ سے مسکرایا لیکن اس نے بات کرنے کی کوشش نہیں کی، مجھے یہ دیکھ کر بڑا اطمینان محسوس ہوا کہ وہ اب ہوش میں آچکا تھا، نقاہت اب بھی بہت تھی لیکن چہرے پر زندگی کی جھلک نمایاں تھی۔ اینی سے ملنے کے بعد میں بہت اداس تھا۔ اس کے رویّے سے جو صدمہ پہنچا تھا اس کا احساس اب ہو رہا تھا۔۔۔ میں اس سے محبت کرنے لگا تھا، اتنی محبت کہ میں خود اندازہ نہ کرسکتا تھا۔ اس کے بغیر زندگی نامکمل محسوس ہو رہی تھی اور اس کی جدائی کا تصور بھی کربناک تھا لیکن یہ کیسی مجبوری تھی۔ کتنی بے بسی تھی کہ میں کچھ بھی نہ کرسکتا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ میری پہنچ سے دور تھی، اسے اپنا لینے کی آرزو کر رہا تھا۔ میں نے سر کو جھٹک کر اس کا خیال اپنے ذہن سے نکالنے کی کوشش کی اور پھر باورچی خانے میں جاکر نوپاہ کے لئے سوپ تیار کرنے لگا۔ میں خود کو مصروف رکھ کر اینی کا خیال دل سے نکالنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

✷

جب میں بیدار ہوا تو تاریکی پھیل چکی تھی، میں نے بستر سے اٹھ کر لیمپ روشن کیا۔ نوپاہ بیٹھا ہوا تھا اور کمزوری کے علاوہ بالکل ٹھیک نظر آرہا تھا۔۔۔ مجھے دیکھ کر بڑے پیار بھرے انداز میں مسکرا رہا تھا اور بات کرنے کے لئے بے چین تھا۔ جیسے ہی میں بستر پر بیٹھا اس نے بولنا شروع کر دیا۔

"تم نے میری زندگی بچالی مسٹر اوریلی۔" اس نے تشکر بھرے لہجے میں کہا۔

"اس بات کو چھوڑو۔" میں نے کہا۔ "اور تم سے کس نے کہا بیٹھ کر بکواس شروع کردو۔ تم کو ابھی بستر پر لیٹ کر آرام کرنے کی ضرورت ہے۔"

"نہیں۔ مجھے بات کرنے دو۔" اس نے کہا۔ "میں خود کو پہلے سے بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں اور اتنے دنوں کی خاموشی کے بعد تم سے بات کرنے کے قابل ہوسکا ہوں۔ سچ پوچھو تو یہ سب تمہاری مہربانی سے ممکن ہوا ہے۔"

"بحث مت کرو اور لیٹ جاؤ۔ میں تمہارے لئے دودھ گرم کرکے لاتا ہوں، اسے پی کر کچھ جان آجائے گی۔" میں نے کچن کی سمت قدم بڑھایا۔

"ٹھہرو مسٹر اوریلی۔" اس نے کمزور آواز میں کہا۔

"مجھے تم سے بات کرنا ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم سب کچھ جاننے کے لئے بیتاب ہو۔" میں نے کہا۔ "لیکن خدا کے لئے ابھی خاموشی سے لیٹے رہو، تم کو تو بکواس کرنے کی عادت ہے۔"

اسے شاید میرے لہجے سے دکھ ہوا تھا کیوں کہ وہ چند لمحے مجھے غمزدہ نظروں سے گھورتا رہا۔

"تم سو رہے تھے اس لئے نہیں جانتے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اس دوران دریا میں بڑی آمد و رفت رہی ہے۔ میں نے آواز سے اندازہ کیا ہے کہ کم از کم دو بڑی لانچیں دریا پار آکر رکی ہیں۔ ممکن ہے ایک اسی کنارے پر کھڑی ہو۔"

میں جلدی سے باہر گیا اور جھانک کر دریا کی سمت دیکھا لیکن کُہرا اتنا گہرا تھا کہ کچھ نظر نہ آسکا۔ دریا پار کی روشنی تک نظر نہ آرہی تھی۔ میں نے واپس آکر کھانا تیار کرنا شروع کیا۔ نوپاہ نے میری سمت دیکھا۔

"میں نے اینی کی تقریباً ساری باتیں سنی ہیں۔" اس نے کہا لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"وہ اب تک دو مرتبہ ہماری مدد کرچکی ہے اور ہر مرتبہ اپنے آپ کو انتہائی خطرے میں ڈال کر۔ اگر ہم نے اس احسان کے بدلے میں اسے کسی مصیبت میں ڈال دیا تو یہ بڑی احسان فراموشی ہوگی، ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہئے مسٹر اوریلی۔ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فرار ہوجانا چاہئے۔" وہ بستر سے اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا میرے پاس آگیا تھا۔ میں نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا اور لے جاکر بستر پر لٹادیا۔

"تم صرف بستر پر لیٹے رہوگے اور کچھ نہیں کروگے۔" میں نے سرزنش کی۔ "لیکن ایک مہربانی اور کرو، اپنا منہ بند رکھو اور مجھے کام کرنے دو۔"

میں سوپ تیار کرکے لایا اور اسے پلانے لگا، لیکن اس نے پیالہ میرے ہاتھ سے لے لیا۔ اب وہ خود کھانے پینے کے قابل ہوگیا تھا۔ اس کی حالت اتنی تیزی سے بہتر ہوئی تھی کہ مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔ کچھ دیر تو میں یہی سمجھتا رہا کہ وہ مکاری کر رہا تھا اور صرف مجھے مطمئن کرنے کے لئے اپنی حالت بہتر ظاہر کر رہا تھا لیکن جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ میرا خیال غلط تھا۔ نوپاہ کی طبیعت ٹھیک ہو تو اس کے لئے خاموش رہنا ممکن نہ تھا۔ اس نے سوپ ختم کرکے اور مانگا اور دوسرا پیالہ بھی ختم کردیا۔

"اب ہم اس جگہ سے کتنی دور ہیں مسٹر اوریلی؟ میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ مجھے اس جگہ کا پتا بتلادو۔ بس یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے؟" اس نے التجا بھرے لہجے میں پوچھا۔

"مجھے خود نہیں معلوم۔" میں نے حقیقت بتلائی۔ "ہمیں ساحل سمندر پر واپس چلنا ہوگا کیونکہ میں راستہ بھول گیا ہوں۔ لائٹ ہاؤس کے سامنے پہنچ کر میں کچھ اندازہ کرسکوں گا۔" وہ کچھ مایوس ہوگیا۔

"ساحل تک واپس چلنا ہوگا؟ وہ تو یہاں سے پچاس میل دور ہے۔" اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"تم کو کیسے معلوم؟" میں نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"کیوں کہ یہ جگہ علاج بندر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ پھر اس علاقے میں اتنا بڑا اسپتال اور کوئی نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے جواب دیا۔ "واپس چلتے ہوئے تم راستہ بتاتے رہنا اور اگر اتنی ہی طاقت آگئی ہے تو چپو بھی چلالینا کیونکہ تمہاری زبان بڑی تیزی سے چل رہی ہے" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

اس نے شکایت بھری نظروں سے میری سمت دیکھا۔ میرے جواب سے اس کو ٹھیس پہنچی تھی۔

اسی لمحے دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا اور اینی اندر داخل ہوئی۔ وہ ایک لمحہ دروازے پر کھڑی رہی اور پھر نوپاہ کی سمت بڑھی۔

نوپاہ کسی خوفزدہ خرگوش کی طرح چادر میں گھس گیا۔ اینی نے اس کی نبض دیکھی، تھرمامیٹر لگاکر حرارت لی اور پھر اس کی پٹیاں کھول کر نئی پٹی کی، میں کچن کے دروازے میں کھڑا اسے تیمارداری کرتے دیکھتا رہا۔ میری نگاہیں اس کا طواف کررہی تھیں اور شاید اس نے محسوس کرلیا تھا کیونکہ ایک مرتبہ اس نے پلٹ کر میری سمت دیکھا اور مجھے یوں لگا جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑلیا گیا ہوں، نوپاہ کی پٹیوں کو بدلنے کے بعد وہ میرے پاس آئی اور اشارے سے مجھے باہر آنے کے لئے کہا۔ میں اس کے پیچھے چلتا ہوا باہر آگیا۔

"مجھے افسوس ہے مائیک کہ نوپاہ ابھی کم از کم دو تین دن سفر کرنے کے قابل نہیں ہے۔" اس نے بتلایا۔

میں نے حیران ہوکر اسے دیکھا۔ "لیکن مجھے تو وہ بالکل اچھا بھلا لگ رہا تھا۔"

"میں جھوٹ تو نہیں بول رہی ہوں۔" اس نے ناگواری کے ساتھ کہا۔ "بظاہر وہ ٹھیک لگ رہا ہے اور بلاشبہ تیزی کے ساتھ صحت یاب ہورہا ہے۔ لیکن چند روز تک وہ چلنے کے قابل نہ ہوسکے گا۔ سفر کرنا تو بڑی بات ہے۔"

"اسے چلنے پھرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔" میں نے کہا۔ "ہم ڈونگی میں سفر کریں گے"

اس نے ملامت کے انداز میں سر ہلایا۔ "تم آخر سمجھتے کیوں نہیں۔ تمہارے لئے سفر کرنا ممکن نہیں ہے، پولیس نے اسپتال سے جانے اور آنے کے ہر راستے کی ناکہ بندی کررکھی ہے، گزرنے والی ہر کشتی اور ڈونگی کی تلاشی لے رہے ہیں۔ دریا کے راستے سفر کرنا اب تمہارے لئے ممکن نہیں ہے، یہاں سے فرار کا راستہ اب صرف یہ ہے کہ تم لوگ جنگلوں کے اندر سے نکلنے کی کوشش کرو۔"

"میں اس سے پہلے بھی پولیس کے جال سے نکل چکا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اوہ! خدا کے لیے احمق نہ بنو۔" اس نے غصے میں کہا۔ "پہلے وہ صرف قیاس سے کام لے رہے تھے لیکن اب ان کو یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ تم اسی علاقے میں کہیں چھپے ہوئے ہو اور دریا کے ذریعے سفر کررہے ہو۔ انہوں نے دریا کے دونوں طرف ایک ایک فرد سے پوچھ گچھ کی ہے۔ ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ اسپتال کے اس حصے میں دو نئے مریض موجود ہیں جن کو طاعون کے شک کی بنا پر علیحدہ رکھا گیا ہے۔"

"پھر وہ یہاں کیوں نہیں آئے؟"

"وہ ادھر نہیں آسکتے۔" اینی نے جھنجلا کر کہا۔ "میں نے تم کو بتلایا بھی تھا کہ یہ حصہ گوا کی سرحد میں پڑتا ہے۔"

"لیکن یہ تو بتاؤ تم یہاں کیوں آگئیں؟ وہ تمہارے اوپر بھی نگاہ رکھے ہوئے ہوں گے، ممکن ہے انہوں نے خود تمہارے اپنے آدمیوں میں سے کسی کو ساتھ ملالیا ہو۔" میں نے کہا۔

"میں ان بدمعاشوں کی ترکیبوں کو خوب جانتا ہوں۔"

"فی الحال تم بالکل محفوظ ہو۔ فکر نہ کرو۔"

"مجھے اپنی نہیں تمہاری فکر ہے۔" میں نے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کو اتنا یقین کیوں ہے کہ وہ یہاں نہیں آئیں گے، وہ کسی لمحہ بھی یہاں چھاپا مار سکتے ہیں"

"میں نے انسپکٹر نریش کو بتلادیا ہے کہ یہاں اس وقت دو مریض ہیں اور دونوں بلاشبہ طاعون میں مبتلا ہیں، میرا خیال ہے اسے یقین تو نہیں آیا ہوگا لیکن اس کی اتنی ہمت نہ ہوسکی کہ مجھے جھوٹا قرار دے، اور اس کی اتنی بھی ہمت نہیں

کہ کسی کو یہاں چیک کرنے کے لئے بھیجے۔ تم جانتے ہو، یہ لوگ چھوت کی بیماریوں سے کتنے دہشت زدہ ہوتے ہیں، یہاں تک کہ تعلیم یافتہ لوگ بھی ڈرتے ہیں۔" تاریکی میں دو نرم ونازک ہاتھ بڑھے اور میرے ہاتھوں کو گرفت میں لے لیا۔ میری رگوں میں جیسے آگ بھر گئی ہو، جسم کانپ کر رہ گیا، اس کے لمس نے رگ وپے میں سیماب سا بھر دیا تھا۔

"مائیک! میں چاہتی ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ تم سیدھے پولیس کے جال میں جاکر پھنس جاؤ"

"ہم پکڑے نہیں جائیں گے انی۔" میں نے یقین دلایا۔ "اور یقین جانو، اگر پکڑے بھی گئے تو تم کو ہرگز ملوث نہیں ہونے دیں گے۔"

"تم دانستہ تو ایسا کبھی نہ کروگے مائیک۔ لیکن ایک عام آدمی بھی نوپاہ کو دیکھ کر یہ بتلادیگا کہ یہ کسی اسپتال میں زیرِ علاج تھا اور پولیس کے لئے حقیقت کا اندازہ کرنا دشوار تو نہ ہوگا۔"

انی سچ کہہ رہی تھی۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے جواب دیا۔ "اب بتلاؤ تم کیا چاہتی ہو۔ میں کیا کروں؟"

"جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا، چند روز یہیں قیام کرو اور جب نوپاہ چلنے پھرنے کے قابل ہوجائے تو جنگل کے راستے یہاں سے نکل جاؤ۔ تم آسانی سے ساحل تک پہنچ جاؤ گے، وہاں سے مچھلی پکڑنے والی کشتیاں تم کو آسانی سے مل جائیں گی اور تم ان کے ذریعے بلا کسی خطرے کے اس علاقے سے نکل جاؤ گے۔ میں تمہارے لئے لباس، کھانے اور رقم وغیرہ کا بندوبست..."

"نہیں انی۔ تم اب تک جو کچھ کرچکی ہو وہی احسان بہت ہے۔" میں نے بات کاٹ کر کہا۔ "تم نے جو کچھ کہا ہے میں اسی پر عمل کروں گا۔ لیکن ہم آج ہی رات یہاں سے نکل جائیں گے"

"نوپاہ چند فرلانگ بھی نہیں چل سکے گا۔"

"تو پھر میں اسے اپنی پشت پر لاد کرلے جاؤں گا۔ ہم یہاں مزید قیام کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے، اب میری بات غور سے سنو۔ اگر ہم پکڑلئے جائیں تو خواہ وہ کتنا ہی تشدد کیوں نہ کریں، ہم یہاں قیام کے بارے میں ہرگز اقرار نہ کریں گے۔ ہم صرف اتنا کہیں گے کہ اس جگہ کو خالی پاکر ہم نے یہاں پناہ لی تھی اور یہاں رکھے سامان سے نوپاہ کی مرہم پٹی میں نے کی تھی۔ ہم نے نہ تم کو دیکھا اور نہ کسی اور کو اور نہ تم میں سے کسی نے ہم سے رابطہ قائم کیا۔"

"لیکن میں انسپکٹر نریش کو پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ طاعون کے دو مریض یہاں مقیم ہیں۔" انی نے یاد دلایا۔

"مجھے یاد ہے۔ لیکن کیا تم نے اس کو یہ بتلایا ہے کہ ان مریضوں کو دیکھنے یہاں آئی تھیں؟"

"نہیں" اس نے جواب دیا۔ "تم اپنی ضد پر قائم ہو تو جو چاہے کرو۔"

"ٹھیک ہے انی۔ پھر تم کو یہی کہنا ہے کہ ہمارے متعلق تم کو کوئی علم نہ تھا۔"

"لیکن تم کو ہوا کیا ہے مائیک؟ نہ تمہارے پاس کپڑے ہیں نہ کھانا۔ جوتے تک تو ہیں نہیں، اس حالت میں یہاں سے جاؤ گے تو بچ نکلنے کا موقع مشکل سے ملے گا۔ تم اس علاقے سے واقف نہیں ہو۔ تم بری طرح جنگلوں میں بھٹکتے رہو گے۔ درجنوں مرتبہ دریا کو ادھر اور ادھر سے پار کرنے کے بعد بھی تم گھوم پھر کے وہیں پہنچ جاؤ گے جہاں سے چلو گے۔ یہ جنگل ایک بھول بھلیاں سے کم نہیں ہے۔"

"وہ ہم دونوں کے لئے یکساں ہے۔ نریش بھی بمبئی کا رہنے والا ہے اور ہماری طرح اس علاقے سے ناواقف ہے۔ اگر ہم بھٹک سکتے ہیں تو وہ بھی اسی دشواری سے دوچار ہوگا۔"

"ہاں۔ لیکن اس کے ساتھ علاقے کی پولیس بھی ہے جو اس جگہ کے چپے چپے سے واقف ہے اور پھر ان کے پاس تیز رفتار لانچ ہے۔ نقشے ہیں۔"

"نقشے؟" میں نے چونک کر کہا۔ "تمہارے پاس اس علاقے کا کوئی نقشہ ہوگا؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"ہماری لانچ میں تو ہر طرف کے نقشوں کا ذخیرہ ہے۔" اس نے بتلایا۔

"تم کوئی خطرہ مول لئے بغیر وہ نقشے لاسکتی ہو؟" میں نے پُرامید لہجے میں پوچھا۔ "نقشے سے ہم کو بڑی مدد ملے گی لیکن انی! میں نہیں چاہتا کہ تم اس سلسلے میں کوئی خطرہ مول لو اس لئے......"

مجھے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں جانتا تھا کہ میری خاطر وہ ہر خطرہ مول لے لے گی۔

"میں بڑی آسانی سے نقشے لاسکتی ہوں۔" انی نے فوراً کہا۔ "اور اسی کے ساتھ تمہاری ضرورت کا دوسرا سامان بھی لے آؤں گی لیکن یہ کل رات سے پہلے ممکن نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ میرے پاس بحث کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی

تھی۔ میں کشمکش کے عالم میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ مسکرا دی
"پہلے وعدہ کرو کہ تم کوئی خطرہ مول نہیں لوگی۔"
"مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم اطمینان رکھو۔" اس نے خوش ہو کر میرا ہاتھ دبایا۔

میں جانتا تھا کہ وہ صرف مجھے اطمینان دلانے کے لئے کہہ رہی تھی۔ "ٹھیک ہے۔" میں نے بے بسی کے عالم میں جواب دیا۔

"تم بھی وعدہ کرو مائیک کہ میرا انتظار کرو گے" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "جب تک میں نہیں آؤں گی، تم یہ جگہ نہیں چھوڑو گے؟" اس نے التجا کی۔
"میں تمہارا انتظار کروں گا اینی۔" میں نے وعدہ کیا اور دوسرے ہی لمحے وہ میرے سینے سے لگی سسکیاں لے رہی تھی۔ میں نے اسے مضبوطی سے جکڑ لیا تھا۔ محبت کی کسک میں کتنی لذت ہے۔ اس کرب میں کتنا لطف ہے، یہ تجربہ مجھے زندگی میں پہلی بار ہو رہا تھا۔ میں اسے اس طرح تسلیاں دے رہا تھا جیسے وہ کوئی عورت نہیں ننھی سی بچی ہو۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اینی کے دل میں بھرے سارے درد کو اپنے دل میں سمٹ لوں۔

"بس کرو اینی۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "فکر نہ کرو۔ مجھے کچھ نہ ہوگا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم یہاں سے بحفاظت نکل جائیں گے اور ان کو یہ پتا بھی نہ چل سکے گا کہ ہم کب گئے اور کہاں گئے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ اب نہ روؤ۔ خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔"
لیکن دل میں نہ جانے کب سے بھرا سیلاب امڈ پڑا تھا۔ میرے شانے اس کے آنسوؤں سے بھیگ گئے تھے اور پھر وہ اچانک چپ ہو گئی۔ اس نے اپنے آنسوؤں بھرے چہرے کو ہاتھ سے صاف کیا۔

"ٹھیک ہے مائیک۔ کل اندھیرا ہوتے ہی میں آجاؤں گی۔"
اور پھر اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا وہ روانہ ہو گئی۔ تاریکی میں اس کا سفید ہیولا مجھ سے دور ہوتا چلا گیا۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی دریا کے کنارے کی سمت جا رہی تھی، میرے قدم بے ساختہ اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ لیکن میرے پہنچنے سے پہلے ہی اس کی ڈونگی کہر میں غائب ہو چکی۔ صرف چپوؤں کی ہلکی آواز مجھ کو سنائی دیتی رہی۔
میں تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا واپس آیا، نوپاہ بستر پہ بیٹھا انتظار کر رہا تھا ـــ پتا نہیں وہ ہماری باتیں سنتا رہا تھا یا نہیں لیکن اس نے شاید میری کیفیت سے اندازہ کر لیا تھا اس لئے سوالات کی بوچھاڑ شروع نہیں کی۔
"ہم کو کل رات تک انتظار کرنا ہے، اس کے بعد یہاں سے روانہ ہوں گے۔" میں نے بتلایا۔ "اس لئے تم جتنا زیادہ سو سکتے ہو سو لو اور پھر صبح سے چلنے پھرنے کی مشق کرو کیوں کہ ہمیں طویل سفر کرنا ہے۔"
اچانک پشت سے آواز سنائی دی۔
"اس کی ضرورت اب پیش نہیں آئے گی اوریلی۔ اب تم کہیں نہ جا سکو گے۔"
وہ کچن سے نکل کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہماری جانب بڑھا، پستہ قد اور چھریرے بدن کا، سنولایا ہوا سا ایک سفید فام آدمی تھا، لیکن دھوپ میں جھلسے ہوئے چہرے کے باوجود یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ وہ برطانوی نژاد ہے۔ اس نے سفید اُجلی قمیص اور پتلون پہنی ہوئی تھی۔ لیمپ کی روشنی میں وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اطمینان سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے پہلے سر سے پیر تک میرا جائزہ لیا پھر زیر لب مسکرایا، مجھے اس کے چہرے اور مسکراہٹ میں ایک انجانی سی شناسائی کا احساس ہوا جیسے میں اسے پہلے سے جانتا ہوں لیکن ذہن پر زور دینے کے باوجود یاد نہ آسکا کہ میں نے اسے کہاں اور کب دیکھا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس کی اس طرح اچانک آمد کے باوجود مجھے اس سے کوئی خوف محسوس نہ ہو رہا تھا۔
"تمہیں کچھ اندازہ ہے اوریلی؟" اس نے کسی قدر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کہ تم سب کے لئے ایک مصیبت بن چکے ہو، تم اور تمہارے ساتھی نے اگر یہی فیصلہ کر لیا ہے کہ پولیس کی گولیوں کو اپنے جسم کی ڈھال پر روکو گے تو پھر علاج کے لئے کوئی اور جگہ تلاش کر لی ہوتی۔ یہ مصیبت ہمارے سر کیوں لے آئے ہو؟"

اور پھر مجھے اچانک یاد آگیا۔ کہ جولی کے یہاں اسی ڈاکٹر نے میرا علاج کیا تھا۔ بمبئی کے وہ اذیت ناک لمحات اور نیم بے ہوشی کے عالم میں ڈاکٹر اور جولی کے درمیان ہونے والی جھڑپ، سب یاد آگئی، اس نے بمبئی میں میرے وجود کو ناپسند کیا تھا اور مجھے بھی اس سے نفرت ہوئی تھی۔ "تمہیں میرے علاج کا معقول معاوضہ مل گیا تھا ڈاکٹر۔ پھر شکوہ کس بات کا ہے؟" میں نے کہا۔
"دلچسپ آدمی ہو تم اوریلی۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ کالوسیتا تمہارے بغیر سونا ہو گیا ہو گا۔ شاید

اسی لئے وہ تم کو واپس لے جانے کے لئے اتنے بے چین ہو رہے ہیں۔"

میں ڈاکٹر کی پشت کی سمت واقع کھڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا کہ باہر کون کھڑا ہے۔ اس نے شاید بھانپ لیا کیوں کہ فوراً ہی بولا۔ "فکر نہ کرو، میں تنہا آیا ہوں۔"

"اگر تم پولیس والوں کو لے کر آئے ہو تو اس سے تم کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" میں نے اسے دھمکی دی۔ "یہ علاقہ ان کے اختیار میں نہیں آتا۔"

"لیکن یہ نہ بھولو کہ انہیں گوا کی پولیس کو تمہاری موجودگی کی اطلاع دینے میں بمشکل آدھا گھنٹا لگے گا۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"اور مجھے تمہاری یہ منحوس گردن توڑنے میں بمشکل آدھا منٹ لگے گا۔" میں نے اس کی سمت بڑھتے ہوئے کہا کیوں کہ مجھے یقین تھا، ڈاکٹر مسلح نہیں رہتے لیکن اس منحوس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر مجھے روکتے ہوئے کہا۔

"بچوں جیسی حرکت نہ کرو اوریلی۔ عقل سے کام لو اگر تمہارے خیال کے مطابق مجھے پولیس کو خبر کرنا ہوتی تو میں یہاں آنے سے بہت پہلے کر دیتا لیکن میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ جتنی جلد اور جتنی خاموشی سے ممکن ہو تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

مجھے کسی قدر اطمینان کا احساس ہوا۔ "تمہاری آمد سے پہلے ہم یہی کرنے جا رہے تھے۔" میں نے جواب دیا اور پھر نوپاہ کی سمت مڑا۔ "چلو اٹھو۔ فوراً اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ۔"

"اس حالت میں تم کتنی دور جا سکو گے احمق کہیں کے؟" اس نے ملامت بھرے لہجے میں کہا۔ "میری بیوی نے ساری صورتحال تم کو سمجھادی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس نے ہر بات تم پر واضح کر دی ہے۔"

"تمہاری بیوی؟" میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"میرے خدا! کیا تم نہیں جانتے؟" اس نے حیران ہو کر کہا اور پھر زوردار قہقہہ لگایا۔ "امید ہے کہ میں نے یہ انکشاف کر کے تمہارے دل کو ٹھیس نہیں پہنچائی ہوگی۔ لیکن یہ بالکل سچ ہے اوریلی۔ وہ شادی شدہ ہے اور میری بیوی ہے اور میں جانتا ہوں کہ برسوں سے وہ کس راہ پر چل رہی ہے۔ ممکن ہے تم نہ جانتے ہو ورنہ اس کو متوجہ کرنے کے لئے دارجلنگ میں اپنی جان پر کھیل کر ٹرین کے نیچے نہ جاتے۔ اس کے لئے تو صرف ایک مسکراہٹ کافی ہوتی۔ اوہ۔ تم اس عورت کو نہیں جانتے اوریلی۔"

اپنی کے بارے میں اس بے ہودہ گفتگو کے بعد میں نے اسے یقیناً سبق سکھا دیا ہوتا لیکن آپ اس آدمی کو کیسے مار سکتے تھے جس نے بستر پر بیٹھ کر فلک شگاف قہقہے لگانے شروع کر دیے تھے۔ اس بے حیا اور کمینے شخص نے اس طرح ہنسنا شروع کر دیا تھا کہ ایک لمحہ تو میں حیرانی کے ساتھ اس کو دیکھتا رہا پھر بڑی مشکل سے اپنے غصے پر قابو پایا اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم جیسے بے حیا انسان سے اس کے علاوہ اور کس بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ذلیل آدمی، تم کو اپنی بیوی پر ایسے گندے الزام لگاتے غیرت نہیں آتی؟"

لیکن میری بات پر غصہ ہونے کے بجائے اس بے غیرت کے قہقہے اور تیز ہو گئے۔ اس کے حلق سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے سیٹی بج رہی ہو۔ نوپاہ نے میرے غصے کو شاید بھانپ لیا تھا کیوں کہ فوراً ہی بولا۔ "اس کو جانے دو مسٹر اوریلی۔ اور آؤ ہم یہاں سے نکل چلیں۔ اب میں بہ آسانی چل سکتا ہوں۔"

قہقہہ جتنا اچانک شروع ہوا تھا اسی طرح رک گیا۔ جیسے کسی نے مشین کا سوئچ بند کر دیا ہو اور ہیٹر۔ ہاں مجھے یاد آیا اس کا نام رالف ہیٹر تھا۔ ڈاکٹر ہیٹر۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"چلو بس کرو۔ مذاق ختم ہوا۔ مجھے تم دونوں کو یہاں سے بحفاظت نکال کر محفوظ جگہ پر پہنچانا ہے اور اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ میں تم دونوں کو اپنی لانچ پر لے جاؤں۔" اس کے لہجے سے تمسخر اور طنز بالکل غائب ہو گیا تھا اور اب وہ بڑا سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔

"ہمیں تمہاری کوئی مدد نہیں چاہئے۔" میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ "ہم ابھی بیمار ہیں۔ ابھی۔ اور اگر ہم گرفتار کر لئے گئے تو یہی نا کہیں گے کہ ہم اتفاقاً اس جگہ پہنچ گئے تھے اور جگہ خالی پا کر یہاں ٹھہر گئے تھے۔"

"اور تمہاری اس بات پر کون یقین کرے گا؟"

"مجھے اس کی پروا نہیں کہ کوئی یقین کرتا ہے یا نہیں۔ وہ اس کے علاوہ کچھ اور ثابت بھی نہیں کر سکیں گے۔"

اس نے ملامت کے انداز میں سر ہلایا۔ "سنو اوریلی۔ مجھے بھی اس کی کوئی پروا نہیں کہ تم پکڑے جاتے ہو یا نہیں بشرطیکہ تم ہم لوگوں کو اس سلسلے میں ملوث نہ کرو اور پولیس کو یہ شبہ نہ ہونے پائے کہ ہم نے تم کو یہاں پناہ دی تھی لیکن

فی الحال یہ خطرہ موجود ہے' میری بیوی نے حماقت میں انسپکٹر نریش سے تمہارے بارے میں بالکل سفید جھوٹ بولا ہے۔ وہ اس بات کو جانتا ہے اور اس پر بہت خفا بھی ہے ــــ تمہاری گرفتاری کے بعد وہ اس بات کی ہر ممکن کوشش کرے گا کہ کسی بھی طرح اس احمق عورت کو تمہیں یہاں قیام میں مدد دینے کے الزام میں ملوث کرسکے۔"

مجھے اس کی پریشانی کی وجہ سمجھ میں آنے لگی تھی۔ اپنی نے ہمارے بارے میں انسپکٹر سے جھوٹ بول کر اپنے لئے بلاوجہ کی مصیبت کھڑی کرلی تھی۔ اس نے دو مرتبہ پولیس کو دانستہ دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔ جب کہ اسے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے تھا۔

"اگر ایسا ہوا تو مجھے تھوڑی بہت پریشانی ہوجائے گی۔" ڈاکٹر نے مجھے خاموش دیکھ کر کہا۔ "میں کوئی مقدس پادری نہیں ہوں' ایک پیشہ ور ڈاکٹر ہوں اور یہ نوکری میرے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے اور مجھے پسند بھی ہے۔ میں اسے خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ میرا خیال ہے تم سمجھ گئے ہوگے۔"

"بیشک۔ میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔ "صرف ایک لانچ ایسی ہے جو ہندوستان اور گوا دونوں ممالک کی سرحدوں میں بلا کسی دشواری کے سفر کرسکتی ہے اور جس کی پولیس کبھی تلاشی نہیں لیتی اور وہ میری لانچ ہے' بشرطیکہ میں خود اس پر موجود ہوں۔ خوش قسمتی سے میں عموماً سفر کرتا رہتا ہوں۔ اب غور سے سنو۔ میں تقریباً ایک گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تم کو یہاں سے کچھ دور تک پیدل جانا ہوگا جہاں دریا کا پہلا موڑ ہے۔ تم بہ آسانی اس جگہ پہنچ سکتے ہو۔ وہاں سے میں تم کو اپنی لانچ پر سوار کرلوں گا۔ موڑ پر ناریل کے درختوں کا گھنا جھنڈ ہے۔ ان میں دو درخت جو بالکل دریا کے کنارے پر ہیں اور ان پر سفید پینٹ کیا ہوا ہے۔ وہاں کنارے پر پانی کافی گہرا ہے۔ تم کو یہ جگہ پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔"

میں نے سرہلا کر ہاں کہا۔ اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

... وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر رک کر میری سمت مڑا۔ "مجھے تمہارے منصوبے کا۔ جو تم نے میری بیوی کے ساتھ طے کیا تھا' علم ہے۔ میں راستے میں تم کو بتلادوں گا کہ اس میں یہ تبدیلی کیوں کی گئی ہے۔ بہتر ہے کہ تم ابھی روانہ ہوجاؤ۔ وہ جگہ یہاں سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ہے لیکن راستہ صاف ہے اور تم بہ آسانی وہاں پہنچ جاؤ گے۔" وہ باہر نکل گیا۔

نوپاہ پھرتی کے ساتھ بستر سے اٹھا۔ وہ چند قدم لڑکھڑاتا ہوا چلا اور پھر سنبھل گیا۔ مجھے اس سے اتنی بھی امید نہ تھی' اس نے آہستہ سے کہا۔ "اس اسپتال کے لباس کو لے جانا اچھا تو نہیں لگتا لیکن مجبوری ہے' میں ننگا تو سفر نہیں کرسکتا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ یہاں لباس کی کوئی کمی نہیں ہے۔" میں نے اسے تسلی دی۔ اس کے بعد میں نے لیمپ بجھایا' اس کا بازو پکڑ کر اپنے شانے پر رکھا اور سہارا دیے ہوئے اسے اپنے ساتھ لے کر باہر نکلا۔ کہر بہت گہرا ہوچکا تھا لیکن دریا کے کنارے کنارے چلنا زیادہ دشوار نہ تھا۔ ہم جھاڑیوں کے درمیان سے گزرنے والی پگڈنڈی پر آگے بڑھتے رہے۔ نوپاہ ابھی بہت کمزور تھا اور صرف اپنی ہمت سے کام لے کر چل رہا تھا۔ اس کے قدم بار بار لڑکھڑا جاتے تھے۔ کم بخت میں بلا کی قوت ارادی تھی' ورنہ جو حالت اس کی تھی اس میں چند قدم چلنا بھی مشکل تھا اور اب مجھے بھی اندازہ ہورہا تھا کہ اس کو ساتھ لے کر سفر کرنے کا جو ارادہ میں نے کیا تھا وہ کبھی پورا نہیں ہوسکتا تھا۔ اگر ڈاکٹر ہم کو یہاں سے نکال لے جانے میں کامیاب بھی ہوگیا تو ہمیں کسی جگہ اس وقت تک روپوش رہنا ہوگا جب تک نوپاہ میں سفر کرنے کی طاقت نہ آجائے۔ وہ اب بھی سارا بوجھ میرے شانوں پر ڈالے چل رہا تھا۔ میرا بس چلتا تو اس کو یہیں پر چھوڑ کر چلا جاتا۔ یہ اس کے لئے بھی اچھا ہوتا اور میرے لئے بھی۔ لیکن میں جانتا تھا کہ ڈاکٹر اس پر رضامند نہ ہوگا۔

ہم کو اس جگہ تک پہنچنے میں پورا ایک گھنٹا لگ گیا۔ نوپاہ کا بوجھ سنبھالنے کی وجہ سے میں راستے پر ٹھیک طرح سے نظر نہ رکھ سکا اور ایک لمحے کو یہ سمجھا کہ میں وہ جگہ بھول گیا ہوں لیکن ذرا دور اور چلنے کے بعد مجھے سفید پینٹ والے دو درخت نظر آئے تو میں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ میں نے نوپاہ کو زمین پر لٹادیا اور لانچ کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا۔

دائیں جانب سے لانچ کے انجن کی ہلکی آواز سنائی دے رہی تھی اور ہر لمحہ تیز ہوتی جارہی تھی لیکن پھر اچانک بالکل ہی غائب ہوگئی' میں سمجھا کہ لانچ وہاں سے گزر گئی۔ لیکن ذرا دیر بعد آواز دوبارہ سنائی دینے لگی اور تب میں سمجھا کہ لانچ موڑ سے

گزر رہی تھی اور اب بالکل قریب پہنچ چکی تھی‘ ایک بے پایاں اطمینان سا محسوس ہوا اور میں بیتابی کے ساتھ اس کا انتظار کرنے لگا۔

اور پھر ذرا دیر بعد سامنے سے اس کی روشنی کہر میں چمکتی نظر آئی‘ وہ تیزی سے ہماری سمت بڑھ رہی تھی۔ قریب پہنچ کر وہ اچانک ہماری سمت مڑی‘ پانی کے تیز بہاؤ میں موڑ کاٹ کر کنارے تک پہنچنا آسان نہ تھا لیکن وہ بڑی مہارت کے ساتھ لانچ کو کنارے لگانے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ جتنا اچھا ڈاکٹر تھا اتنا ہی اچھا جہاز راں بھی نظر آتا تھا اور اس کی مہارت پر مجھے رشک آنے لگا‘ میں نے آہستہ سے اسے آواز دی تو وہ کود کر اگلے ڈیک پر آگیا اور وہاں سے ہماری سمت ایک رسی پھینکی۔ میں نے رسی کا پھندا بنا کر نوپاہ کے بازو میں ڈالدیا اور رسی کو ایک جھٹکا دے کر اسے اشارہ کیا — ہم دونوں نے سہارا دے کر نوپاہ کو عرشے تک پہنچادیا۔

لانچ میں دو کیبن تھے‘ ایک سامنے کی طرف اوپر‘ دوسرا عقبی حصے میں نیچے۔ ڈاکٹر کی مدد سے میں نے نوپاہ کو نچلے حصے کے عقبی کیبن میں پہنچادیا۔ کیبن چھوٹا سا تھا اور تندور کی طرح گرم تھا۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ نوپاہ کو سامنے والے کیبن میں رکھے تاکہ اسے تازہ ہوا لگتی رہے لیکن اس نے منع کردیا اور کہا کہ اگر کہر میں کوئی پولیس لانچ آگئی تو وہ سرچ لائٹ کی روشنی سیدھی اگلے حصے پر پھینکے گی اور روشنی میں ہر چیز صاف نظر آجائے گی۔ بات معقول تھی اس لئے میں خاموش ہوگیا۔ اس نے کیبن کے ڈھکن کو بند کردیا اور اوپر چلا گیا۔ ذرا دیر بعد انجن اسٹارٹ ہوا اور لانچ حرکت میں آگئی۔ میں نے نوپاہ کو پتلی سی برتھ پر آرام سے لٹادیا تھا‘ لانچ چلتے ہی میں نے ٹٹول کر سوئچ تلاش کیا اور لائٹ جلادی۔ کیبن تقریباً سات فٹ چوکور تھا اور اس میں دو برتھوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ ایک سمت ایک سفید لاکر تھا جس میں دوائیں رکھی ہوئیں تھیں۔ کیبن میں تین چھوٹے روشندان دونوں سمت بنے ہوئے تھے لیکن ان پر لگے ہوئے ڈھکن بند تھے اس لئے ہوا اندر آنے کا واحد راستہ ایک ننھا ہوادان تھا جو اوپر بنا ہوا تھا۔ البتہ ایک چھوٹا سا بجلی کا پنکھا چھت پر لگا ہوا تھا۔ میں نے اسے چلادیا اور اس کا رخ موڑ کر نوپاہ کی سمت کردیا۔

”میں نے تم کو زیادہ تکلیف تو نہیں دی مسٹر اوریلی؟“ اس نے آواز میں پوچھا۔

”یس نوپاہ۔ تم نے بڑی ہمت سے کام لیا ہے۔“ میں نے پہلی مرتبہ اس کو نرم لہجے میں جواب دیا۔

اس کے بعد میں اپنی برتھ پر لیٹ کر آرام کرنے لگا۔

رات کو..... کسی وقت انجن بند ہوا تو میری آنکھ فوراً ہی کھل گئی۔ لانچ کے کسی چیز سے ٹکرانے کا جھٹکا محسوس ہوا اور پھر ایسا لگا کہ وہ رگڑ کھاتی ہوئی رک گئی ہے‘ چونکہ ہم کافی تیز رفتاری سے سفر کررہے تھے اس لئے میں یہی سمجھا کہ ہم کسی دوسری لانچ سے ٹکرا گئے ہیں۔ اوپر کا ڈھکنا کھلا تو میں فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر اوپر جانے والی سیڑھی کی سمت لپکا لیکن ڈاکٹر نے آواز دے کر مجھے روک دیا۔

”مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ گرمی اور حبس سے پریشان ہورہے ہوگے لیکن اگلی پولیس چوکی سے گزرنے تک تم کو یہیں رہنا ہوگا۔“ اس نے کہا اور تھرماس میری سمت بڑھا کر دوبارہ ... ڈھکن بند کردیا۔ میں اتنا پیاسا تھا کہ تقریباً آدھا تھرماس خود خالی کردیا‘ یہ لیمن جوس تھا اور بہت ٹھنڈا تھا۔ پھر مجھے نوپاہ کا خیال آیا جو بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ میں نے اسے جگانے کی بہت کوشش کی اور آخر تھک ہار کر چھوڑدیا۔

اس کے بعد جو میں برتھ پر لیٹ کر سویا تو پھر نہ جانے کب تک سوتا ہی رہا۔

.... ☆ ....

میں لانچ کے وہیل ہاؤس میں تھا۔ میں جب لیمن جوس پی کر سویا تھا تو اس وقت آدھی رات کا وقت تھا اور اس وقت سورج غروب ہورہا تھا۔ اس طرح میں تقریباً اٹھارہ گھنٹے سوتا رہا تھا‘ ممکن ہے ڈاکٹر نے جوس میں سونے کی دوا ملادی ہو۔

ڈاکٹر میرے پاس کھڑا تھا اور چہرے پر پے در پے تھپڑ لگا رہا تھا‘ شاید وہ مجھے جگانے کے لئے ایسا کررہا ہو‘ لیکن مجھے تکلیف ہورہی تھی اور ڈاکٹر پر بہت غصہ بھی آرہا تھا اور پھر میرے گرد کھڑے ہوئے چار آدمیوں کے جوتے بھی سر میں ٹھوکر لگا رہے تھے‘ پتا نہیں وہ ایسا کیوں کررہے تھے‘ میرا سر اُن کے درمیان فٹ بال بنا ہوا تھا۔ میں ان کو اس حماقت سے باز رکھنا چاہتا تھا لیکن حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی‘ زبان سوکھ کر کانٹا ہوگئی تھی‘ ڈاکٹر نے دیکھ لیا تھا کہ میں ہوش میں آگیا ہوں اس لئے اس نے تھپڑ مارنا بند کردیے اور گلاس میں پانی لاکر دیا۔ ایک لمحہ کو میں گلاس ہاتھ میں لئے دیکھتا رہا۔ بظاہر تو یہ ٹھنڈا پانی لگتا تھا لیکن ممکن ہے اس میں بھی بیہوشی کی دوائی ملی ہوئی ہو مگر پیاس اتنی شدید تھی کہ میں پروا کئے بغیر پی گیا‘ آدھا گلاس پینے کے بعد میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا

سر پکڑ کر دونوں گھٹنوں کے درمیان کرلیا۔ ڈاکٹر نے پھر پانی
کے چند گھونٹ مجھے پلائے اور باقی میرے چہرے پر چھڑک دیا۔
....میرے اوسان کچھ بحال ہوئے لیکن ابھی تک غنودگی کی
کیفیت باقی تھی ' اس کے بعد ڈاکٹر نے ایک شیشی میری ناک
سے لگادی ' اس میں سے امونیا کی تیز بو آئی اور مجھے اپنا دماغ ہوا
میں اڑتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے شیشی ہٹالی۔

" ابھی بولنے کی کوشش مت کرنا۔ " اس نے کہا۔ " ذرا
دیر آرام سے بیٹھے رہو بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔ "

وہ سامنے سے ہٹ گیا تو میری بینائی کچھ کام کرنے لگی ' ہم
دریا کے بجائے ایک نیم دائرے کی شکل والی جھیل میں لنگر
انداز تھے جس کے ہر جانب گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا لیکن مجھے
سمندر کی بُو محسوس ہو رہی تھی اور قریب سے سمندری
لہروں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی لیکن نگاہوں کے سامنے
جنگل اور جھیل کے پانی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ شاید یہ جگہ
سمندر کے قریب واقع تھی۔

مجھے متلی ہونے لگی۔ میں نے اٹھ کر لانچ کے کنارے
جانے کی کوشش کی ' لیکن میرا سینہ سفید رسی سے جکڑا ہوا تھا
اور پشت پر لکڑی کا ڈنڈا بندھا ہوا تھا۔ اس لئے میں اپنی جگہ
سے نہ اٹھ سکا اور تب میں نے دیکھا کہ میری کلائیاں بھی
چمڑے کے تسمے سے بندھی ہوئی تھیں۔ میں نے ان کی
سمت ملامت بھری نظروں سے دیکھا۔

" یہ لوگ فارغ ہو جائیں تو میں تمہیں بھی آزاد کردوں گا "
ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔ " فی الحال تم آرام سے بیٹھے رہو۔ "
وہ اس طرح اطمینان سے تسلی دے رہا تھا جیسے میں اس کا
مریض ہوں۔ اس نے آنکھوں کے سامنے ہاتھ رکھ کر سامنے
دیکھا کیونکہ ڈوبتے سورج کی روشنی چہرے پر پڑ رہی تھی۔
" اوہ۔ لو وہ آرہے ہیں۔ " اس نے آہستہ سے کہا۔

میں نے سر گھما کر دیکھنا چاہا تو لگا کہ کوئی میری گردن مروڑ رہا
ہے لیکن مجھے سامنے سے آتی ہوئی کشتی نظر آگئی۔ یہ ایک
بڑی موٹر بوٹ تھی۔ جیسی کہ بحرِ ہند میں اکثر کناروں پر چلتی
ہیں۔ وہ کم از کم نوے فٹ لمبی ضرور رہی ہوگی۔ اور بڑی تیزی
سے ہماری سمت بڑھ رہی تھی۔

" ہے نا خوبصورت ؟ " ڈاکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ " اگر
بے چارے راکجو کو یہ مل گئی ہوتی تو وہ جیل میں سڑ کے نہ
مرتا۔ "

ایک لمحہ کو ڈاکٹر کی بات میری سمجھ میں نہ آسکی۔ کشتی بڑی
تیزی سے ہماری سمت بڑھ رہی تھی لیکن پھر اس کا مطلب
فوراً سمجھ میں آگیا ' میں نے بڑی مشکل سے دوبارہ گردن
گھما کر دیکھا۔ ڈاکٹر کے چہرے پر کھیلتی شیطانی مسکراہٹ کو
دیکھ کر میں نے سوال کرنا چاہا کہ آخر وہ کیا کر رہا تھا لیکن زبان کام
نہ کرسکی اور آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس نے میری بے بسی
....کو محسوس کرلیا لیکن مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

ذرا دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں بوتل اور گلاس تھا۔
اس نے گلاس میں شراب انڈیلی اور میری طرف دیکھ کر
شیطانی انداز میں مسکرایا۔

" زبان کھولنے کی اس سے بہتر دوا اور کوئی نہیں ہے۔ "
اس نے کہا۔ " تم بھی... یاد کرو گے حرامزادے کہ کسی حاتم
سے پالا پڑا تھا۔ " اس نے میرا سر پکڑ کر شراب میرے حلق
میں انڈیل دی۔

مجھے اپنے حلق میں آگ سی لگتی محسوس ہوئی اور تکلیف
سے میں چیخ اٹھا۔ " یہ تم کیا کر رہے ہو ڈاکٹر؟ " میں نے غصے
میں کہا۔ میری آواز واپس آگئی تھی۔ میں بول سکتا تھا لیکن
آواز ایسی تھی جیسے پھٹے بانس سے نکل رہی ہو۔

وہ میری سمت دیکھ رہا تھا۔ اس کا سارا جسم ہل رہا تھا۔ میں
جانتا تھا کہ وہ ہنس رہا تھا اور ہنسی سے دُہرا ہوا جا رہا تھا۔ کمینے کو
بڑا مزہ آرہا تھا۔

" سوری۔ " اس نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔
" بس آرام سے بیٹھے رہو۔ کچھ دیر بعد سارا معاملہ ٹھیک
ہو جائے گا۔ "

کشتی ہماری لانچ کے برابر آکر رک گئی تھی۔ میں نے گھوم
کر دیکھنا چاہا لیکن سورج بالکل سامنے تھا اس لئے کچھ نظر نہ
آسکا۔ قدموں کی آواز میرے پیچھے آکر رک گئی۔ ان میں سے
جو آگے تھا اس نے آگے بڑھ کر اچانک میرے منہ پر تھوک
دیا۔ میں نے بندھے ہوئے ہاتھوں سے اپنے رخسار صاف
کرنے کی کوشش کی۔

" ایسا مت کرو۔ " ڈاکٹر کی آواز سنائی دی۔

اور اسی وقت وہ دونوں آگے بڑھ کر میرے سامنے آکھڑے
ہوئے۔

ان میں سے ایک نور احمد تھا اور دوسرا ایک دیو قامت سوالی
جس کا ایک کان غائب تھا ' قد و قامت اور تن و توش کے ساتھ
سیاہ رنگ کی وجہ سے وہ الہ دین کے چراغ کا جن لگتا تھا۔ اس
کی سرخ سرخ غضبناک آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔

ڈاکٹر نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "مسٹر اوریلی! میرا خیال ہے، تم خود اپنی آنکھوں سے صورتحال کو دیکھ رہے ہو۔ ضد کرنے کا انجام کیا ہوگا، یہ اندازہ بھی تم بخوبی کر سکتے ہو اس لئے بہتر ہے کہ معاملات کو جلد نمٹا لیا جائے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے شانے پر تھپکی دی۔ "عقل سے کام لو۔ اس طرح بہانے بازی سے کام نہیں چلے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کو مزید تکلیف پہنچے۔ یہ لوگ زبان کھلوانے کا ہر طریقہ جانتے ہیں لیکن اگر تم تعاون کرو گے تو تم کو بحفاظت کسی ایسے ملک پہنچا دیا جائے گا جہاں تم پولیس کی دسترس سے محفوظ رہو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا بک رہے ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ خدایا!" اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ "کیا ہم کو پھر نئے سرے سے تمہاری مرمت کرنا ہوگی؟ ہم صرف اس جگہ کا نام جاننا چاہتے ہیں جہاں وہ سونا پوشیدہ ہے۔ تم ہمیں صرف اس جگہ تک پہنچا دو، بس۔ اس کے بعد کا کام ہمارا ہے۔"

"لیکن میں تم کو اس جگہ کیسے پہنچا دوں؟" میں نے کہا۔ "کیونکہ مجھے خود اس کا علم نہیں۔"

"ممکن ہے اب تک نہ ہو سکا ہو لیکن تم جانتے ضرور ہو۔ تم نے راکجو کے نقشے سے یہ معلوم کر لیا ہوگا کہ وہ جگہ کہاں واقع ہے۔ ہم صرف اس جگہ کا محل وقوع معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ تم ہمیں کاغذ پر نقشہ تیار کر کے دے دو، ہم وہاں خود پہنچ جائیں گے۔ اگر سونا وہاں موجود ہے تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں ملا تو پھر تم سے دوسرے طریقے سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔"

"میرے پاس راکجو کا نقشہ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "پھر کس طرح تم کو بتلا دوں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ نقشہ تمہارے پاس نہیں ہے۔" اس نے غصے میں کہا۔ "تمہارے پاس یہاں کے ساحلی علاقے کا صرف ایک چارٹ ہے لیکن راکجو کا وہ نقشہ تمہارے پاس تھا۔ میرا خیال ہے کہ تم نے اسے ذہن نشین کرنے کے بعد ضائع کر دیا کیونکہ تم نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ جگہ کہاں واقع ہے۔ بلاشبہ تم بہت چالاک ہو اوریلی۔ لیکن باتیں بنا کر تم ہمیں دھوکا نہیں دے سکتے۔"

"باتیں میں نہیں تم بنا رہے ہو۔" میں نے جواب دیا۔ "کیوں کہ تم کو حقیقت کا علم نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بات تمہارے ذہن میں کیسے آ گئی کہ راکجو کا نقشہ میرے پاس تھا۔ میں جب جیل سے فرار ہوا تو میرے بدن پر لباس اور گلے میں تمغے کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔"

نور احمد نے گلا صاف کیا اور ہندی میں کچھ کہا لیکن میں اس کی بات نہیں سمجھ سکا۔ ڈاکٹر نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔

"سنو اوریلی۔" اس نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "میں کوئی بات اندازے سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ میں راکجو کو تم سے بہت پہلے سے جانتا تھا۔ کیا نوپاہ نے یہ بات تم کو نہیں بتلائی تھی؟ میں نے بہت پہلے، یہاں آنے سے بھی قبل اس کا علاج کیا تھا۔ وہ اس بدھ خانقاہ میں کافی دنوں تک مقیم رہا تھا اور اس زمانے میں وہ تقریباً دیوانہ ہو رہا تھا۔ میں اس نقشے کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ ایک دو مرتبہ میں نے اس کو حاصل کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن اس بوڑھے لاما نے مجھے کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ خانقاہ سے کہیں اور چلے گئے۔" اس نے نور احمد کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "نور احمد کو بھی اس بارے میں معلوم ہے۔ بلاشبہ وہ نقشہ موجود تھا۔ اس کے وجود کا ہم دونوں کو علم ہے — تم کسی طرح اس لاما سے نقشہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تم اور نوپاہ۔ اس بارے میں بھی کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"یہیں پر تم غلطی کر رہے ہو۔" میں نے کہا۔ "بیشک راکجو نے مجھے سونے کے بارے میں بتلایا تھا۔ اس نے مجھے وہ جگہ بھی بتلانے کی کوشش کی تھی جہاں پر سونا دفن ہے، اس نے ہر ممکن تفصیل بھی بتائی تھی۔ لیکن جیسا تم نے ابھی کہا کہ اس کا دماغ چل گیا تھا۔ میں اس علاقے میں ہر سمت چکر لگا چکا ہوں لیکن راکجو کی بتلائی ہوئی جگہ کا دور دور تک کہیں بھی نام و نشان نہ تلاش کر سکا۔ اب تک میں خود اس جگہ کی تلاش میں بھٹکتا رہا ہوں۔"

"نقشہ تمہارے پاس تھا اوریلی۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "کرنل نے تمہاری اور اینی کی ٹیلیفون پر گفتگو خود سنی تھی۔"

میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "خوب۔ تو تم بھی کرنل کی طرح دھوکا کھا گئے؟ اینی سے رقم حاصل کرنے کے لئے میرے پاس اور کیا طریقہ ہو سکتا تھا؟"

"اینی نے تمہاری بات پر یقین کرلیا تھا۔" اس نے کہا۔ "اور مجھے یقین ہے کہ تم میڈم کو دھوکا نہیں دے سکتے تھے ' آج تک کوئی اسے دھوکا دینے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ میری چھٹی حس یہ کہتی ہے کہ تم نے میڈم سے سچ بولا تھا۔ تم اب جھوٹ بول رہے ہو اوریلی۔"

"چلو یہی سہی۔ فرض کرو کہ میں تم سے جھوٹ بول رہا ہوں تو تم کیا کروگے؟"

"میں؟ میں تو کچھ نہیں کروں گا۔" اس نے کہا۔ "لیکن یہ کالا جن جو کچھ کرے گا اس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے ' مجھے نہیں معلوم کہ یہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا لیکن اس کے بارے میں جو کچھ سنا ہے اس کا تصور کرکے میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ تم کیوں ضد کرکے مصیبت مول لے رہے ہو۔ یہ کالا جن تمہارا بہت برا حشر کرے گا۔"

اس نے میری سمت جھک کر التجا آمیز انداز میں دیکھا۔ "سنو اوریلی ' میری بات غور سے سنو۔ اگر یہ لاکھ دو لاکھ یا دس بیس لاکھ کا معاملہ بھی ہوتا تو شاید تمہاری جان آسانی سے چھوٹ جاتی لیکن یہاں کروڑوں کا معاملہ ہے اور اس کے لئے کسی کو تم پر رحم نہ آئے گا۔ میں خود اس ویرانے کی زندگی سے عاجز آگیا ہوں ' تم تعاون کروگے تو مجھے تمام زندگی کے لئے اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ رات بھر نیند سے اٹھ کر مریضوں کے لئے بھاگنا نہیں پڑے گا۔ جہاں اتنی بڑی رقم داؤ پر لگی ہو وہاں کون اس بات کی پروا کرے گا کہ تم کو کتنی اذیت دتی ہے۔ دیکھو' میں سیدھا سادہ آدمی ہوں۔ فرانس یا بہامہ میں باقی زندگی آرام سے بسر کروں گا۔ اب ضد چھوڑ دو اوریلی ' ...عقل سے کام لو۔"

"مجھے اپنی زندگی عزیز ہے ڈاکٹر۔" میں نے کہا۔ "اور میں جانتا ہوں کہ جب تک یہ راز تم کو معلوم نہیں ہوگا تم مجھے زندہ رکھوگے۔"

"لیکن اتنے آرام سے نہیں۔ کچھ دیر بعد تم خود موت کی التجا کرنے لگوگے ' لیکن اگر میرے کہنے پر عمل کروگے تو زندہ رہوگے اور آرام سے رہوگے۔"

میں نے نور احمد کی سمت دیکھا جس نے پھر بڑبڑانا شروع کردیا تھا۔ "تم جیسے سمجھدار آدمی کی زبان سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں ڈاکٹر۔" میں نے کہا۔ "میری وجہ سے اس کے دو لڑکے اپنی جان سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔ تمہارے خیال میں اگر میں نے یہ راز بتلادیا تو یہ شخص مجھے کتنی دیر زندہ رہنے دے گا؟"

"یہ وہی کرے گا جو میں کہوں گا۔"

"تب پھر تم نور احمد جیسے لوگوں کو نہیں جانتے جو یمن سے لے کر یہاں تک اسمگلنگ سمیت ہر کاروبار کرتے ہیں ' اگر اس نے اپنے بیٹوں کا انتقام نہیں لیا تو اپنی برادری میں اس کا مُنہ کالا ہوجائے گا اور پھر اینی کے بارے میں معلوم ہوجانے کے بعد کوئی احمق ہی یہ سوچ سکتا ہے کہ تم انتقام نہ لوگے۔"

"اس بارے میں تمہارا خیال غلط ہے۔ اینی کے اور میرے درمیان تمام رشتے برسوں پہلے ٹوٹ چکے ہیں' وہ اب تک صرف اس لئے میرے ساتھ ہے کہ اسے اپنے پیشے سے بڑا پیار ہے۔ تم چاہو تو اس ہرجائی عورت کو اپنے ساتھ لے جاسکتے ہو۔ میں اس سے عاجز آچکا ہوں۔"

میرے پیر بندھے ہوئے تھے اس لئے میں نے دونوں پیروں سے ایک بھرپور ضرب اس کے سینے پر لگائی ' وہ الٹ کر دور جاگرا۔ میں خود بھی گرتے گرتے بچا۔ نور احمد اور اس کا سیاہ فام ساتھی میری طرف جھپٹے لیکن ڈاکٹر ہیٹر پھرتی کے ساتھ اٹھا۔ اوراس نے دونوں کو ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"تم نے یہ اچھا نہیں کیا اوریلی۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں تم کو اتنا احمق نہیں سمجھتا تھا لیکن اب تم سے بات کرنا بے کار ہے۔ میں تشدد نہیں دیکھ سکتا اس لئے اب ان کو اجازت دے رہا ہوں کہ یہ تم کو اپنے ساتھ کشتی پر لے جائیں تاکہ تم اپنی احمقانہ ضد کا بھرپور مزہ چکھ لو۔" وہ نور احمد کی سمت مڑا اور نفرت بھرے لہجے میں بولا۔ "لے جاؤ اس حرامزادے کو۔"

سیاہ فام سومالی کے لبوں پر اس طرح مسکراہٹ آگئی جیسے بھوکے درندے کو شکار مل گیا ہو۔ وہ جھپٹ کر آگے بڑھا اور میری رسّیاں کھولنے لگا ' اس نے مجھے اس طرح اٹھالیا جیسے میں کوئی ننھا بچہ ہوں ' اسی طرح لے جاکر اس نے لانچ کے برابر کھڑی کشتی میں مجھے پھینک دیا اور پھر خود بھی کود کر اس میں آگیا۔ ڈاکٹر' نور احمد سے رازدارانہ لہجے میں کوئی بات کررہا تھا۔ فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ میں کچھ سننے سے قاصر تھا۔

وہ بات ختم کرچکے تو نور احمد اپنی کشتی پر واپس آگیا۔ ڈاکٹر نے میری سمت دیکھ کر کہا۔ "اب معاملہ میرے ہاتھ سے نکل چکا ہے لیکن میں تم سے بعد میں بات کروں گا اوریلی۔ لیکن کب؟ اس بات کا انحصار اب تم پر ہوگا۔"

تاریکی گہری ہونے لگی تھی۔ میں کشتی کے اندر پڑا ہوا تھا۔ سومالی چپو چلارہا تھا اور نور احمد اطمینان کے ساتھ بادبانوں کے

ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ عربی طرز کی یہ کشتی پتلی' لانبی اور کافی گہری تھی' میں سوچنے لگا کہ اگر میں چاہوں تو چھلانگ لگا کر اس کو بہ آسانی الٹ سکتا ہوں لیکن میرے ہاتھ ابتک بندھے ہوئے تھے اس لئے ارادہ کر بھی لیتا تو عمل کرنا مشکل تھا۔

روانگی سے پہلے مجھے نوپاہ کی آواز سنائی دی۔ اس نے کیبن سے چیخ کر کہا۔ "بتلادو مسٹر اور یلی۔ یہ جو کچھ بھی پوچھیں بتلادو' ...اپنے آپ کو اذیت میں نہ ڈالو۔ یہ بڑے ظالم اور بے رحم لوگ ہیں۔"

ہم ابھی کچھ ہی آگے بڑھے تھے کہ نور احمد نے عربی زبان میں کچھ کہا اور کشتی کے عملے کے چھ سات افراد نے مجھے اٹھایا اور نیچے کے حصے میں لے گئے' سامنے ایک انگیٹھی میں کوئلے دہک رہے تھے جس پر لوگ کھانا گرم کر رہے تھے' کھانے سے فارغ ہوتے ہی سیاہ فام سومالی نے مجھے اٹھایا اور ایک بیضوی کیبن کے پاس لے جاکر اس طرح پٹخ دیا جیسے میں آٹے کی بوری ہوں۔ اس کے بعد وہ دو آدمیوں کو ساتھ لے کر آیا جو دہکتی ہوئی انگیٹھی اور لوہے کی سلاخیں اٹھائے ہوئے تھے۔ دیو قامت سیاہ فام نے کچھ کہا اور وہ دونوں اچانک مجھ پر جھپٹ پڑے' میرے ہاتھوں میں بندھے ہوئے تسمے کو پھرتی سے کھولا پھر میری ٹانگوں اور ہاتھوں کو پکڑ کر پھیلادیا۔ بڑی سرعت کے ساتھ انہوں نے میرے دونوں ہاتھوں کو فرش میں گڑے ہوئے کنڈوں کے ساتھ جکڑ دیا اور پھر میرے پھٹے ہوئے کپڑے اتار دیے' اس کے بعد انہوں نے میرے پیروں کو بھی اسی طرح آہنی کنڈوں کے ساتھ باندھ دیا۔ نور احمد نے اس کے بعد دونوں ملاحوں کو وہاں سے باہر نکال دیا۔

اس کے بعد وہ کونے میں رکھا ہوا لکڑی کا ایک صندوق اٹھالایا جس میں شاید بڑھئی کے اوزار رکھے ہوئے تھے۔

انگیٹھی میں رکھے ہوئے کوئلے اب دہکتے ہوئے انگارے بن چکے تھے اور ان کی روشنی میں سومالی کا چہرہ اور بھی زیادہ بھیانک لگ رہا تھا' وہ بار بار اپنی گلابی زبان ہونٹوں پر پھیر رہا تھا اور اس طرح سسکاری لے رہا تھا جیسے بڑا مزہ آرہا ہو۔ وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ اس نے صندوق سے چھانٹ کر لوہے کے نوکیلے ٹکڑے نکالے اور ان کو انگاروں پر گرم ہونے کے لئے رکھ دیا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور میرا جسم ابھی سے وہ اذیت محسوس کر رہا تھا جو کچھ دیر بعد میری قسمت بننے والی تھی۔ کیا میں اس اذیت کو برداشت کرسکوں گا؟ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

نور احمد میرے پیچھے کھڑا بڑی دلچسپی کے ساتھ یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔

........☆........

میں نے بستر پر پیشاب کردیا تھا اور کمرے کی نگراں بوڑھی نرس نے چمڑے کی پیٹی سے مجھے اتنا مارا تھا کہ میں سسکیاں لے کر رو رہا تھا۔ میرے حلق سے گھٹی گھٹی آوازیں نکل رہی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ یہ سب کچھ ایک بھیانک خواب تھا۔ آج تک کسی نے اس بے دردی کے ساتھ میری پٹائی نہیں کی تھی' نرس کا چہرہ اتنا کالا تھا کہ مجھے ڈر لگ رہا تھا لیکن پھر جلد ہی مجھے احساس ہوگیا کہ یہ سب کچھ خواب نہیں تھا۔ ایک حقیقت تھی۔

ممکن ہے یہ رات کی سرد ہوا کا اثر رہا ہو کہ مجھے کسی قدر ہوش آگیا' کیونکہ اسی لمحے کشتی ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ کسی چیز سے ٹکرائی اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ میں اسی کشتی کے اندر پڑا ہوا تھا۔ وہ سیاہ فام جن میرے قریب کھڑا تھا۔ اسی لمحے کسی نے مجھ پر تیز روشنی پھینکی اور میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں کیونکہ مجھے اس سے تکلیف ہو رہی تھی۔

"ختم ہوگیا۔" نور احمد کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی اور

اسی لمحے کسی نے بڑی گہری سانس لی اور غنودگی کے عالم میں ڈاکٹر کی آواز سنائی دی۔

”ظالم درندو... !تم نے اسے مار ڈالا؟ اب یہ تمہارے کس کام کا رہ گیا ہے؟“

نور احمد نے غرا کر کہا ”یہ حرامزادہ بڑا سخت جان ہے ڈاکٹر۔ اتنی آسانی سے نہیں مرے گا۔ ویسے التجا کر رہا تھا کہ سب کچھ بتلادوں گا۔“ اس نے بہت مشکل سے زبان کھولی ہے۔“

وہ مجھے اٹھا کر عرشے کے اوپر لے آئے۔ مجھے کسی چیز کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ لگتا تھا سارا جسم سُن ہو گیا ہو۔ میرے منہ میں نمکین پانی بھرا ہوا تھا اور میری زبان ٹوٹے ہوئے دانتوں کے خلا میں گھوم رہی تھی۔ بولنے کی کوشش میں حلق سے عجیب سی آواز نکل رہی تھی۔ میں ان سے رحم کی بھیک مانگنا چاہتا تھا۔

”خدا کے لئے ڈاکٹر! پلیز! ان سے کہو کہ اب اذیت نہ دیں۔“ میں نے گڑگڑا کر کہا۔

مجھے کچھ پتا نہیں کہ میں نے اتنی دیر تک یہ اذیت کیسے برداشت کی، سارے جسم میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔ جیسے کسی نے تازہ زخموں پر نمک چھڑک دیا ہو، کچھ یاد نہ تھا کہ کس طرح انہوں نے مجھے اذیت دی تھی لیکن میں زندہ رہنا چاہتا تھا، اب مجھے زندگی کے علاوہ اور کسی چیز کی فکر باقی نہ رہی تھی حالانکہ اب بھی مجھے یہ احساس تھا کہ جیسے ہی وہ میری زبان سے حقیقت اگلوالیں گے، میری زندگی دو کوڑی کی رہ جائے گی۔ میرا بس چلتا تو ابھی ان کو نقشہ بنا کر بتلادیتا کہ سونا کہاں پوشیدہ تھا۔ مجھے یاد آرہا تھا کہ میں نے انہیں سب کچھ بتلادینے کا وعدہ کیا تھا، اور میں اس پر بہت خوش تھا کہ انہوں نے تشدد بند کردیا تھا۔ کم از کم فی الحال وہ مجھے اذیت نہیں دے رہے تھے۔ مجھے کچھ دیر سوچنے کا موقع مل گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ موت آجاتی تو اچھا تھا۔

ڈاکٹر نے جھک کر مجھے دیکھا اور اس کے لبوں سے گہری سانس نکلی۔

”احمق لوگو! درندو! تم کو اس سفاکی سے کیا ملا؟“ اس نے غصے میں کہا۔ ”تم جیسے احمق درندے میں نے نہیں دیکھے، کیا پالیا تم نے اس کی یہ حالت بنا کر؟“

میں کراہتا رہا، نور احمد نے کچھ کہنا چاہا لیکن ڈاکٹر نے اسے ڈانٹ کر خاموش کردیا۔ کہیں دور سے مجھے نوباہ کی آواز سنائی دی۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا ”مسٹر اوریلی۔ مسٹر اوریلی۔ یہ جو کچھ بھی پوچھیں بتلادو۔“ اس کی آواز میں بڑا کرب تھا۔

ڈاکٹر ہیٹر نیچے گیا اور وہاں سے کچھ سامان لے آیا اور پھر اذیت کا ایک نیا دور شروع ہوا، وہ میرا علاج کر رہا تھا لیکن اتنی شدید اذیت ہو رہی تھی کہ میں چیخ چیخ اٹھتا تھا لیکن کچھ دیر بعد درد کی شدت کم ہونے لگی، ظالموں نے میرے کانوں کی لووں، میری انگلیوں کی پوروں اور تلووں کو جلتی ہوئی کیلوں سے داغا تھا۔ جسم کا شاید ہی کوئی ایسا حصہ بچا ہو جو زخمی نہ تھا، کہیں کیلوں سے داغا تھا، کہیں سوراخ کردیے تھے، ناخنوں کو جلتی سنسی سے اکھاڑ دیا تھا، سارا جسم انگارہ بنا ہوا تھا۔ پھر اچانک بازو میں سوئی کی چبھن محسوس ہوئی اور فوراً ہی جیسے قرار آگیا۔ درد غائب ہوگیا اور میں تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

”میں تم کو پوری خوراک نہیں دے سکتا۔“ ڈاکٹر کی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔ ”سن رہے ہو اوریلی؟ کچھ دیر بعد تم کو اس جگہ کا نقشہ بنا کر دینا ہے۔ تم جلد اس قابل ہو جاؤ گے۔“

لیکن یہی اس کی غلط فہمی تھی۔ اب مجھے درد بالکل نہیں محسوس ہو رہا تھا، درد کے ساتھ ہی میری ساری بزدلی غائب ہوگئی تھی، کھویا ہوا اعتماد بحال ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کے خلاف نفرت کا شدید احساس پیدا ہو چکا تھا۔

”تم سب جہنم میں جاؤ۔“ میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

وہ میرے جواب پر حیران رہ گیا اور جھک کر مجھے غور سے دیکھنے لگا۔

”جہنم میں تو تم جارہے ہو کمینے۔ تم احسان فراموش درندے ہو، میں تم کو مزید اذیت سے بچانا چاہتا تھا لیکن تم اس قابل نہیں ہو کہ کوئی تم پر رحم کھائے، میں نے غلطی کی جو تم کو بچالیا۔ میں واقعی نہیں چاہتا تھا کہ تم کو ان وحشیوں کے حوالے کروں، لیکن تم واقعی اسی کے مستحق ہو۔“ وہ تقریباً چیختے ہوئے بولا۔ اور پھر سومالی کی سمت مڑ کر چلایا۔ ”اس کو بلاؤ۔“

سومالی کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے کسی بھوکے درندے کی طرح میری طرف دیکھ کر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگی تھیں، وہ مجھے دیکھتا ہوا تیزی سے نیچے کی سمت روانہ ہو گیا۔

”تم نے خود مصیبت کو دعوت دی ہے۔ خود اپنے لئے عذاب مانگا ہے۔ اب مجھے الزام نہ دینا۔“ ڈاکٹر غصے میں دہاڑا۔ ”اب دیکھوں گا کہ تمہاری زبان کیسے بند رہتی ہے۔ اب دیکھوں گا کہ تم کیسے برداشت کرتے ہو۔ کمینے انسان، تم نے...

تم نے مجھے اس بات پر مجبور کیا ہے۔"

اور اسی لمحے وہ درندہ صفت سومالی اینی کو گھسیٹتا ہوا اوپر لایا۔

میں تقریباً اچھل پڑا۔ اینی کی آنکھیں روشنی میں چکاچوند ہوگئی تھیں۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور مجھے جیسے سکتہ ہوگیا تھا۔

ڈاکٹر ہیٹر میرے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھا عاجزانہ لہجے میں گڑگڑا رہا تھا۔

"اوریلی! یقین کرو۔ خدا کے لئے یقین کرو مجھ پر۔ میں اینی کو لانے پر مجبور تھا۔ وہ اس بات پر بضد تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تمہاری زبان کھلوانے کے لئے ایک یہی طریقہ باقی رہ گیا ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ تم اپنی ضد چھوڑ دو، تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟ ان کو نقشہ بنا کر دے دو۔ ورنہ وہ اینی کے ساتھ بڑا برا سلوک کریں گے۔ وہ درندے ہیں۔ وحشی ہیں۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے وہ کیا کریں گے۔ نقشہ بنادو اوریلی ورنہ وہ اسے اپنے ساتھ کشتی پر لے جائیں گے اور وہ مر جائے گی اوریلی۔ تم بھی زندہ نہ بچو گے۔ اور ممکن ہے وہ مجھے بھی ہلاک کردیں کیونکہ وہ مجھے گواہی کے لئے باقی نہ چھوڑیں گے۔ تم صرف نقشہ بنادو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم کو بچالوں گا۔ میں اینی کو بھی بچالوں گا۔ میں یقین دلاتا ہوں اوریلی۔ یاد رکھو اینی کا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔"

میں نے اینی کی سمت دیکھا۔ سومالی نے اسے بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا۔ میں نے فوراً محسوس کرلیا کہ وہ گہری غنودگی کے عالم میں تھی۔ اس ظالم ڈاکٹر نے اس کو بھی بیہوشی کی دوا پلا رکھی تھی، وہ اپنے قدموں پر کھڑے رہنے کے قابل نہ تھی۔

مجھے اس وقت یہ نہیں معلوم تھا کہ ظالموں نے تین دن سے اس کو بیہوشی کے عالم میں رکھا ہوا تھا۔ میں نے ڈاکٹر کی سمت دیکھا۔ وہ بزدل اور لالچی رو رہا تھا۔ مجھے ایک طرح کی خوشی محسوس ہوئی۔ اس کو اپنے کئے کی سزا مل رہی تھی۔

"تم اتنے کمینے ہو ڈاکٹر، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" میں نے نفرت سے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ مجھے صرف یہ افسوس ہے کہ تمہارا انجام دیکھنے کے لئے میں موجود نہ رہوں گا۔ پھر بھی مجھے منظور ہے۔ میں اینی کے لئے یہ بھی قبول کرلوں گا۔ ٹھیک ہے، میں نقشہ بنادوں گا لیکن اب یہ تمہاری ذمےداری ہے کہ اینی کو ان درندوں کے چنگل سے بچالو۔ اگر یہ نہیں کرسکتے تو اسے زہر کا انجکشن دے دو۔ بولو تم کو یہ منظور ہے؟ کیا میں تم

کروڑ پتی تاجر کی اکلوتی بیٹی سے ایک غریب کلاس فیلو نے پوچھا "کیا تم میری شریک زندگی بننا پسند کرو گی؟"

لڑکی بولی "تم نے یہ سوال مجھ سے کیا ہی کیوں؟"

غریب نوجوان نے آہ بھر کر کہا "صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ کروڑوں کی جائداد کھو کر کیا احساس ہوتا ہے۔"

○☆☆○

جیسے کمینے اور ذلیل آدمی پر اتنا بھروسہ کرسکتا ہوں؟"

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ وہ اب بھی رو رہا تھا۔

وہ مجھے اٹھا کر نقشہ بنانے والی میز تک لے گئے۔ اس پر ایک لیمپ جل رہا تھا۔ میری نگاہیں ٹھیک سے کام نہیں کررہی تھیں لیکن میرا بنایا ہوا چارٹ وہاں پہلے سے پن کیا ہوا موجود تھا۔ ایک لمحہ رک کر میں نے سوچا کہ غلط نقشہ بنا کر کچھ اور وقت حاصل کرلیا جائے۔ شاید اس دوران کہیں سے مدد آجائے۔ پھر فوراً ہی مجھے خیال آیا کہ اس کے بعد وہ کیا کریں گے؟ بات اپنی ذات تک ہوتی تو شاید میں یہ خطرہ بھی مول لے لیتا لیکن اینی۔ میں اس کو عذاب میں مبتلا نہیں کرسکتا تھا۔

میرے کانپتے ہوئے ہاتھوں نے اس جزیرے کی نشاندہی کردی۔

اس دوران وہ سب میرے گرد آکر کھڑے ہوگئے تھے۔ نور احمد نے اپنی خوشی کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"میں اس جگہ کو جانتا ہوں، یہاں سے بمشکل پانچ میل دور ہے۔ یہ سُور کا بچہ دھوکا نہیں دے رہا ہے، کل تک اس کی تصدیق بھی ہوجائے گی۔"

وہ بہت خوش تھا۔ اگر وہ اتنا خوش نہ ہوتا تو شاید اس بے پروائی کا مظاہرہ نہ کرتا۔ ۴۵ بور کا ریوالور اس کی کمر کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ اس نے پیٹی کو کمر کی پشت کی سمت گھما لیا تھا۔ شاید ریوالور اس کی توند میں گڑ رہا ہوگا۔ کچھ بھی ہو، ریوالور اس کی کمر میں پشت کی جانب لگا ہوا تھا اور پشت میری سمت تھی۔ میں اتنا مطمئن کھڑا تھا کہ مجھے خود بھی حیرت ہو رہی تھی، نور احمد خوشی کے مارے دیوانہ ہو رہا تھا۔

میں نے بڑے اطمینان کے ساتھ ریوالور اس کی کمر سے

علیحدہ کیا اور بلا کسی پس وپیش کے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر فائر کردیا۔

لیکن سومالی کے پاس بھی پستول تھا۔ اس نے میری توقع کے خلاف بجلی کی سی سرعت سے کام لیا۔ اس نے لیمپ کا نشانہ لے کر فائر کیا، وھیل ہاؤس تاریکی میں ڈوب گیا اور پھر اس نے پے درپے کئی فائر مجھ پر کر ڈالے لیکن میں فرش پر لیٹ چکا تھا، اس نے چار گولیاں مجھ پر چلائیں جو خالی گئیں، صرف کیبن کی دیوار کی کرچیاں اڑ گئیں، پانچویں گولی میرے بالکل قریب سے گزری اور چھٹی گولی ڈاکٹر ہیٹر کے جسم میں پیوست ہوگئی کیوں کہ اس وقت تک وہ واحد آدمی تھا جو کھڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد سومالی کا پستول خالی ہوچکا تھا۔ اس کا گھوڑا آواز دے کر خاموش ہوا تو... میں دوبارہ کھڑا ہوگیا، میرے قدم ڈگمگا رہے تھے لیکن انتقام نے جانے کہاں کی قوت پیدا کردی تھی۔ میں نے اس کی سمت دیکھا اور مسکرایا۔ وہ بھی مسکرایا اور پہلی مرتبہ میں نے اس کی آواز سنی کیوں کہ اب تک وہ ایک بار بھی نہیں بولا تھا۔

”نو ماسٹر! پلیز!“ وہ گڑگڑایا۔

میں نے اس کی پیشانی کے عین درمیان فائر کردیا۔ گولی اس کے سر میں سوراخ کرتی ہوئی نکل گئی۔ وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح گرا۔ میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھے کتنا سکون محسوس ہوا، میرے جسم کے ہر زخم سے انتقام کے جو شعلے نکل رہے تھے وہ سرد پڑ گئے۔

ہر سمت سناٹا طاری ہوگیا تھا لیکن اچانک مجھے دور کھڑی کشتی سے بہت سے لوگوں کی تیز آوازیں سنائی دیں، وہ اپنی زبان میں زور زور سے چلا رہے تھے، اور پھر انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز نمایاں ابھری، میں نے اچانک ڈاکٹر کی لانچ کے ڈیش بورڈ کی سمت دیکھا۔ دونوں انجنوں کے اسٹارٹر بٹن سامنے تھے، اور اسی کے درمیان ایک بڑا سرخ بٹن تھا جس پر کیپٹن لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کو دبایا اور دوسرے ہی لمحے ”لنگر“ کی زنجیروں کے کھنچنے کا شور سنائی دیا۔ ذرا دیر میں لانچ کا لنگر اٹھ گیا۔ میں نے دونوں بٹن دبائے، لانچ کے انجن اسٹارٹ ہوگئے اور میں نے لانچ کو تیزی سے آگے بڑھایا۔ نور احمد کے آدمی اپنی موٹر بوٹ لے کر آگے بڑھ رہے تھے۔ انہوں نے فائرنگ کی آواز سن لی تھی، میں نے ان سے بچنے کے لئے لانچ کو کئی چکر دیے اور پھر درختوں کے درمیان سے گزرنے والے راستے سے لانچ کو نکال لے گیا، اس تنگ گزرگاہ سے نکل کر ہمیں زیادہ سفر نہیں کرنا پڑا اور جلد ہی ہم سمندر کے اندر داخل ہوگئے، کھلے سمندر میں پہنچ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

میں نے لانچ کا رخ مغرب کی سمت کرکے اس کے وھیل کو چھوڑ دیا اور صورتحال دیکھنے کے لئے آگے بڑھا۔ سومالی کی لاش غائب ہو چکی تھی لیکن نور احمد کا بے جان جسم اب تک عرشے پر پڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کی ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹا اور لاش کو سمندر کے حوالے کردیا۔ جانے کیوں میں خود کو بہت ہلکا محسوس کررہا تھا۔ وہ ساری اذیت جو اب تک برداشت کی تھی، یکسر بھول گیا تھا۔

اس کے بعد میں نے جھک کر ڈاکٹر کو دیکھا۔ وہ ایک سمت کروٹ کے بل پڑا ہوا تھا، اس کے گھٹنے مڑے ہوئے تھے اور دونوں ہاتھوں سے اس نے پیٹ پکڑا ہوا تھا، اس کے منہ کے ایک جانب سے خون کی لکیر بہتی نظر آرہی تھی اور ایک نتھنے سے خون رس رہا تھا، سانس رک رک کر چل رہی تھی، پیٹ میں ناف کے اوپر گولی نے سوراخ کردیا تھا اور قمیص پر خون کا سرخ دھبا نمایاں تھا۔ میں نے سنا تھا کہ پیٹ کے زخمی کو بغیر کسی ڈاکٹر کے موقع واردات سے ہٹانا نہیں چاہئے، لیکن یہاں میں کسی سے مدد کیسے طلب کرتا اس لئے پوری قوت لگا کر اس کو آہستہ سے اٹھایا اور سامنے کی بینچ پر لے جاکر لٹا دیا۔ پھر روشنی میں جو کچھ دیکھا اس کے بعد اندازہ ہوگیا کہ اب اس کے لئے کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ گولی اندر ہی اندر زخم بناتی ہوئی نکل گئی تھی۔ جسم کو حرکت دینے سے شاید اسے ہوش آگیا تھا کیوں کہ وہ آہستہ سے کراہا اور ایک دو بار اس کی پلکوں کو بھی جنبش ہوئی۔

اسی لمحے قدموں کی چاپ سن کر میں پھرتی سے مڑا۔ نوپاہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگیا تھا۔ اس کے پیچھے کیبن کی میز کے نیچے سے مجھے انجی کی ٹانگیں نظر آرہی تھیں جہاں اس نے انجی کو گھسیٹ کر ڈال دیا تھا۔ میں نے اس کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے مجھے اطمینان دلایا۔

”وہ بالکل ٹھیک ہے لیکن غنودگی کے عالم میں ہے، میرا خیال ہے اسے بے ہوشی کی کوئی تیز دوا پلادی گئی ہے۔“

”تم اسی کے پاس رہو۔“ میں نے کہا۔

میں اٹھ کر لانچ کے وھیل کی طرف گیا کیونکہ تیز لہروں کی وجہ سے لانچ کا رخ تبدیل ہوگیا تھا۔ تیز اور سرد ہواؤں کے جھونکوں سے لانچ لہرا رہی تھی۔ میں نے لانچ کا رخ ٹھیک کیا،

صبح کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے، دور مجھے روشنی کی چمک نظر آئی۔ میں ایک لمحہ ادھر دیکھتا رہا اور پھر چارٹ کو دیکھ کر یقین آگیا کہ یہ روشنی بھاگدیو لائٹ ہاؤس کی تھی جو ابھی... تقریباً بیس میل کے فاصلے پر تھا۔

میں نے ایندھن کو چیک کیا۔ ٹینک ابھی نصف بھرا ہوا تھا اور اندازاً اس میں ڈھائی سو گیلن پٹرول موجود تھا اور ریزرو ٹینک بھی بھرا ہوا تھا۔ رفتار کے حساب سے لانچ چار گیلن فی گھنٹا کے حساب سے سفر کر رہی تھی۔ میں بہ آسانی ایک ہزار میل تک سفر کر سکتا تھا۔ اتنے پٹرول میں اس جزیرے تک پہنچ کر سونا لادنے کے بعد میں بلا کسی دشواری کے کسی محفوظ مقام تک پہنچ سکتا تھا۔

اتنے دنوں میں پہلی مرتبہ مجھے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا راستہ نظر آیا اور پہلی مرتبہ میں نے خود کو اس قابل محسوس کیا کہ اب میں کامیابی کے ساتھ سونا نکال کر لے جاسکتا تھا۔ تیز رفتار لانچ میرے پاس تھی اور اس میں ایک ہزار میل تک سفر کرنے کا ایندھن موجود تھا۔ اعتماد کی قوت کے ساتھ کامیابی کی منزل نمایاں ہو چکی تھی۔ بے پایاں مسرت کے احساس نے مجھے ہر فکر سے بے پروا کر دیا۔

میں وھیل کو چھوڑ کر ہیٹر کی سمت بڑھا اور اسی لمحہ میں نے اینی کو اپنی سمت آتے دیکھا۔

میرے قدم رک گئے، اس کو اپنے پیروں پر کھڑا دیکھ کر اطمینان کا گہرا سانس لبوں سے نکلا۔ خدایا! اگر میں ان ظالموں کا کام تمام کرنے میں کامیاب نہ ہوتا تو وہ اینی کا کیا حشر کرتے؟ وہ ریلنگ کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی تھی اور عجیب نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ آگے بڑھی اور ڈاکٹر کے پاس بیٹھ کر اس کے دل کی دھڑکنوں کو سننے لگی۔ اس کی نبض دیکھی، پلکوں کو اٹھا کر آنکھوں کا معائنہ کیا پھر اس کے زخم کو دیکھتی رہی، اس کے بعد ڈاکٹر کی پشت کو ٹٹولا اور جب ہاتھ روشنی میں کیا تو خون سے سرخ ہو رہا تھا۔

"اگلے کیبن میں چمڑے کا ایک بیگ رکھا ہوا ہے۔" اس نے میری سمت دیکھے بغیر کہا۔ "اور ہاں۔ برتن میں تھوڑا سا پانی بھی لیتے آنا لیکن جلدی پلیز۔"

"اس کے بچنے کی کتنی امید ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔" اس نے تقریباً سرگوشی میں کہا "اسپتال میں باقاعدہ معائنے کے بغیر کوئی بھی نہیں بتلا سکتا، ویسے اس کو فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

> ایک شرابی شراب خانے سے نکلا اور قریب کھڑے ہوئے ایک شخص سے بولا "ذرا ایک ٹیکسی روکنا۔"
> "میں چوکیدار نہیں ہوں۔ ایئر کموڈور ہوں۔"
> "تب آپ براہِ کرم ایک بوئنگ ۷۰۷ منگوا دیں، بڑی مہربانی ہوگی" شرابی بولا۔

میں ان دونوں کو کھڑا دیکھتا رہا اور پھر کیبن میں جانے کے لئے مڑا لیکن نوپاہ مجھ سے پہلے بیگ اور پانی لے کر آتا نظر آیا۔ اس لئے میں پھر وھیل پر چلا گیا۔ ہم اب تک مغرب کی سمت جا رہے تھے اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ مجھے کچھ پتا نہ تھا کہ کدھر جانا ہے۔ نوپاہ کے قدموں کی آہٹ میں نے فوراً محسوس کر لی۔ وہ میرے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں مسٹر اوریلی؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"تم بتلاؤ"۔ میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ہمیں کہاں جانا چاہئے۔ تم نے اینی کی بات تو سن لی ہے نا؟"

نوپاہ نے کوئی جواب نہ دیا، میں نے بلند آواز میں اینی کو پکارا۔
"ٹھیک ہے اینی۔ تم مجھے بتلاؤ۔"

لیکن وہ بھی خاموش رہی تو میں غصے میں چیخا۔

"خدا کے لئے کچھ تو بولو۔ دونوں میں سے ایک تو جواب دو، یہ فیصلہ مجھ پر کیوں چھوڑ رہے ہو۔" میں نے ان کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ لیکن دونوں خاموش کھڑے مجھے گھورتے رہے۔ میں نے بڑی مشکل سے ضبط کیا اور نرم لہجے میں پوچھا۔ "دیکھو۔ تم دونوں یہی چاہتے ہو نا کہ میں اس منحوس سونے کو نکالنے کا خیال ترک کر دوں؟ اگر ایسا ہے تو پھر بولتے کیوں نہیں۔ بڑا سیدھا سادہ مسئلہ ہے۔ اسپتال اس طرف ہے۔ میں چند گھنٹوں کے اندر تم سب کو وہاں پہنچا سکتا ہوں لیکن پورا علاقہ ان منحوس پولیس والوں سے بھرا ہوا ہے لیکن دوسری سمت جانے سے میرے لئے بچ نکلنے کا سنہری موقع ہے اور تمہارے لئے بھی نوپاہ۔ کیوں کہ وہ تم کو بھی تلاش کر رہے ہیں۔ تم جانتے ہو نا؟ ٹھیک ہے تو پھر مجھے بتلاؤ کہ کیا کروں؟ اینی! مجھے صرف اتنا بتلا دو کہ ڈاکٹر کے بچ جانے کی ذرا سی بھی امید ہے۔ میں بلا تامل لانچ کا رخ اسپتال کی سمت موڑ دوں گا۔ بولو، خدا کے لئے مجھے جواب دو اینی۔"

لیکن دونوں میں سے کسی نے جواب نہ دیا۔ وہ مجھے

خاموشی سے کھڑے گھورتے رہے ' میرے لئے برداشت کرنا ممکن نہ رہا تھا اس لئے میں نے نقشے کو اٹھایا اور پرزے پرزے کر کے ہوا میں اڑا دیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی ۔ صرف مجھے وہ جگہ معلوم تھی۔ میں کسی دن بھی آؤں گا۔ کوئی نہ کوئی صورت پیدا ہو جائے گی۔ اس مرتبہ میں بالکل تنہا آؤں گا اور سونا نکال کر لے جاؤں گا' لیکن اس وقت ایک انسانی زندگی کا مسئلہ تھا۔ دنیا کے تمام سونے سے زیادہ انسان کی زندگی قیمتی ہوتی ہے ۔ میں اپنے ضمیر پر یہ بوجھ نہیں لے سکتا۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اپنی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ سوچ کر میں نے سونے کے لالچ میں ڈاکٹر کی جان لے لی ۔ وہ بہرحال اس کا شوہر تھا۔

میں نے لانچ کو تیزی کے ساتھ گھمایا اور اس کا رخ واپس اسپتال کی سمت موڑ دیا۔

ہم زیادہ دور نہ گئے تھے کہ ڈاکٹر نے دم توڑ دیا اور اسی لمحے پولیس کی لانچ ہمارے سامنے آگئی۔

*

میں پانچ دن تک تھانے کی حوالات میں سڑتا رہا۔ یورپین یا امریکن پولیس مجھے سیدھا جیل بھیج دیتی لیکن ہندوستان کی پولیس کے پاس کسی چیز کی کمی ہو' وقت کی نہیں ہوتی۔ میں نے انسپکٹر نریش سے خود درخواست کی' لیکن مزید دو دن گزرنے کے بعد وہ مجھے ہیڈ کوارٹر لے گئے۔ انسپکٹر نے بڑے اخلاق کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا اور مجھے چائے اور سگریٹ پیش کی لیکن میں نے بے رخی کے ساتھ انکار کر دیا۔

" تم جیت گئے انسپکٹر " میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ " میں تم کو اس مقام کے بارے میں بتلادوں گا۔ جواب میں تم کو یہ تحریری یقین دہانی کرانا ہوگی کہ تم مجھے گوا کی پولیس کے حوالے نہیں کرو گے اور نوپاہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوگی "

وہ مسکرایا۔" اب تم کو کسی کے حوالے کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی مسٹر اوریلی۔ گوا آزاد ہو چکا ہے اور اب وہ بھارت کا ایک حصہ ہے۔"

مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں نے بڑی ... جلدبازی سے کام لیا تھا۔ اپنی کمزوری کا اظہار کر دیا تھا اور اب میں واقعی بازی ہار چکا تھا۔ اب ان لوگوں سے مقابلہ ممکن نہ تھا' میں ان کی حراست میں تھا اور یہ اعتراف کر چکا تھا کہ اس جگہ کا پتا مجھے معلوم تھا۔ پھر بھی میں نے ان کو چکمہ دینے کی کوشش کی۔

" میں پھر بھی یہ سودا کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔" ورنہ میں کچھ بھی نہ بتاؤں گا۔ تم میری زبان نہیں کھلوا سکو گے۔"

" ہم اس کی کوشش بھی نہیں کریں گے مسٹر اوریلی۔" اس نے ملامت بھرے لہجے میں کہا۔" ہم مہذب لوگ ہیں' کل کی فلائٹ سے ہم تم کو لندن روانہ کر رہے ہیں لیکن مہربانی کر کے اب واپس آنے کی کوشش نہ کرنا۔ ہم نے تم کو اپنی حکومت کی طرف سے معاف کر دیا ہے تاکہ تم یہ یاد رکھ سکو کہ تہذیب' شرافت اور رواداری صرف تمہارا ورثہ نہیں ہے' ہم اس لحاظ سے بھی تم سے برتر ہیں"۔

میرا سر چکرانے لگا تھا' بمشکل میں کہہ سکا۔" اور نوپاہ؟"

" بدقسمتی سے ہم اسے ملک بدر نہیں کر سکتے۔ وہ پیدا تو ضرور برما میں ہوا تھا لیکن اب ہندوستان کا شہری ہے' ویسے تمہیں اس کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر رہے ہیں۔ ہم غیر مہذب اور کمتر لوگوں نے تمہارے سفر کے ساتھ ساتھ سفر خرچ کا بھی بندوبست کر دیا ہے اور کاغذات اور ٹکٹ کے ساتھ پندرہ پونڈ کی رقم بھی تمہاری منتظر ہے۔ تاکہ تمہاری مہذب دنیا کو شرمندگی نہ ہو۔"

*

چھ ماہ بعد مجھے حقیقت کا علم ہوا۔

اس دوران میں ماضی کی تمام گرد جھاڑ کر ایک نیا انسان بن چکا تھا۔ ایک مسافر بردار جہاز کا نائب کپتان بھی بن چکا تھا اور اب میں تنہا بھی نہیں تھا۔ اپنی۔ میری بیوی میرے ساتھ تھی۔

ہم محبت کی شاہراہ پر ایک نئے سفر کی ابتدا کر چکے تھے۔

لیکن اصل بات تو میں بتلانا ہی بھول گیا ۔ یہ نہ پوچھیے کہ کب اور کیسے' لیکن جب میں نقشہ پھاڑ رہا تھا تو نوپاہ نے کسی طرح اسے دیکھ لیا تھا اور اس نے انسپکٹر نریش کو اس جگہ کی نشاندہی کر دی تھی اور جب حکومت نے وہ سونا نکال لیا تو نوپاہ کو ایک لاکھ روپیہ انعام دیا گیا۔ اس نے اپنے حصے کی رقم تو فرید گھاٹ کے پگوڈا کو دان کر دی تھی لیکن اس کا نصف۔ پچاس ہزار ایک بینک ڈرافٹ کی شکل میں ہمارے سفارت خانے کے ذریعے مجھے بھیج دیے تھے۔

نئی زندگی کے آغاز پر نوپاہ کا یہ تحفہ ہم زندگی میں کبھی نہ بھول سکیں گے۔

* *